یااللہ جل جلالہٗ

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ

المجلد السادس

تصنیف

فخر المتاخرین العالم العارف باللہ

مفسر کلام اللہ تعالیٰ وخادم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الشیخ السید احمد علی شاہ

الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی

النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، المجلد السادس

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

تعلیق و ترتیب: پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ صاحبزادہ سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: مارچ ۲۰۲۴ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(۱) باب نمبر ایک: تصوف کی تعریف

قال القاضی شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ: التصوف علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس وتصفیۃ الاخلاق وتعمیر الظاھر والباطن لنیل السعادۃ الابدیۃ ویحصل بہ اصلاح النفس والمعرفۃ ورضاء الرب۔

یعنی تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان تزکیہ نفس، اخلاق کی صفائی، اور ظاہر و باطن کی تعمیر جان لیتا ہے تاکہ وہ ابدی سعادت سے ہمکنار ہو سکے اور اس کے نفس کی اصلاح ہو اور اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب کی معرفت اور رضا حاصل کر لے۔[1]

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تصوف وہ علم ہے جس کا مقصد دلوں کی اصلاح کرنا، اور ان کو محض اللہ کیلئے خاص کر دینا ہے، اور فقہ، عمل کی اصلاح اور پورے نظام کی حفاظت اور احکام میں مضمر حکمتوں کو آشکارا کرنے کا نام ہے۔ اور علم توحید کا مقصد یہ ہے کہ مقدمات کو براہین و دلائل سے ثابت کیا جائے اور ایمان کو یقین کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ جیسا کہ طب کا مقصد اجسام کی حفاظت کرنا ہے اور علم نحو کا مقصد زبان کو اغلاط سے محفوظ کرنا ہے۔

شیخ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف یہ ہے کہ ہر اچھی عادت اور طریقہ کو اپنایا جائے اور ہر برے طریقہ اور عادت کو ترک کیا جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ پس جس نے تیرے اخلاق میں اضافہ کیا، اس نے تجھے تصوف پر عمل پیرا کر دیا۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تصوف نفس کو عبودیت کے سانچے میں ڈھالنے، اور اسے احکام ربوبیت کی طرف لے جانے کا نام ہے۔"

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ بارگاہ خداوندی تک رسائی، باطن کی رزائل سے صفائی اور اس کو مختلف فضائل سے آراستہ کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ اس کی ابتداء علم، وسط علم اور انتہاء عنایت خداوندی ہے۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: یہ وہ علم ہے جس میں اہل کمال کی منازل سعادت میں ترقی کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم تصوف وہ علم ہے جسے عقلمند اور صاحب حال ہی جان سکتا ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اس کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اور کور چشم سورج کی روشنی کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔

---

[1] (علی ھامش "الرسالۃ القشیریۃ" ص۷)

شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ قواعد تصوف میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف پر تقریباً دو ہزار تالیفات کی گئی ہیں اور ان تالیفات کا لب لباب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

تصوف کا دارو مدار مادی آلائشوں سے دل کو صاف کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد خالق حقیقی سے بندے کے تعلق قائم کرنے پر ہے۔ پس صوفی وہ ہے جس کا دل پاک اور اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف ہو، اور اس کی بارگاہ سے اسے خاص انعام و اکرام حاصل ہو۔

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہرین علم روحانیت و معرفت کو صوفی کیوں کہا گیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کا نصب العین صفائے باطن تھا وہ صوفی کہلانے لگے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے مطابق وہ حضرات اکثر صوف یعنی اون کا کپڑا پہنتے تھے۔ اس نسبت سے بھی وہ صوفی مشہور ہوگئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا مسلک اصحاب صفہ کے مسلک کے مطابق تھا یعنی گوشہ نشینی اور ہمہ وقت یادِ خدا میں مشغول رہنا تھا اس نسبت سے بھی وہ صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہونے لگے۔

اصلِ تصوف

لیکن ان ظاہری وجوہات سے قطع نظر تصوف کی اصل احسان ہے جو اس حدیث پر مبنی ہے جس کو عرفِ عام میں حدیثِ جبریل کہا جاتا ہے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام انسان کی صورت اختیار کرکے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور اسلام، ایمان اور احسان کے مطالب دریافت کیے تو احسان کا مطلب آپ نے یوں بیان فرمایا: أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك۔ (یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھتا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو تحقیق وہ تجھ کو دیکھتا ہے)۔[1] مختصر الفاظ میں صدق توجہ الی اللہ کا نام مرتبۂ احسان ہے جو جملہ کمالات ظاہری و باطنی کی اصل ہے۔ دل کو ماسویٰ اللہ سے پاک رکھنا اور محبوبِ حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزر نہ ہونے دینا سرمایہ احسان ہے جو تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔ تصوف نام ہے مجموعہ شریعت، طریقت، حقیقت، اور معرفت کا۔ شریعت راستہ ہے، طریقت کا مطلب ہے، اس راستے پر چلنا اور جس مقام یا منزلِ مقصود کی طرف یہ راستہ راہنمائی کرتا ہے،

[1] (مسلم (٢٦١ هـ)، صحيح مسلم٩•الألباني (١٤٢٠ هـ)، صحيح ابن ماجه٥٤•البخاري (٢٥٦ هـ)، صحيح البخاري٤٧٧٧•)

وہ حقیقت کہلاتا ہے اور حقیقت کی روشنی میں جو علم سالکِ راہِ طریقت کو حاصل ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تصوف اور شریعت میں کوئی مغایرت نہیں ہے، بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی طریقت یا تصوف ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مثنوی میں ایک حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے:

اَلشَّرِیْعَتُ اَقْوَالِیْ وَ الطَّرِیْقَتُ اَفْعَالِیْ وَ الْحَقِیْقَتُ اَحْوَالِیْ وَ المَعْرِفَۃُ سِرِّیْ۔

شریعت میرے اقوال کا نام ہے، طریقت میرے اعمال کا، حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے۔

نیز حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے چوتھے باب میں حدیثِ نبوی ﷺ نقل فرمائی ہے:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَھْلِ تَصَوُّف فَلَا یُؤْمِنُ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْغَافِلِیْن۔

یعنی جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور قبول نہ کی تو اللہ کے نزدیک وہ غافلین میں لکھا جاتا ہے۔

بعض حضرات اس قسم کی احادیث کو خبرِ واحد یا خبر آحاد کا نام دے کر زیادہ معتبر قرار نہیں دیتے لیکن اہل اللہ کے نزدیک یہی وہ احادیث ہیں جو حقائق سے لبریز اور معرفت کی جان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث کے بہت راوی ہیں وہ زیادہ تر احکام طہارت، وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، خرید و فروخت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور عوام الناس کے سامنے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائیں۔ لیکن اسرار و رموز اور حقائق و معارف کی باتیں آپ نے چیدہ چیدہ اصحاب کے سامنے بیان فرمائیں اس لئے نہ ان کو تواتر نصیب ہوا نہ کثرتِ روایت۔ دراصل اہل معرفت کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی یہی احادیث ہیں جن کو اصول حدیث کی رو سے خبر واحد یا اخبار احاد کہا گیا ہے۔ ان دو احادیث کا بھی یہی حال ہے، روایت کے طور پر ضعیف اور معرفت کے نقطۂ نگاہ سے نہایت بلند۔ علاوہ ازیں کتبِ حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں تصوف کا لفظ تو نہیں آیا لیکن ہیں تصوف اور معرفت کی جان۔ مثلاً ایک حدیث قدسی یہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے ہر کام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اب کوئی شخص جتنا زور لگائے اس حدیث کے باطنی معنی کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ حدیث بھی علم باطن یا باطنی بصیرت سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف دیکھتا ہوں۔ یہ بھی نظر باطن پر دلالت کرتی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندۂ مؤمن کے قلب میں سما سکتا ہوں۔ عبد مؤمن کے قلب کی یہ وسعت صرف اہل تصوف ہی جانتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ علمائے ظاہر کے نزدیک اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اب علمائے ظاہر اس کا کیا مطلب نکال سکتے ہیں۔ ظاہر میں اس کا کوئی مطلب ہی نہیں نکل سکتا۔ یہ سب علم باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ [1]

نفس اور اس کی اقسام

نفس جسم انسانی کے اندر ایک قوت ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بحث بھی رہی ہے کہ روح اور نفس ایک شی کے دو نام ہیں یا یہ دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اور حافظ ابن قیم نے اس اختلاف کو اس طرح لکھا ہے کہ نفس اور روح کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں: ایک یہ کہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ روح جوہر لطیف ہے، روح ایک سوار ہے اور بدن اس کی سواری، بدن میں روح کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا درخت زیتون میں تیل اور روح فنا بھی نہیں ہوتی۔ ابن زید روح اور نفس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حبیب کا گمان ہے کہ روح اور نفس دو جدا چیزیں ہیں۔

مزید تحقیق کتاب الروح ابن قیم اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی کتاب فلسفہ اخلاق میں دیکھیں۔ اب ہم یہاں نفس کی اقسام کا ذکر کرتے ہیں

نفس امارہ، لوامہ، مطمئنہ ان تینوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ، بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے۔

وَ لَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ (اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی)

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً o فَادْخُلِي فِي عِبَادِي o وَادْخُلِي جَنَّتِي o (الفجر)

اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

---

[1] (روحانیت اسلام، صفحہ ۷۲ تا ۷۴)

امارہ: نفس امارہ کفار، سرکش اور بدبختوں کا ہوتا ہے۔ عالم سفلی کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ نفس امارہ برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ و بدکاری پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور بدکار اس کی بات مانتے رہتے ہیں۔

لوامہ: نفس لوامہ یہ مؤمنین اور ایمانداروں کا ہوتا ہے، ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، گناہ کرے تو اس کو رنج و پریشانی ہوتی ہے۔ ادھر غفلت سے کوئی لغزش ہوئی، ادھر توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

مطمئنہ: نفس مطمئنہ اطمینان یافتہ، یہ اللہ کے مقبول و محبوب برگزیدہ بندوں کا ہوتا ہے۔ شریعت کی پیروی اور عبادت و معرفت سے اس کو چین اور سکون حاصل ہوتا ہے اور عالم علوی کی طرف مائل رہتا ہے۔ تخیلات سے یہ متزلزل و منتشر نہیں ہوتا۔ یقین و معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہوتا ہے۔[1]

تصوف کی اہمیت اور فرضیت

علماء و صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تصوف کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اللہ ﷺ کی محبت و اتباع، خوفِ خدا، اخلاص، احسان، زہد و توکل، شوق و ذوق اور خشوع نصیب ہو جائے۔ تصوف قرآن و حدیث اور اسلام سے الگ چیز نہیں۔ ہم قرآن و حدیث سے تصوف کو ثابت کریں گے۔ تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کا اصل مقصد دین کی تکمیل اور ان کیفیات کو حاصل کرنا ہے جن کو قرآن و سنت نے کمال ایمان و اسلام کی ضروری شرط قرار دیا ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت کے علاوہ انسان کے قلب و باطن میں خاص کیفیات کا ہونا ضروری ہے۔

مثلاً قرآن پاک میں ارشاد موجود ہے:

وَالَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور جو ایمان والے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے۔"

مؤمن کی محبت اگر کسی سے ہوتی ہے تو وہ بھی صرف اللہ کے لئے۔ حضور سید عالم ﷺ و دیگر انبیاء سے ہمیں جو محبت و عقیدت ہے وہ صرف اس لئے کہ یہ محبوبانِ خدا ہیں۔ تمام محبتیں اسی عظیم محبت کے تابع ہیں اور زیر فرمانِ نبوی ﷺ: اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ ایمان کی حلاوت پائے گا جسے خدا اور رسول ﷺ سب

---

[1] (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۳۲۶ تا ۳۲۷)

چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ کسی آدمی سے محبت صرف خدا کے لئے کرے یعنی دنیا کی کوئی غرض مطلوب نہ ہو۔"[1]

حضور ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اپنے اولیاء سے تعلق رکھنے والا بنادے اور تیرے عاشق سے محبت رکھیں۔[2]

سرکار ﷺ یہ بھی دعا فرماتے تھے:

اللھمّ انّی اسئلک حبّک و حب من یحبّک۔

الٰہی! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں۔[3]

یہ معنی بھی ہو سکتا ہے: یا اللہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ محبت کا مقام قلب ہے اور یہ بھی ایک باطنی کیفیت ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (انفال ۲۱)

ترجمہ: "سچے ایمان والے بس وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں۔"

اس آیت میں مؤمنین کاملین کی باطنی کیفیات وصفات کا ذکر کیا گیا اور اس کا نام تصوف ہے جس کی صوفیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ تعلیم دیتے ہیں۔ عارفین رحمھم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل اس کی عظمت و جلال کی وجہ سے سہم جاتے ہیں۔ دلوں میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ کامل مؤمنین کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ یعنی ایمان کی قوت اور نور میں ترقی ہو جاتی ہے۔ ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمالِ صالحہ اس کی عادت بن جاتے ہیں۔ جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایمان کے اس مقام کو حلاوتِ ایمان کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ تیسری صفت مؤمنین کاملین کی یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضرت عارف باللہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تمہارا ہاتھ بڑے سانپ کے منہ میں بھی ہو تو اللہ پر

---

[1] (صحیح مسلم، جلد ۱ ص ۴۹)

[2] (سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸)

[3] (سنن ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۲۱۹)

توکل کرو۔ جب اللہ کے بندے ان صفات عالیہ سے، جن کا ذکر اس آیت میں ہے، متصف ہوتے ہیں تو ان کا ظاہر و باطن درست ہو جاتا ہے۔ دل انوار سے معمور ہوتا ہے۔ یوں کہیئے کہ ان کا ظاہر بھی مطلع انوار ہو جاتا ہے اور باطن بھی بقعہ نور۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق ۳)

ترجمہ: ”جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔ جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔“

اور سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: ۲۳)۔

ترجمہ: ”اس قرآن کے پڑھنے سے ان کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔“

یعنی متقی لوگ جب قرآن پڑھتے ہیں تو خشیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے جسم کے بال اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آیات جن میں دوزخ و عذاب اور رب کی ناراضگی کا ذکر ہے، ایسی آیات کامل مؤمنین جب پڑھتے ہیں تو ان کے دل کانپنے لگتے ہیں اور جب آیاتِ وعدہ پڑھتے ہیں جن میں اللہ کی رضا، رحمت و بخشش کا ذکر ہے تو اس سے ان کے دلوں میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ پھر ان کے جسم و قلب، ظاہر و باطن اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد ان کے بدن، روح، و دل پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ وہ لوگ بڑے بدنصیب ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے متاثر نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: ۲۲)

ترجمہ: ”پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکرِ خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔“

سورۃ المزمل میں ارشاد ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل: ۷)

ترجمہ: اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا سب سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ رہو۔

یعنی اللہ کے ذکر کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا کہ اپنے دل کو ماسوا کے خیال سے پاک کر دو اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق ہو جاؤ۔[1]

کسی سے تعلق بھی ہو تو اسی کی رضا کے لئے ہو۔ اگر بظاہر دنیا کے معاملات میں مصروف ہو جاؤ تو قلب و باطن رب کی یاد میں مشغول رہیں۔

بظاہر درمیان بازار باشم   بہ باطن ہمہ رائے آں یار باشم

یعنی اگرچہ میں ظاہری طور پر بازار میں ہوں لیکن در حقیقت باطنی طور پر اپنے محبوب کے ساتھ ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے لکھا کہ حضرت خواجہ شاہ نقشبند بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں نے منیٰ کے مقام پر ایک نیک بندے کو دیکھا جو پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا، مگر اس کا دل ایک لحظہ و گھڑی بھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں تھا۔[2]

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور:۳۷)

"وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔"

صوفیاءرحمہم اللہ تعالیٰ کے مسئلے "خلوت در انجمن" کی اصل یہیں سے نکلتی ہے۔

ان آیات میں ان اوصاف و کیفیت کو اہل ایمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی عظمت و جلال اور اس کے خوف سے لرزش کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ تلاوت آیات سے ان کے نورِ ایمان میں اضافہ ہو۔ اللہ پر توکل وہ بھروسہ رکھیں ظاہر و باطن اللہ کی طرف اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتا ہو ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھیں اس سے غافل نہ ہو۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو، یہی وہ تعلیمات ہیں جن کا نام تصوف ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرة ۱۵۲)

"تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔"

---

[1] (تفسیر روح المعانی)

[2] (مکتوبات دفتر اول صفحہ ۸۷)

یعنی زبان ودل سے میرا ذکر کرو تو نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی اور شکر خوب ادا کرتے رہو، گناہ اور غفلت میں وقت ضائع کر کے ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ یعنی ذاکر بندے کو میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس پر میری خاص رحمت برستی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا (التحریم:۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کرو۔"

سچی توبہ وہ ہے جس کا اثر توبہ کرنے والے کے اعمال میں ظاہر ہو اس کی زندگی طاعتوں سے معمور ہو جائے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النازعات ۴۰)

ترجمہ: "اور جو ڈرتا رہا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور نفس کو روکتا رہا ہو گا بری خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گا۔"

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورۃ ق ۱۶)

ترجمہ: "ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"

علماء عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک قرب عام ہے وہ ہر مخلوق کے لئے ہے۔ اور ایک قرب خاص ہے، وہ مقبول اولیاء اللہ کے لئے ہے۔

متعدد آیات و احادیث اس پر شاہد ہیں۔ ہجرت کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبۃ ۴۰)

بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

سورۃ العلق میں ہے: "اور سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ۔"

اور صحیح بخاری اور مشکوٰۃ میں حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ نفلی عبادات کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، پھر وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔[1]

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (الحدید:۴)

ترجمہ: "اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو" یعنی اپنے علم و قدرت اور فضل و رحمت کے ساتھ۔

---

[1] (صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۹۶۳)

وَمَاالْحَيوةُالدُّنْيَاۤاِلَّامَتَاعُالْغُرُوْرِ (آل عمران ۱۸۵)

”اور دنیاوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔“

آخرت کی بقاو پائیداری کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس عارضی و فانی دنیا پر بھروسہ نہ کرو۔ آخرت کی فکر کرو اور صرف دنیا کے طالب نہ بن جاؤ۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ (٧) أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یونس ۸)

”بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس سے جی لگا بیٹھے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں، ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ بسبب ان برے عملوں کے جو وہ کرتے رہے۔“

یہ وہ کوتاہ نظر ہیں جن کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور شوقِ وصل کی کوئی چنگاری نہیں۔ دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے۔ مادی دنیاوی زندگی کی رنگینیوں میں ایسے گم ہیں کہ خدا کے پاس جانے کی کچھ فکر ہی نہ رہی۔ آخرت کی بہتری کی تمنا و طلب بھی دل سے مٹ گئی۔ فکر آخرت نصیب ہی نہیں۔ فانی کو جاودانی پر ترجیح دی۔ اس چندروزہ حیات کو مقصود بنالیا۔ ایسے مردہ دل اور گمراہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَمَاهَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت ۶۴)

ترجمہ: ”اور دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل تماشا اور عالم آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔“

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (١٩٠) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور تسلیم کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تونے یہ سب بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔ پاک ہے تو محفوظ فرما ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔“

یہاں اہل علم کو کارخانہ قدرت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ جتنا غور و فکر کریں گے اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر ان کا ایمان پختہ ہو گا۔ عقل مند آدمی جس کو معرفت نصیب ہے، وہ جب آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ منظم سلسلہ قادر

مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے، جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے، کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے اور اللہ کے بندے اپنے رب کو ہر حال اور ہر ہئیت کے ساتھ یاد کرتے رہتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کارخانۂ حیات اللہ تعالیٰ نے بیکار پیدا نہیں فرمایا، بڑے بڑے مصالح و مقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ انہی آیات کی روشنی میں صوفیاء کرام تبلیغ فرماتے ہیں اور لوگوں کو ذکر اور غور و فکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حدیث سے تصوف کا ثبوت

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک شخص جس کا لباس بہت سفید تھا اور بال سیاہ تھے، اس کی حالت سے آثارِ سفر بھی ظاہر نہیں ہوتے تھے، ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا، وہ ہمارے لئے اجنبی تھا، وہ آکر حضور ﷺ کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں کو حضور ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیا اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھے یعنی سرکار کے سامنے اس طرح بیٹھ گیا جیسے نمازی التحیات میں بیٹھتا ہے یا اس طرح جس طرح شاگرد اپنے استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر اس نے عرض کی کہ اے محمد ﷺ ! مجھے اسلام کے متعلق بتائیے۔ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان شریف کے روزے رکھو اور اگر توفیق ہے تو حج کرو۔ اس شخص نے عرض کیا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر عرض کی **فاخبرنی عن الایمان** (مجھے ایمان کے متعلق بتائیے)، فرمایا اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت اور تقدیر کو مانو۔ اس نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ **قال فاخبرنی عن الاحسان** (کہا مجھے احسان کے متعلق بتائیے)، فرمایا **اَن تعبد اللہ کانّک تراہ۔** اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، **فان لم تکن تراہ فانہ یراک** اور اگر تم اس حال کو نہ پاسکو تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[1]

اس حدیث میں اسلام، ایمان اور احسان کا ذکر آیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی تعریف میں بنیادی ارکان بتلائے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان سب کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا، پھر احسان کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ نے احسان کے دو مرتبے بیان فرمائے۔ امام المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ حدیث میں احسان کے پہلے مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے دل پر معرفت الٰہیہ کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ مشاہدۂ حق میں اس طرح کھو جائے گویا کہ خدا کو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مقام پر نہ ہو تو دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔[2]

---

[1] (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

[2] (الفتح الباری شرح بخاری ۱:۱۲۰)

اور یہ باطنی کیفیت ہے اور اس قسم کی کیفیات کو حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ علامہ قاضی نور الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث میں اشارہ ہے مقام مشاہدہ و مراقبہ کی طرف۔ دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کی بینائی پر ہی موقوف نہیں، تجلیات کے مشاہدہ کے لئے کچھ اور قوتیں بھی ہیں۔[1]

صوفی مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ اپنی ہستی بھول جاتا ہے اور محبوب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ محبت و فنا کا عظیم ترین مقام ہے۔ اس مقام پر عارف کا قلب تجلیات الٰہیہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ حدیث تمام وظائف عباداتِ ظاہری و باطنی اور دل کے اخلاص کے بیان پر مشتمل ہے۔[2]

جس بندے کو مقامِ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، اس کے قلب پر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا یقین کامل ہوتا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ بندہ گناہ کے قریب تک نہیں جاتا۔ پیر کامل کی ساری توجہ اسی بات پر ہوتی ہے کہ مرید کے قلب میں یقین و اخلاص پیدا ہو جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دل ٹھیک ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ انسانی جسم میں دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔

ہم آگے قلبِ سلیم و دیگر لطائف کے متعلق تفصیلاً تحریر کریں گے۔ ہم اس موضوع پر دلائل پیش کر رہے تھے کہ باطنی کیفیات کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے، اور اسی کا نام تصوف ہے اور ان باطنی کیفیات کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے۔ مزید احادیث اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے:

یا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ۔

اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھ۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور سید عالم ﷺ یہ دعا بھی فرماتے: ”اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے! اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں سینے کے وسوسوں سے“۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے دعاء فرمائی:

اللھمّ حَبِّبْ اِلَینَا الْاِیمَانَ وَزَیِّنْہُ فِی قُلُوبِنَا۔

---

[1] (تیسیر القاری، شرح بخاری، ۱:۳۵)

[2] (عمدۃ القاری ۱:۲۸۹، شرح بخاری)

اے ہمارے اللہ! ہمارے لئے ایمان کو محبوب بنادے اور ایمان سے ہمارے دل مزین فرما اور ہمارے دلوں میں کفر، گناہ اور نافرمانی سے نفرت پیدا فرما۔[1]

اللھمّ تُطَھِّر قَلبِی وَ تُنَوِّرْ لِی قَلبِی۔

ترجمہ: اے اللہ! پاک کر دے تو میرے دل کو اور روشن کر دے تو میرے دل کو۔[2]

اور سرکار ﷺ نے امت کو یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی: "یا اللہ پاک کر دیجئے میرے دل کو خطاؤں سے جیسا پاک صاف کر دیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل سے۔"[3]

اللھمّ مُصَرِّفَ القُلوبِ صَرِّف قُلوبنا عَلٰی طَاعَتِکَ۔

اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت پر پھیر دے۔[4]

اے اللہ! میں پناہ لیتا ہوں تیری من قلب لا یخشع ایسے دل سے جو خشوع سے خالی ہو۔[5]

اے میرے رب! بنادے مجھے ایسا کہ میں ہو جاؤں تیرے سامنے گریہ زاری کرنے والا اور ہدایت دیجئے میرے دل کو اور کھینچ کر باہر نکال لیجئے میرے سینے کی کدورت کو۔[6]

اللھمّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ۔

اے اللہ! کھول دے میرے دل کے کان اپنے ذکر کے لئے۔[7]

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی پاک ﷺ یہ بھی دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے۔ یا اللہ! ہم مانگتے ہیں تجھ سے ایسے دل جو نرم اور درد آشنا ہوں اور عاجزی کرنے والے اور تیری طرف رجوع کرنے والے ہوں۔[8]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری خشیت باطن میں اور ظاہر میں اور کلمہ اخلاص اور تسلیم و رضا کی توفیق دے اور موت کے بعد پُر لطف زندگی عطا فرما۔"

---

[1] (ابن حبان، مستدرک، امام حاکم)

[2] (مستدرک حاکم)

[3] (بخاری، ۹۴۳: ۲)

[4] (مسلم، ۳۳۵: ۲)

[5] (مسلم، ۳۵: ۲)

[6] (سنن ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۹۴)

[7] (کنز العمال ۱۹۴: ۱)

[8] (مستدرک ۵۳۳-۴: ۱)

ولذّۃُ النظرِ اِلیٰ وجہکَ والشّوقَ اِلیٰ لِقَائِکَ۔

اور مانگتا ہوں تجھ سے لذت دیدار تیرے رخ زیبا کی اور تڑپ وشوق تیری ملاقات کی۔[1]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! توبہ کے لئے میرے دل کو نرم فرما اور میرے دل کو پتھر کی طرح سخت نہ کر۔[2]

حضور ﷺ نے دعا فرمائی:

اللھمّ انی اسئلک نفسًا مطمئنۃ تومن بلقائک۔

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان لائے۔[3]

اے اللہ! شامل کر مجھے ان لوگوں میں جو نیکی کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔[4]

اے اللہ! مجھے برے اخلاق اور نفسانی خواہشات سے دور رکھ۔[5]

اللّھمّ انی اعوذبک من الشّک۔ (اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں شک سے۔)[6]

یہ تمام دعائیں نبی کریم ﷺ خود بھی مانگتے تھے اور ان دعاؤں کی تعلیم و تلقین امت کو بھی فرمائی۔ ان دعاؤں میں جن چیزوں کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہے یہ سب انسان کے باطن اور قلب کی خاص کیفیات ہیں۔ رب کا خوف، رب سے شوقِ ملاقات، یقین صادق، رضا بالقضاء، تسلیم ورضاء، توکل، خشوع، ایمان کا محبوب ہونا، نفس کا مطمئن ہونا، قلب کا نور، دل کی نرمی، شک سے دور ہونا، ظاہر ہے ان چیزوں کا تعلق ظاہری اعمال سے نہیں ہے۔ یہ سب قلبی کیفیات اور احوال ہیں۔ اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ حضور ﷺ ان کا سوال اپنے رب سے کرتے ہیں۔ بس تصوف اصل میں ان باطنی کیفیات کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ جس کی تعلیم اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی باطنی بہتری کے لئے دعائیں موجود ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ (آل عمران، آیت ۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہماری ہدایت فرمائی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ (سورۃ طٰہٰ: آیت ۲۵)

ترجمہ: اے میرے پروردگار! کشادہ فرما میرے لئے میرا سینہ۔

---

[1] (سنن نسائی ۱۳۱: ۱)

[2] (حیلہ ابو نعیم، ۲۰: ۲)

[3] (کنز العمال، ۳۰۶: ۱)

[4] (سنن ابن ماجہ، ۲۷۱)

[5] (مستدرک ۵۳۲: ۱)

[6] (کنز العمال ۲۰۱: ۱)

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں کینہ اہل ایمان کے لئے۔

تصوف کے متعلق علماء و بزرگانِ دین کی رائے

بزرگانِ دین فرماتے ہیں دل کو پاک کرنا، بہتر اخلاق میں ترقی کرنا، غلط نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، صفات روحانیہ سے ہمکنار ہونا اور علوم حقیقت سے تعلق پیدا کرنے کا نام تصوف و سلوک ہے۔ صوفیاء تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ حضرات تصوف کو محض اس لئے عزیز و محبوب جانتے ہیں کہ یہ اسلام کی خالص ترین پاکیزہ تعبیر ہے۔ سیرت طیبہ اور صحابہ و اہل بیت کی زندگیوں کا نچوڑ ہے اور یہی اسلام کی حقیقی روح ہے۔ تصوف خالص اسلامی فکر ہے۔ غیروں کے کسی فلسفے کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

عارف شیخ ابو النصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (م۳۷۸ھ) فرماتے ہیں: ایک علم ظاہری ہے اور دوسرا باطنی۔ ظاہری علم شریعت کا ہے۔ وضو، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، فرائض، قصاص وغیرہ کا بیان۔ دوسرا علم باطنی ہے اس کو تصوف کہتے ہیں اس کا تعلق باطنی مقامات و احوال قلب و باطن سے ہے۔ اس علم کے ذریعے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ قلوب میں جلا و روشنی پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کا زنگ جو قلب پر جما ہوتا ہے وہ دھل جاتا ہے۔ اسرار غیب منکشف ہو جاتے ہیں۔ پھر صوفیاء کرام کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔[1]

عارف امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م۴۶۵ھ) فرماتے ہیں: قرب خداوندی، صفائی قلب، اتباع سنت، حضور قلب سے ذکر کرنا، اپنے احوال کی نگہداشت، اخلاق حسنہ، اللہ کی قضا پر اعتراض نہ کرنا، کچھ پاس ہو تو ایثار کرنے کا نام تصوف ہے۔[2]

قطب الاقطاب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک علم من اللہ ہے، دوسرا علم مع اللہ ہے، اور تیسرا علم باللہ ہے۔ علم باللہ علم معرفت بود، علم باللہ علمِ معرفت ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اسی علم کے ذریعہ اپنے رب کی معرفت حاصل کی۔ علم مع اللہ طریق حق کے مقامات، طریقت سلوک اور حقیقت درجات۔ علم من اللہ یہ علم شریعت ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: ایسی معرفت جو بغیر علم شریعت کے ہو مقبول نہیں جسے علم معرفت

---

[1] (کتاب اللمع، صفحہ ۱۰۵)

[2] (رسالہ قشیریہ ص ۴۳۰)

وتصوف حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کو شریعت کا علم نہیں ہے تو اس کا دل عدم واقفیت کی بنا پر بیمار ہے۔[1]

امامِ ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ م ۱۰۳۴ھ فرماتے ہیں: تصوف و طریقت، شریعت سے جدا نہیں۔ اخلاص کی تکمیل کے لئے طریقت و حقیقت ہے۔ اسی سے صوفیاء متصوفہ ممتاز ہوئے۔ شریعت کے تین حصے ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اخلاص اور مقام رضا حاصل ہو جائے۔ طریقت و حقیقت شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں۔ اور فرماتے ہیں: تصوف و معرفت کی حقیقت یہ بھی ہے کہ نفس امارہ اپنی جبلی اور پیدائشی جہالت کو چھوڑ کر شناسائی حاصل کر کے گرویدہ ہو جائے۔ ایمان کے معنی یقین کرنا اور گرویدہ ہونا ہیں۔ یقین حاصل ہونے کے بعد دل راضی ہو جاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں: روح کی ترقی تقویٰ سے وابستہ ہے۔[2]

عارف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباع رسول ﷺ کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، باطن پاک ہو جاتا ہے اور پھر حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ قلوب کی حیات مشاہدہ سے ہے۔[3]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: راہ تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ نفس مغلوب ہو جائے، اخلاق کا معتدل و بہتر رہنا صحت نفس کہلاتا ہے۔ اخلاق کی خرابی اور اس میں اعتدال کا نہ ہونا مرض نفس ہے۔[4]

علم بیج کی مانند ہے عمل کھیتی اور اخلاص پانی کی مانند ہے۔ کھیتی کو پانی نہ ملے تو برباد ہو جاتی ہے۔ صبر کی فضیلت کے باب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کچھ لوگوں سے فرمایا تم مسلمان ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں آپ نے اس پر دلیل پوچھی، انہوں نے عرض کیا ہم نعمت پر شکر اور تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! تم کامل مؤمن ہو!۔"

---

[1] (کشف المحجوب فارسی، ص ۱۲)

[2] (مکتوبات شریف: ۳۶، ۲۷، ۹۱)

[3] (عوارف المعارف، ص ۲۳، ۲۶)

[4] (احیاء العلوم ۳:۹۰)

صبر کا تعلق خاص طور پر انسان کے ساتھ ہے۔ جانوروں کو تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ نہایت ناقص ہیں۔ نہ فرشتوں کو اس کی ضرورت ہے۔ وہ ہر طرح کامل اور ہر خواہش سے پاک ہیں۔[1] گناہ سے آئینہ دل پر اندھیرا و ظلمت چھا جاتی ہے اور ہر عبادت و نیکی کے سبب دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ گناہ کی وجہ سے جو ظلمت پیدا ہوتی ہے توبہ اور نیکی کے انوار اس ظلمتِ قلب کو دور کر دیتے ہیں اور پھر دل اپنی پاکی و صفائی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ میلا کپڑا صابن سے صاف ہوتا ہے اسی طرح میلا دل توبہ، ذکر اور انوارِ عبادت سے پاک ہوتا جاتا ہے۔[2]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ م ۷۲۵ھ فرماتے ہیں: سچی محبت پیروی ہی کا دوسرا نام ہے۔ محبت حق دل میں نہ ہو تو بندہ گناہ کرتا ہے۔ جب محبت حق قلب میں گھر کر جاتی ہے تو گناہ کرنے کا امکان نہیں رہتا یعنی عاشق صادق سے نافرمانی نہیں ہو سکتی۔[3]

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: علوم شریعہ میں سے علم تصوف بھی ہے۔ سلف میں بڑے بڑے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والوں میں یہ تصوف طریقہ حق و ہدایت ہی سمجھا جاتا تھا۔ (یہ طریقہ حق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں موجود تو تھا مگر تصوف کے نام سے دوسری صدی ہجری کے بعد مشہور ہوا) اس کا بنیادی اصول عبادت پر جم جانا اور اللہ سے لو لگانا ہے۔ پھر جب دوسری صدی ہجری کے بعد عام طور پر لوگ دنیا کی طرف زیادہ مائل ہونے لگے اور دنیا کی دلدل میں پھنسنے لگے تو اس وقت عبادت میں مصروف رہنے والوں کو صوفیاء و متصوفہ کہنے لگے۔ تصوف کی منزل کا راہی ایک مقام سے دوسرے مقام تک لگاتار ترقی کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مقام معرفت تک پہنچ جاتا ہے۔ ابن خلدون آگے لکھتے ہیں: مدارج و مراحل سے ترقی کر کے آگے بڑھنا ضروری ہے، اور ان تمام کی جڑ اور بنیاد اطاعت و اخلاص ہے۔ ان مراحل سے بطور نتائج و ثمرات کے احوال و صفات پیدا ہوتی ہیں، پھر ان سے دوسرے احوال و صفات پیدا ہوتے ہیں اور مقام توحید و عرفان تک یہی جلوہ جاری رہتا ہے۔ اگر واردات قلبیہ میں کوتاہی ہے تو سمجھ لیا جائے کہ ماقبل کے مقابل میں کوتاہی باقی رہ گئی ہے۔ اپنے نفس سے حساب لینا پڑتا ہے کہ کیا کھویا اور کیا پایا۔ کیونکہ اعمال سے حقائق کا حاصل ہونا یقینی ہے۔ اگر نتائج میں خلل ہے تو اعمال میں یقینا کوتاہی ہے۔ صوفی اپنے ذوق سے خلل کو تاڑ لیتا ہے اور اپنے نفس سے محاسبہ کرتا ہے۔ یہ ذوق تصوف رکھنے والے گنتی ہی کے لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ عوام پر عموماً غفلت چھائی رہتی ہے جو ناآشنا ہیں۔[4]

---

[1] (کیمیائے سعادت، صفحہ ۶۳۱)
[2] (کیمیائے سعادت صفحہ ۶۱۹)
[3] (فوائدالفواد، ص ۲۰۹)
[4] (تاریخ ابن خلدون، مقدمہ، جلد ۲، صفحہ ۲۶۷)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۱۷٦ھ) فرماتے ہیں: علم الاحسان اسی کا دوسرا نام تصوف و طریقت ہے۔ باطن میں نور کا پیدا ہونا اور باطن کا انس و انشراح سے معمور ہونا۔ جب یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو بیہودہ افکار و خیالات سے آدمی نجات پاتا ہے۔ قلق و تشویش کی بجائے سکون اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت شامل حال رہتی ہے اور ملا اعلیٰ کے ملائکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مزید بر آں جس طرح آفتاب و ماہتاب کے قرص کو شعاعیں گھیرے رکھتی ہیں اسی طرح اس بندے کے گرد بھی انوار غیبی کا ایک ہالہ پڑا رہتا ہے۔ پھر ملائکہ مقربین اور عباد صالحین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ ان کو الہام کیا جاتا ہے کہ اس مقرب بندے کے ساتھ بھلائی کریں تو آسمان وزمین میں مقبولیت ہوتی ہے۔[1]

احوالِ قلب میں سے ایک مقام سکر ہے۔ عقل و قلب پر جب ایمان کا نور غالب آجاتا ہے تو آدمی دنیا کے نفع و نقصان کو بھول جاتا ہے اور ایسی چیزوں سے محبت کرنے لگ جاتا ہے جن سے لوگ محبت نہیں کرتے مثلاً رب تعالیٰ سے ملنے کے شوق میں موت کو محبوب سمجھتا ہے۔ مرض کو اس کے لئے محبوب سمجھتا ہے کہ اس سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کا بھی یہی حال تھا۔[2]

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم شریعت وہ ہے جس میں امور دین، اعتقاد، احکام، عبادت بدنی ومالی و معاملات مالی وبدنی کا بیان ہے۔ علمِ طریقت وتصوف میں اخلاق، نیت، آدابِ عبادت، یقین، مشاہدہ ومکاشفہ، اسرار محبت، معیت و قرب، مراتب ولایت، حقیقت و معرفت ہے۔[3]

علامہ امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم تصوف جسے علم اخلاق وعلم القلب کہا جاتا ہے، اس کا سیکھنا ضروری لازم ہے تاکہ رذائل باطنیہ جو باطن کی بیماریاں ہیں، عجب حسد یا غضب، عداوت، بغض، تکبر، لالچ، بخل، طمع، مداہنت وغیرہ سے اجتناب ہوسکے۔[4]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام جس علم کا ذکر کرتے ہیں اس کا حصول ضروری ہے۔ اس کا ثمرہ اور نتیجہ صفائی قلب اور تزکیہ نفس ہے۔[5]

صوفیاء فرماتے ہیں دل سے خدا کی طرف متوجہ رہو۔ بعض لوگوں نے تو یہ سمجھا ہے کہ توجہ الی اللہ صرف یہ ہے کہ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں، یہ لوگ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے، مگر پھر ان میں کئی یہ سوچتے

[1] (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، ص ۳۵۲، ۳۵۹)
[2] (حجۃ اللہ البالغہ، ۲:۴۴۷)
[3] (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۲۸)
[4] (ردالمختار شامی ۱:۴۰)
[5] (تفسیر مظہری، ۴:۳۲۴)

ہیں کہ نماز و روزہ و حج ہم سب کچھ کر رہے ہیں لیکن نورانیت و لطف و خشوع نہیں پاتے۔ آپ بہت سے نمازیوں اور حاجیوں کو گناہ میں مبتلا پائیں گے۔ سود پر رقم دیں گے، حرام و حلال میں کوئی تمیز نہیں، تکبر و حسد، جھوٹ و غیبت عادت ہے۔ یہ ساری خرابیاں کیوں ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہیں:

در زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ... ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

بزرگانِ دین فرماتے ہیں: دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمال شرعیہ کے پابند رہو۔ طاعات کو بجالاؤ، آنکھ کان و زبان کا استعمال درست ہو۔ اس کے بعد اگر نورانیت و خشوع حاصل نہ ہو تو ہم پر ہنسنا!

چشم بند و لب ببند و گوش بند ... گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

تصوف کے متعلق اکابرینِ دیوبند کے اقوال

مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں: تصوف وسلوک یہ ہے کہ خصائل رزیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا۔ اگر تم اپنے قلب کو آئینہ بنانا چاہتے ہو تو دس چیزوں کو سینہ سے نکال باہر کرو: حرص، طمع، بخل، حرام، غیبت، جھوٹ، حسد، تکبر، ریاکاری اور کینہ۔ دل سے بدعادات کے دور ہوجانے کے بعد شجاعت، قناعت، سخاوت، پاک دامنی، صبر، رضا بقضا، توکل وغیرہ جیسی صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ قلب اور دیگر باطنی لطائف پر ذکر الٰہی کرو تاکہ قلب وباطن منور ہو جائے۔ ذکر و مراقبہ سے اللہ کی پاک ذات کے ساتھ قرب اور انس میسر ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے انسانی روح عالم قدس کی سیر کرتی ہے۔[1]

مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: تصوف و طریقت شریعت سے جدا نہیں۔ جب قلب میں حکم شرع کا داخل ہو کر طبعاً عمل شرع پر ہونے لگے، وہ طریقت ہے۔ دونوں کا حکم قرآن وحدیث سے ہے۔ جب اخلاص وحب حق تعالیٰ دل کے اندر جاری و ساری ہو گئی، طمانیت حاصل ہو گئی یہ بھی طریقت ہے۔ ائمہ مجتہدین بھی صاحب طریقت تھے۔ اشغال صوفیاء بطور معالجہ کے ہیں۔ سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔[2]

مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں: علم تصوف شرعی علوم میں داخل ہے۔ مراقبہ اور اس قسم کے اور افعال جو مشائخ کے یہاں تزکیہ نفس اور ریاضت کے سلسلے میں معمول ہیں، ان میں ناجائز چیز شامل نہ ہو تو مباح ہیں۔ اصولاً یہ چیزیں شریعت کے دائرہ کے اندر ہیں۔[3]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: شریعت نام ہے مجموعہ احکام کا، اس میں اعمال ظاہری وباطنی سب آگئے۔ اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہری کے احکام کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔ اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ باطن کی درستی سے قلب میں جِلا، روشنی وصفائی پیدا ہوتی ہے۔ پھر قلب پر جو حقائق منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں۔[4]

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ عقائد اور اپنے اعمالِ ظاہری و باطنی کی اصلاح کرے۔ بے شمار آیات و احادیث اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں۔ گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابند ہوا و ہوس اس سے غافل ہیں۔ باطن کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے، ہر

---

[1] (صراط مستقیم ۱۲۱)
[2] (فتاویٰ رشیدیہ ۱۹۶)
[3] (فتاویٰ کفایت المفتی، جلد ۲، صفحہ ۷۹، ۸۱)
[4] (فتاویٰ امدادیہ، ۲۴:۴)

آدمی جانتا ہے کہ قرآن وحدیث میں اخلاص، شرح صدر وشکر، حب الٰہی، توکل، تسلیم ورضا وغیرہ کی فضیلت کا بیان موجود ہے اور ان کو حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور تکبر، حسد، حب دنیا وحرص وغیرہ کی مذمت بیان کی گئی ہے۔[1]

نفس کا اصل فعل غفلت ہے، نفس مجاہدہ وریاضت وطاعت سے درست ہوتا ہے۔ نفس میں شان اطاعت پیدا ہو جاتی ہے تو مطمئنہ کہلاتا ہے۔[2]

مولوی محمود حسن گنگوہی لکھتے ہیں: شریعت میں ظاہری عبادات کے احکام ہیں اور تصوف طریقت میں احکام باطنہ، صبر، شکر، رضا وتسلیم، توکل، اخلاص وغیرہ کے احکام بیان کیئے جاتے ہیں۔ شریعت ظاہر کی اصلاح کرتی ہے، طریقت باطن کی اصلاح کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت ورضامندی حاصل کرنے کے لئے اس راہ میں حائل ہونے والے اخلاق رزیلہ واعمال بد کو چھوڑ کر اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنا، مجاہدہ وریاضت، تزکیہ نفس واصلاح نفس کے لئے شیخ مرشد جو تجویز کریں، اس کو اختیار کرنا تاکہ خدائے پاک کی ذات سے گہرا دائمی تعلق قائم ہو جائے۔[3]

مولانا انور شاہ کشمیری صاحب شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں: تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں: سہر وردی، قادری، چشتی، نقشبندی، اور سلسلہ سہر وری ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے چلا آرہا ہے۔ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگے جانے کا نام طریقت ہے۔ طریقت شریعت سے جدا نہیں۔[4]

تصوف وصوفی کا معنی: استاذ ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں: تصوف صفا سے ہے یعنی خالص پن صاف، اور کسی نے کہا تصوف کا مادہ صوف سے ہے۔ جس کے معنی استواری اور کثرت کے ہیں۔[5]

تصوف کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ تزکیہ نفس اور صفائی قلب وباطن کے لئے ایک مخصوص علم ہے۔

(۱) جو لوگ کدورت وگندی خواہشات سے پاک وصاف کر دیئے گئے، وہ صوفی کہلانے لگے۔

(۲) ان کا لباس عام طور پر صوف، اون، پشمینہ کا ہوتا تھا، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔

---

[1] (التکشف، ص ۲۵۶)
[2] (بوادر النوادر، ص ۵۶۴)
[3] (فتاویٰ محمودیہ، ۱:۱۳۴)
[4] (فیض الباری، شرح بخاری، ۱:۱۴۹)
[5] (مذاهب عالم، ص ۸۴۳)

(۳) یہ اصحابِ صفہ کے طریقہ کار پر ہیں، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ اصحاب صفہ کی زندگی طالبان طریقت کے لئے درسِ ہدایت ہے۔ آفتابِ نبوت کے گرد پروانہ وار نثار رہتے تھے، ان کی زندگی توکل و صبر اور عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی۔ پھر ان کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم و مشہور ہوئے۔

(۴) قرب میں یہ صف اول کے لوگ ہیں، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ لیکن اس صورت میں صوفی نہیں صفی ہونا چاہیئے تھا۔

(۵) صوفی، باطن کا خیال رکھنے والا۔[1]

(۶) صوفی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو اپنے دل میں کوئی نفسانی و شیطانی خطرہ نہ آنے دے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر قائم رہے۔ تصوف و صوفی کے معنی و مآخذ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، کچھ یہاں لکھ دیئے ہیں۔ تصوف کے لغوی معنی کچھ بھی ہوں مگر در حقیقت اس سے مراد عرفان حق ہے اور یہ ایک باطنی علم ہے۔ خشک مولوی سے صوفی الگ شخصیت ہے۔ مولوی قالب ہے اور صوفی قلب ہے۔ مولوی جو چیزیں خواب میں دیکھتا ہے، صوفی عالم بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے۔ صوفی غلط نفسانی خواہشات سے اجتناب کرتا ہے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھتا ہے۔ نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کرتا ہے۔ شب بیداری اور سحر خیزی اس کو محبوب ہوتی ہے۔ جب لوگ محو خواب ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے راز و نیاز اور دعا کرتا ہے۔ اس کا قلب و جسم خشوع و انابت کے ساتھ جھکا ہوتا ہے اور تسلیم و رضا کا پیکر ہوتا ہے۔ صوفی کا قلب و باطن روشن و منور ہوتا ہے۔ بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور سمندر سے زیادہ اس کے قلب کی وسعت ہوتی ہے۔ صوفی دوسروں کے عیب نہیں دیکھتا، نہ ان کی تلاش میں رہتا ہے، ہر وقت اس کو اپنے باطن کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے۔ صوفی کی کوئی تعریف کرے تو وہ خوش نہیں ہوتا۔ اگر اس کی کوئی غیبت کرے تو وہ ناراض نہیں ہوتا۔ اس کی صحبت و نصیحت، دعوت و تلقین سے بڑے بڑے سرکش انسان ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ صوفی کی زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظ وہ کام کرتے ہیں جو ہزاروں تقریریں اور لاکھوں شمشیریں نہیں کر سکتیں۔ مولوی جب صوفی کی صحبت میں آجاتا ہے تو پھر وہ خشک مولوی نہیں رہتا بلکہ مولانا عارف روم بن جاتا ہے اور پھر کہتا ہے:

شمس تبریزی کے نور مطلق ست | مرشد شمس تبریزی تو نور کامل ہیں
نہ خرد کی روشنی نہ جنوں کی آگہی تھی | تیری رہبری سے پہلے یہ جہاں جہاں نہیں تھا

---

[1] (فیروز اللغات، ص ۳۸۷)

نظر اور ذوق نظر دینے والے　　　عجب شے بنادی ہے یہ زندگانی

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مرا درس حکیماں درد سر داد　　　کہ من پروردۂ فیض نگاہم

مجھے حکماء کی تعلیم نے سر کے درد کے سوا کچھ نہ دیا۔ میں توفیض والی نگاہ کا رنگا ہوا ہوں۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　　سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو　　　وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے　　　جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

قلب

اولیاء اللہ، صوفیائے کرام قلب کی درستگی کے لئے خصوصی تاکید و تلقین کرتے ہیں کیونکہ قلب کی بڑی اہمیت ہے۔ بدن انسانی کا بادشاہ ہے۔ زبان تو دل کی ترجمان ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ o اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ o (الشعراء)

یعنی "اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے۔"

قیامت کے روز پاک قلب ہی انسان کے لئے مفید ہو گا جو شرک، نفاق اور شک سے پاک ہو۔

(۲) ایمان اور تقویٰ کی جگہ دل ہے۔ محلِ ایمان و تقویٰ ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔ (الحجرات:۳)

"یہ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر لیا ہے۔"

(۳) وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ (الحجرات:۷)

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔"

(۴) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ (الزمر:۲۲)

"جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔"

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام نے کہا یارسول اللہ! سینہ کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا:

"جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھلتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے"۔

صحابہ نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے؟ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"دار خلود کی طرف متوجہ ہونا، فکر آخرت اور دنیا سے بے رغبتی اور موت کے لئے اس کے آنے سے قبل آمادہ ہونا، تیاری کرنا"۔

(۵) فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: "جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ خوب تنگ رکا ہوا کر دیتا ہے۔"

جس کو ہدایت دے اس کے دل میں روشنی پیدا فرماتا ہے، ایمان کی توفیق دیتا ہے۔ جو منکر ہیں ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے، ان پر یہ تباہی ڈالی جاتی ہے کہ ان کا سینہ تنگ کر دیا جاتا ہے، حق کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

(۶) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق:۳۷)

ترجمہ: "بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔"

یعنی ان عبرتناک واقعات سے جن کا ذکر قرآن میں ہے، ان میں غور و فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینے میں سمجھنے والا دل ہو۔

حضرت عارف شبلی قدس سرہ نے فرمایا: قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لئے قلب حاضر چاہیئے۔

(۷) دل پر جب مہر لگ جائے تو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (توبہ)

"پھر مہر لگ گئی ان کے دلوں پر تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔"

جب دل بند اور مسخ ہو جائے تو حقائق دین کی فہم جاتی رہے گی اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہے گی۔ حضور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم ٹھیک ہو گیا اور اگر وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو گیا۔ سنو، وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔[1]

[1] (بخاری، ۱:۱۳)

دل ٹھیک ہو جائے تو دیگر اعضاء آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، درست ہو جاتے ہیں۔ سوچ بھی ٹھیک ہو جاتی ہے، اعضاء کا استعمال نیکی کی طرف ہوتا ہے۔ اگر قلب میں خرابی ہے تو اعضاء کا استعمال غلط ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا گیا لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا: "ہر سالم دل والا، سچی زبان والا۔" لوگوں نے عرض کیا سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں، سالم دل والا کون ہے؟ فرمایا: وہ ایسا ستھرا ہوتا ہے جس پر نہ گناہ، نہ بغاوت، نہ کینہ اور نہ حسد۔"[1]

گناہ، کینہ، حسد وغیرہ سے دل میلا ناپاک ہوتا ہے۔ ناپاک لباس والا مسجد میں آنے کے قابل نہیں، ناپاک دل والا قربِ الٰہی کے قابل نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور سرکار دو عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "وہ کامیاب ہو گیا" وَ جَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيْمًا جس نے اپنے دل کو سلامت رکھا۔[2]

یعنی جس نے اپنے دل کو بدعقیدگیوں اور غفلت کی چیزوں سے محفوظ رکھا وہ کامیاب ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایمان ترقی کرتا رہتا ہے۔ بندہ کا ایمان جب کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل نورانی ہو جاتا ہے۔[3]

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "انسان کامل کا قلب عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔"[4]

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد سوم میں قلب پر بہت بہتر اور طویل لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: قلب مؤمن نہایت عمیق اور وسیع حقیقت کا نام ہے، اور اس میں خداوند کریم نے فطرتاً یہ قابلیت ودیعت کی ہے کہ وہ لامتناہی حقائق و معارف حاصل کر سکتا ہے۔ مگر مادیات اور ان کے لوازم کے تأثرات کی وجہ سے وہ ان حقائق و معارف کے مشاہدہ سے محجوب رہتا ہے۔ جب مادیات اور ان کے لوازم کے تاثرات سے قلب بے تعلق ہو جاتا ہے تو لوح محفوظ پر قلب مؤمن کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں۔[5]

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

لوح محفوظ است پیش اولیاء

---

[1](سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ)
[2](مسند احمد، مشکوٰۃ)
[3](احیاء العلوم ج۳ ص ۸۹)
[4](مکتوبات، جلد ۳ صفحہ ۱۱)
[5](احیاء العلوم ج۳)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لوح محفوظ کو دیکھنا اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا بعض اولیاء اللہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔"[1]

حضرت امام ربانی مجد دالف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملا طاہر لاہوری کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھی ہوئی دیکھی۔[2]

مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے: "عارف مراقبہ میں لوح محفوظ کی سیر کرتا ہے۔"[3]

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"اولیاء اللہ کشف میں دل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔"[4]

امام المحدثین امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مکرم بنائے۔ اس کے نور قلبی میں اضافہ کرکے اس کی باطنی نظر کو قوی بنادے۔ یہ وہ نور ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے عطا فرمادے۔"[5]

حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: "حارث صبح کیسی کی؟ عرض کیا: حقیقی مومن ہونے کی حیثیت سے۔ فرمایا: ہر شے کی حقیقت ہوا کرتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کی: دنیا کی محبت سے میں نے منہ موڑ لیا ہے۔ ساری رات عبادت میں، دن روزے میں گزرتا ہے اور حالت یہ ہے کہ: **كَاَنِّی اَنظر اِلٰی عَرشِ رِبِّی بارِزًا** گویا عرش الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا ہوں اور اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں۔ پھر سرکار نے فرمایا: "حارث تو ٹھیک پہچانا، اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔"[6]

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: دن کو روزے کی وجہ سے پیاسا رہا، شب کو عشق و سوز سے سویا نہیں اور میری حالت یہ ہے کہ من بینم عرش رابا عرشیاں (میں عرش کو اس کے فرشتوں سمیت دیکھتا ہوں)۔[7]

---

[1] (تفسیر عزیزی، پارہ ۲۹)

[2] (تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۲۴۶)

[3] (صراطِ مستقیم، صفحہ ۱۶۵)

[4] (فیض الباری شرح بخاری، جلد ۱ صفحہ ۱۷)

[5] (فتح الباری شرح بخاری، ۱۲:۳۸۹)

[6] (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۸۶)

[7] (مثنوی مولانا روم، دفتر اول حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۲۳، منہج القوی عربی ۱:۶۳۵)

مؤمن کی فراست کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ۔

مؤمن کی فراست سے ڈرو، بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔[1]

فراست دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا ہے۔

"کہیں دور ایک آدمی نے آنکھوں کا غلط استعمال کیا، غیر عورت کو دیکھا پھر وہی آدمی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا بعض لوگ ہمارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں برائی کا اثر ہوتا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا حضور ﷺ کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ مؤمن کی فراست ہے۔"[2]

اسی نور سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے ہزاروں میل دور شہر نہاوند ایران میں لشکر اسلام اور اس کے سپہ سالار حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کو ہدایت دی اور پھر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے سنا۔[3]

علامہ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں: مؤمن کامل اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں مقرر فرمایا ہے۔ قربِ خداوندی سے فراست حاصل ہوتی ہے۔ جب قرب کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو ادراک و معرفت کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ دل ایک صاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس میں حقائق کے عکس بلاکم و کاست نظر آنے لگتے ہیں۔[4]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: فراست صفائی قلب و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اکثر وجدانی طور پر حقائق و واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ گویا یہ کشف کا ایک شعبہ ہے، حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔[5]

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

صرف آنکھ کی روشنی کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ تو ظاہری چیزوں کو دیکھنے تک محدود ہے۔ تو دل بینا طلب کر ہر شے کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، تجھے عرفان نصیب ہو گا۔

---

[1] (سنن ترمذی، جلد ۱، ص ۱۷۰، تفسیر خازن ۴:۵۸)

[2] (جامع کرامات نبہانی، ج ۱ ص ۱۵۰، جمال الاولیاء تھانوی ص ۵۹)

[3] (مشکوٰۃ، صفحہ ۵۴۶، اسد الغابہ، جلد ۳ صفحہ ۶۵۹، تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۸۹)

[4] (کتاب الروح ابن قیم، صفحہ ۲۶۱)

[5] (التکشف، ص ۲۸۳)

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری　　　مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

لطائف

قلب کے بارے میں تو ہم لکھ چکے ہیں۔ یہاں کچھ دیگر لطائف کے بارے میں تحریر کریں گے اور یہ تحریر عام لوگوں کے لئے نہیں، اسے تو وہی اچھا سمجھ سکتا ہے جو ان کیفیات سے کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ علم تصوف کے کئی شعبے ہیں ان میں سے لطائف کا علم بھی ہے۔ جس کو پتہ نہیں وہ انکار کرے گا مگر اس کا یہ انکار نادانی ہے۔ کیونکہ یہ کوئی اصول تو نہیں کہ جس چیز کا پتہ نہیں اس کا ہم انکار کردیں۔ ہزاروں علوم اور چیزیں ہیں جن کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔

لِکُلِّ فِنِّ رِجَالٌ۔

ہر فن اور علم کے لئے لوگ ہوتے ہیں۔

عام زمیندار ہل چلانے والا فنِ تعمیر کا واقف نہیں ہوتا۔ فن تعمیر کو جاننے والا انجنیئر ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا قانون دان جسمانی امراض کو نہیں جانتا، وہ میڈیکل سائنس سے واقف نہیں ہوتا۔ اس علم کا ماہر ڈاکٹر ہوتا ہے۔ مادیت اور دنیا کے امور میں مستغرق آدمی باطنی لطائف کے حقائق و معارف کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو صحیح طور پر وہی سمجھتا ہے جو صوفی وعارف ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس راہ میں انکار و اعتراض کرنے والوں کے فکر کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ ان کی نظریں ظاہری مصنوعات کے جلوؤں میں محو ہو کر رہ جاتی ہیں۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ صرف پردوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر بے خود ہو جاتے ہیں۔ اس کی جستجو نہیں کرتے اور ان ساری باتوں کا تعلق قال سے نہیں، حال سے ہے۔ یعنی یہ صرف گفتگو سے سمجھانے کا معاملہ نہیں یہ حالت ہو جائے تو پھر سمجھا جاسکتا ہے۔ درد کی کیفیت کا پتہ اسی جسم کو ہوتا ہے جس کو درد لگا ہوا ہو۔

وہی جگہ گرم ہوتی ہے جہاں آگ جل رہی ہو

پرسید یکے کہ عاشقی چیست　　　گفتم کہ چوں من شوی بدانی

عاشق سے کسی نے پوچھا عاشقی کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میاں! سوال کرنے والے تو مجھ جیسا ہو جا پھر سمجھ جائے گا کہ عاشقی کیا ہوتی ہے۔

باہر سے کھڑا ہو کر دیکھنے سے بلڈنگ میں موجود چیزوں کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ان چیزوں کا پورا علم تو اندر داخل ہو کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ دعویٰ تھا کہ زمین گول ہے مگر پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح گول ہے۔ خلائی جہاز وراکٹ میں جب خلانوردوں سائنسدانوں نے پرواز کی، بلندی پر پہنچے تو ان کو زمین گول نظر آئی۔ جیسے چاند، پھر دور

بنی کیمرے سے اس کی تصویر لی۔ اگر سائنسدان پرواز نہ کرتے تو پتہ نہ چلتا کہ زمین کس طرح گول ہے۔ اگر آدمی کی اپنی گردن پر داغ ونشان ہو تو وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا اس کو اگر دیکھنا ہو تو دو صاف آئینے لائیں گے۔ ایک پیچھے رکھیں گے دوسرا سامنے پھر نشان نظر آئے گا۔

تو اب سمجھیں کہ عالم قدس کا شہباز پرواز بھی کرے گا اور لطائف کے آئینے بھی صاف ہوں گے تو حقائق و انوار نظر آئیں گے۔

اب ہم لطائف کا تعارف کراتے ہیں کہ لطائف کیا چیز ہیں؟ ایک عالمِ خلق ہے اور ایک عالمِ امر اور امر کا تعلق مجردات لطیفہ کے ساتھ ہے۔[1]

عالم خلق سے مراد عرش و کرسی، زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے، اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں۔ لطائف خمسہ قلب، روح، سِر، خفی، اخفیٰ ہیں جو عرش سے بھی ماورا بالاتر ہیں۔ مگر انسانی نفوس میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جیسے آئینے میں سورج کی شعائیں ہوتی ہیں۔[2]

ابن ابی حاتم نے روایت کیا، خلق تو ماتحتِ عرش ہے اور عالم امر مافوق عرش ہے۔ صوفیاء نے جو لطائف کو عالم امر سے کہا ہے اور اس کو فوق العرش بھی کہا ہے اس کی اصل ہے یعنی فوق العرش کی تفسیر یہی ہے کہ وہ مادیات میں سے نہیں۔ اس بنا پر صوفیاء کے ان احکام کی اصل سلف سے بھی معلوم ہوتی ہے۔[3]

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا عالم امر جسے عالم حیرت بھی کہتے ہیں اس کے ستہ (چھ) لطائف ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی بیان کئے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں اکثر مقامات پر لطائف خمسہ (پانچ) کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ لطائف انسان کے سینہ میں ہیں۔ مرشد کامل اس منزل کے راہی و طالب کو بتاتا ہے کہ یہ لطائف سینے کے کس کس مقام میں ہیں۔ ان لطائف کا مرکز تو عرش کے اوپر ہے۔ سینہ میں اس لئے رکھ دیئے گئے ہیں تاکہ انسان لطائف کے کمالات سے فیض یاب ہو سکے۔ جس طرح بجلی برقی رو کا مرکز پاور ہاؤس جنریٹر ہوتا ہے اور بلب مکان کے کمروں میں روشن ہوتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے یہ لطائف جاری ہوتے ہیں۔ ان کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے انوار و تجلیات نظر آتے ہیں۔ یاد الٰہی کا شوق و ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ ان کے انوار کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ لطائف

---

[1] (تفسیر معارف القرآن، ۵۷۵:۳)

[2] (تفسیر مظھری ۳۱۵:۴)

[3] (تفسیر بیان القرآن تھانوی، صفحہ ۳۲۶)

جمع ہے لطیفہ کی جس کے معنی تصوف کی اصطلاح میں لطیف غیر مادی چیز ہے۔ مثلاً روح نفس وغیرہ مجردات وہ چیزیں ہیں جن کا ظاہری حواس خمسہ کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ادراک سے بالاتر ہے۔ مجردات کا لفظ محسوسات کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

قطب الاقطاب حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ عالم امر کے پانچ لطائف ہیں: قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ ان لطائف کا ظہور عرش کے اوپر ہے۔ سالک ان کو ترتیب وار طے کر کے سیر کرتا ہے۔ ان کا عروج دائرہ اسماء شیونات تک ہے۔ پھر فضلِ خداوندی سے ترقی ہو تو ان کے اصول دائرہ میں سیر واقع ہو گی۔ اس دائرہ و منزل کو طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس نورانی ظاہر ہو گی۔ اس کو بھی طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ منزلیں ختم نہیں ہوتیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس باطنی سیر کی نسبت مزید کیا لکھا جائے، درپردہ رہنے کے مناسب ہے۔ اس باطنی سیر کے حاصل ہونے کے لئے پچاس ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت کے آگے کچھ دور نہیں ہے۔ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ و گھڑی میں عطا فرمادے۔[1]

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب **احیاء العلوم جلد سوم** کے شروع میں کچھ لطائف کا ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: صوفیاء کرام نے ان لطائف کا اثبات کیا ہے اور ان کی تہذیب پر توجہ دی ہے۔ انہوں نے لطائف روح و سر پر زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔ صوفیاء نے تحقیق کی ہے کہ قلب کے دورُخ ہیں: ایک رُخ جسم اور اعضاء پر نگران رہتا ہے اور دوسرا عالمِ تجرد کی طرف رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: آدمی جب ذکر و فکر کرتا رہتا ہے اور ظاہر و باطن شریعت کے مطابق ہوتا ہے تو ہر ایک لطیفہ پر عبودیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس کی مثال اس درخت کی ہے جو پانی کی کمی کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کو مناسب طریقہ پر پانی دیا جائے تو پانی اس کے پتہ پتہ میں سرایت کر کے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ وہ پھر سرسبز درخت بن جاتا ہے اور پھل دینے لگتا ہے۔ اسی طرح نور لطائف میں سرایت کر کے اپنا یہ اثر دکھاتا ہے کہ انسانی صفات کو صفات ملکیہ سے بدل دیتا ہے۔[2]

---

[1] (مکتوبات دفتر اول، ص ۴۶۱، مکتوب ۲۶۰، رسالہ مبدہ و معاد صفحہ ۴۷)

[2] (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲ ص ۴۲۳-۴۱۹)

یہ بات اس عبارت سے سمجھ آئی کہ اولیاء اللہ جو کئی کئی روز کھانا نہیں کھاتے اور سوتے نہیں تو ان پر صفاتِ ملکیہ غالب ہوتی ہیں۔

عارف کامل حضرت سیدنا شیخ فضل احمد مجددی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لطائف خمسہ پر مرشد کی تعلیم سے ذکر کریں، انوار و تجلیات اور برکات کا نزول ہو گا۔

ودر مراقبہ ایں فکر کند کہ من ہیچ نیستم ہر چہ ہست او ہست۔[1]

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پنج حس بایکد گر پیوستہ اند — زانکہ ایں ہر پنج زاصلے رستہ بند

یعنی یہ پانچوں باطنی حس باہم ملے ہوئے ہیں، کیونکہ پانچوں ایک جڑ سے پیدا ہوئے ہیں۔

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں: ایک لطیفہ کی غذا دوسرے لطیفہ کے لئے بھی قوت بن جاتی ہے اور یہ لطیفہ باقیوں کو سیر اب کرنے لگتا ہے۔ لطائف کی غذا ذکر و نور ہے۔[2]

شرح پنج حس سے لطائف خمسہ مراد ہیں۔ ایک لطیفہ صاف ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے دیگر لطائف بھی صاف ہونے لگتے ہیں۔ لیکن حضرات نقشبندیہ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر لطیفہ کو علیحدہ علیحدہ پاکیزہ و مصفی کراتے ہیں۔ پہلے ایک کے تصفیہ کی مشق کراتے ہیں پھر دوسرے کی پھر تیسرے کی۔ اسی طرح ترتیب سے پانچوں صاف ہو جاتے ہیں۔ واقف علم حقیقت حضرت عارف شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لطائف عشرہ پنج ازاں از عالم امر ند قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ و پنج از عالم خلق ست نفس، باد، خاک، آب، آتش واز تحت الثریٰ تا عرش عالم خلق ست و بالائے آں عالم امر۔[3]

(لطائف دس ہیں، پانچ ان میں عالم امر کے ہیں: قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ اور پانچ ان میں عالم خلق کے ہیں: نفس و ہوا و خاک و پانی و آگ، اور تحت الثری سے عرش تک عالم خلق ہے اور عرش کے اوپر عالم امر ہے)۔

اکابرِ دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جسم انسانی میں لطائف کے مقامات انوار و برکتوں سے پُر ہیں۔ جب لطیفہ قلبی کی مشق کامل ہو جائے تو باقی لطائف کی الگ الگ مشق کرنی چاہیئے۔ کلمہ طیبہ کا ذکر کریں۔[4]

---

[1] (روضہ اولیاء فارسی ص ۱۹۷)
[2] (مثنوی رومی، دفتر ۲، ص ۳۰۵)
[3] (دار المعارف ص ۲۰)
[4] (ضیاء القلوب، صفحہ ۴۶)

مولوی اسماعیل دہلوی "صراط مستقیم" کے اندر لطائف کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں انہوں نے لکھا کہ پہلے چاہیئے کہ ہم لطائف کو ذکر سے جاری کریں اور ان کو ذاکر بنائیں۔ مرید باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش بیٹھ کر لطائف کی تعلیم حاصل کرے اور ہر لطیفہ کا جداگانہ نور ہے۔ مراقبہ میں آدمی روحانی سیر کرتا ہے۔ اولیاء کرام کی ارواح اور ملائکہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اپنی قوتِ ادراک و استعداد کے مطابق آسمانی عجائبات دیکھتا ہے۔[1]

اور اسی کتاب میں کئی قسم کے مراقبات اور ذکر دوضربی، سہ ضربی اور چہار ضربی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

مفسر علامہ عبد الحق حقانی لکھتے ہیں: قدرت نے انسان کو جس طرح محسوسات کے ادراک کے لئے حواس عطا کئے ہیں اسی طرح عالم روحانی کے ادراک کے لئے لطائف عطا کئے ہیں جو سر سے نیچے سینہ میں ہیں۔ مگر ان کی تعلیم اور ان میں ترقی اور ان کے انوار کی کیفیات روحانی معلم یعنی مرشد کے بغیر میسر نہیں آتیں اور روحانی معلم ہادی بھی ایسا ہو جو انبیائے کرام کے طریق پر ہو۔

ان لطائف سے صدہا ایسی چیزیں بھی نظر آیا کرتی ہیں جو دوربین یا کسی آلہ سے دیکھی نہیں جاتیں۔ اپنی روح کو بھی عیاناً دیکھا جاتا ہے اور عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے بہت سے درجات ہیں۔ صفاتِ باری میں مراقبہ اور ان کے انوار و آثار کی تجلیات کا ظہور روح پر انہی انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ روح کی طاقت اجسام کی طاقت سے بڑھ جاتی ہے بڑے بڑے کام ہونے لگتے ہیں جو ظاہری اسباب پر مبنی نہیں ہوتے جن کو کرامت و خارقِ عادات کہتے ہیں۔[2]

مولانا محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی لکھتے ہیں: پانچ لطائف عالم امر یعنی ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں قلب روح وغیرہ، اور پانچ عالم خلق سے یعنی ناسوت سے۔ عالم خلق کے لطائف یہ ہیں: نفس اور عناصر اربعہ یعنی ہوا، مٹی، پانی، آگ۔[3]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لطائف پر ایک پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "القطائف من اللطائف" ہے۔ اس میں سے ہم چند عبارات نقل کرتے ہیں حکماء و صوفیاء فرماتے ہیں: انسان مرکب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام اجزاء مادی نہیں بلکہ بعض اجزا مادی ہیں اور بعض غیر مادی۔ اس قدر پر تو حکماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔ آگے اختلاف ہے۔ حکماء نفس ناطق کے غیر مادی ہونے کے قائل ہیں اور صوفیاء کے نزدیک اجزائے غیر مادی متعدد اور کئی ہیں قلب، روح، سِر، خفی، اخفیٰ، انہی اجزاء خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے۔

---

[1] (صراط مستقیم ص ۱۶۵ - ۱۸۳)
[2] (مقدمہ تفسیر حقانی، ص ۲۷)
[3] (مفاح العولم ج ۱۱ ص ۱۹۰)

بعض صوفیاء اس میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور لطائف ستہ (چھ) کہتے ہیں: یہ لطائف حادث ہیں بالذات بھی اور بالزمان بھی۔ ان لطائف کے ذریعے انوار نظر آتے ہیں۔ لطائف ذکر بھی کرتے ہیں، ذاکر و صوفی اس کو سنتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِه (اسراء: ۴۴)

ترجمہ: "اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے۔"

لطائف بھی اشیاء ہیں ذکر کر سکتے ہیں، ہر چیز مصروفِ حمد و ثنا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ کھانا تسبیح کرتا تھا۔[1]

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر درود و سلام بھیجتا تھا۔[2]

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سرکار دو عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لکڑی کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر منبر بنا۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ جدائی و ہجر میں وہ ستون رویا تو سرکار صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس پر دست کرم پھیر کر تسلی دی۔[3]

ان احادیث سے جماد کا کلام کرنا اور تسبیح کرنا ثابت ہے۔ مگر اس تسبیح کو عام لوگ نہیں سن سکتے۔ ایک حدیث میں بھی لطائف کے متعلق اشارہ ہے:

ثم وضع يده على ناصية ابى محذورة ثم أمر على وجهه من بين ثديه الخ۔

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنا دست مبارک ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر رکھا پھر اپنے دست مبارک کو ان کے چہرے پر لے گئے، پھر سینے پر اور ایک نسخہ میں ہے کہ جگر پر بھی رکھا پھر ناف پر رکھا پھر دعا دی اللہ تجھے برکت دے۔[4]

لطائف کے مقامات پر حضور پُر نور شافع یوم النشور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے برکت دینے کے لئے دست مبارک پھیرا خواہ غرض کچھ بھی تھی، تو ان مقامات کا متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔[5]

علم باطن اور علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔ تمام بڑے ائمہ کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اور صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اس علم کے حصول سے مشرف ہوئے۔ بہت سی احادیث مبارکہ سے بھی علم باطن ثابت ہے، اور اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی

---

[1] (صحیح بخاری)

[2] (مسلم)

[3] (صحیح بخاری)

[4] (سنن ابن ماجہ صفحہ ۵۲)

[5] (بوادر النوادر تھانوی، ص ۱۱۲) (بحوالہ رسائل خمسہ تالیف صاحبزادہ خیر محمد بھوروی، ص ۲۷۹ تا ۳۱۴)

اس کی صراحت کی ہے۔ علم تصوف نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: **ویعلمهم الكتب والحكمة ویزکیهم**۔ (یعنی نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے باطن کا تزکیہ فرماتے ہیں)۔

وعلمناه من لدنا علما۔ الایة

ترجمہ: اور ہم نے خضرؑ کو علم لدنی عطاء کیا تھا۔

یہی عہد صحابہ میں احسان سے موسوم تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: بینما نحن جلوس عند رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یریٰ علیه اثر السفر و لا یعرفه منا احد حتی جلس الی النبی ﷺ فاسند رکبتیه الی رکبتیه ووضع کفیه علی فخذیه و قال یا محمد ﷺ، اخبرنی عن الاسلام، فقال رسول اللہ ﷺ الاسلام ان تشهد ان لا اله الا اللہ و انّ محمداً رسول اللہ ﷺ وتقیم الصلوٰة وتؤتی الزکوٰة وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیه سبیلا، قال: صدقت فعجبنا له یسأله و یصدقه۔ قال فاخبرنی عن الایمان۔ قال: ان تؤمن ب اللہ و ملٰئکته و کتبه و رسله والیوم الاٰخر تؤمن بالقدر خیره و شره۔ قال صدقت۔ قال فاخبرنی عن الاحسان۔ قال: ان تعبد اللہ کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نہایت سفید کپڑوں اور بالکل سیاہ بالوں والا آدمی نمودار ہوا کہ جس پر سفر کے اثرات نظر نہیں آتے تھے اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا وہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھا اور اپنے گھٹنوں کو نبی اکرم ﷺ کے گھٹنوں مبارک کے ساتھ کیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے رانوں پر رکھ کر کہا کہ اے محمد ﷺ مجھے اسلام کے متعلق خبر دیجئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں اور تو نماز پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر، رمضان میں روزہ رکھا کر اور زادراہ کی موجودگی میں حج بھی ادا کر تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ کہا۔ تو ہم نے تعجب کیا کہ ایک طرف سوال پوچھتا ہے اور دوسری طرف تصدیق کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور کتب خداوندی اور رسولوں پر اور یوم آخرت اور تقدیر خیر و شر پر یقین رکھے۔ پس اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا پھر کہا مجھے احسان کے بارے میں بتائیں۔ حضور ﷺ

نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تم اسے دیکھتے ہو، اور اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے۔ الحدیث
(امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاربعین میں مذکورہ حدیث بخاری اور ابن ماجہ سے روایت کی ہے)۔[1]

قال العلامة البلخی رحمه اللہ تعالیٰ و مشکوٰة وغیرہ فی شرحه: الاحسان راجع الی اتقان العبادات و مراعاة حقوق اللہ و مراقبة و استحضار عظمته و جلالته حال العبادات۔ و هذا حال اولیاء اللہ العارفین رحمه اللہ تعالیٰ الصارفین اوقاتهم لافضل الاعمال و احسن الاحوال من محاسبة النفس و دوام ذکر اللہ و تصفیة القلب و مراقبة الاعمال و مکاشفة الحضور و الاحوال۔

ترجمہ: علامہ بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مذکور کی شرح میں فرمایا ہے کہ احسان عبادات کے اتقان، حقوق اللہ کی مراعات مراقبۃ اللہ تعالیٰ، اللہ کی عظمت اور عبادات کے وقت اللہ تعالیٰ کی جلالت کو پیش نظر کرنا ہے یعنی احسان ان مذکور اشیاء سے عبارت ہے۔ یہ مرتبہ احسان جو حدیث شریف میں ذکر ہوا اولیاء اللہ کا حال ہے جو عارفین رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور اپنے اوقات بہترین احوال و اعمال کیلئے صرف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اور ہر وقت اللہ کا ذکر کر کے اور اپنے دل کو (امراض باطنہ سے) صاف کرتے ہیں اور اعمال حسنہ کے منتظر رہتے ہیں۔

(الی ان قال بعد ذالک فی صفحة ۱۱) و اما العلم اللدنی الذی یسمون اهلها بالصوفیة الکرام رحمه اللہ تعالیٰ فهو فرض عین لان ثمراتها تصفیة القلب عن اشتغال بغیر اللہ تعالیٰ و اتصافه بدوام الحضور و تزکیة النفس عن رزائل الاخلاق من العجب و الکبر و الحسد و حب الدنیا و الکسل فی الطاعات وغیرها۔ (قال به القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمه اللہ تعالیٰ فی تفسیر المظهری و ارشاد الطالبین و تصانیفه الاخریٰ قال به الغزالی رحمه اللہ تعالیٰ ایضا۔ و قال به المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنه و الشیخ عبد الحق رحمه اللہ تعالیٰ ایضا۔

ترجمہ: اس کے بعد صفحہ ۱۱ پر رقم طراز ہیں کہ علم لدنی، جس کے حاملین صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں قلب ماسویٰ اللہ سے صاف ہو جاتا ہے اور دوام حضور سے متصف ہو جاتا ہے اور نفس اخلاق رزیلہ سے صاف ہوتا ہے جیسا کہ عجب تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی وغیرھا۔ تصوف کی فرضیت پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پاتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری اور ارشاد الطالبین وغیرھا کتابوں میں تصریح فرمائی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی اس پر اقوال موجود ہے۔

و فی کفایة الاتقیاء صفحه ۱۲۲ و رکعة من عارف رحمه اللہ تعالیٰ افضل من الف رکعة من عالم غیر عارف و لا عبرة لانکار بعض المبتدعة لانهم شاهدوا فی انفسهم لم یجدوا احدا متصفا بالکرامة و الخوارق و المواجید

[1] (ذکرہ النووی رحمه اللہ تعالیٰ فی الاربعین بروایة البخاری و ابن ماجه)

و الاحوال لو قوعهم فی الزیغ و الضلال فو قعوا فی انکار التصوف و اهله و یحسبون انهم علی هدی من ربهم کما هو داب جمیع الفرق الضالة۔

ترجمہ: کفایة الاتقیاء کے صفحہ ۲۲۱ پر مذکور ہے کہ عارف رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک رکعت نماز غیر عارف عالم (عالمِ ظاہر) کی ایک ہزار رکعت سے بہتر ہے اور تصوف سے بعض مبتدعین کے انکار کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی بھی کرامت، خوارق اور مواجید و احوال سے متصف نہیں ہے کیونکہ وہ مبتدعین کجروی اور گمراہی میں گھرے ہوئے ہیں۔ تو تصوف اور اہل تصوف کا انکار کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی جانب سے ہدایت پر ہیں۔ جیسا تمام گمراہ کن فرقوں کا یہی طریقہ ہے۔

و اخذ التصوف کثیر من الثقات کابی حنیفه رضی اللہ تعالیٰ عنه من جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنه و فضیل بن عیاض رحمه اللہ تعالیٰ و تصوف الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ من هبیرة البصری رحمه اللہ تعالیٰ و الامام احمد بن حنبل رحمه اللہ تعالیٰ من بشر الحافی رحمه اللہ تعالیٰ و الامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمه اللہ تعالیٰ من داؤ د طائی رحمه اللہ تعالیٰ و الامام ابو یوسف رحمه اللہ تعالیٰ من حاتم الاصم رحمه اللہ تعالیٰ کذا فی جواهر الغیبی ایضا صفحه ۲۳۲، و اخذ التصوف الامام الغزالی رحمه اللہ تعالیٰ و الجامی رحمه اللہ تعالیٰ و النابلیسی رحمه اللہ تعالیٰ و الشعرانی رحمه اللہ تعالیٰ و الرافعی رحمه اللہ تعالیٰ و الدمیاطی رحمه اللہ تعالیٰ و السید سند الجرجانی رحمه اللہ تعالیٰ و الشیخ عبد الحق الدهلوی رحمه اللہ تعالیٰ و العلامة علی القاری المکی رحمه اللہ تعالیٰ و خلائق اعلام لا یحصون من زمن النبی ﷺ الی الاٰن بالتواتر الغیر منقطع۔

ترجمہ: اور علم تصوف بہت سے بزرگانِ دین نے اخذ کیا ہے جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقت اخذ کی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہبیرہ بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصوف اخذ کیا ہے۔ یہ مسئلہ جواہر غیبی صفحہ ۲۳۲ پر مذکور ہے۔ نیز امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا عبد الرحمن جامی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ شیخ عبد الغنی نابلیسی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ، سید سند جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ ملا علی قاری مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اعلام اور دوسرے بے شمار لوگوں نے تصوف اخذ کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مقدسہ سے لیکر آج تک یہ معاملہ تواتر غیر منقطع سے جاری ہے۔[1]

---

1 (شرح اربعین للبلخی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۰، ۱۱، ۱۲)

اور یہی علم باطن نبی اکرم ﷺ کے سینہ مقدسہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو استعدادات کے موافق حاصل ہوتا تھا جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ:

ماصب اللہ شیئاًفی صدری الاصببتہ فی صدر ابی بکر۔

تو مذکورہ حدیث شریف سے تصرف باطنی، توجہ، سرایت فیض اور علوم باطنی کی تدریس ثابت ہے۔[1]

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی علم باطن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفظت من رسول اللہ ﷺ وعائین (ای من العلم) فاما احدھما فبثثتہ فیکم واما الاٰخر فلو بثثتہ لقطع ھذا البلعوم (ای الحلقوم)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو اقسام کے علوم سیکھے۔ ایک کو میں نے تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ اور دوسرے کو ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔[2]

تو اس حدیث شریف میں بھی علم کی قسم ثانی سے مراد علم باطن اور علم اسرار ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث مذکور کی شرح میں اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۷۷، ج ا پر تحریر فرماتے ہیں:

" وگفتہ اند کہ مراد بہ اول علم احکام واخلاق است کہ مشترک است میان خواص وعوام وثانی علم اسرار کہ محفوظ ومصون است از اعیار از جہت باریکی وپوشیدگی آن وعدم وصول فہم ایشان بدان ومخصوص است بہ خواص از علماء باللہ از اھل عرفان رحمہ اللہ تعالیٰ"۔

اور بعض شارحین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم ثانی سے مراد اخبار فتن اور فساد دین وغیرہ مراد لیا ہے لیکن محدث موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ص ۱۷۷ پر کچھ آگے فرماتے ہیں:

پوشیدہ نماند کہ اگر مراد این قائل نفی علم باطن ووجود حقائق واسرار است کہ فہم عوام بدان نرسد وافشائے آن مصلحت وقت نباشد وصلاح روزگار بعض مخاطبان در آن نبود بے شک در دائرہ علم این چنین علما است پس مکابرہ است۔ واگر گوید علم حقائق واسرار ثابت است واقع است لیکن در حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشارہ بچیزے دیگر است کہ گفتہ شد نہ بان علم۔ بوجود قرآئن کہ مذکور شد و

[1] (الحاوی للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

[2] (رواہ البخاری)

نیز تخصیص ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدان باوجود دیگران از عظمائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعدم فہم ایشان آنرا وحکم کردن بقتل او وخالی از بعدے نیست این سخن دیگراست۔ [1]

تو معلوم ہوا کہ علم باطن احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حدیث مذکور کی شرح میں **مرقات شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۳ جلد ۱** پر رقمطراز ہیں:

فاما احدهما وهو علم الظاهر من الاحكام والاخلاق فبثثته اى اظهرته بالنقل فيكم واما الاخر وهو علم الباطن فلو بثثته (اى نشرته وذكرته لكم بالتفصيل) قطع هذا لبلعوم بضم الباء اى الحلقوم لان اسرار حقيقة التوحيد مما يعسر التعبير عنه على وجه المراد ولذا كل من نطق به وقع فى توهم الحلول والالحاد اذفهم العوام قاصر عن ادراك المرام ومن كلام الصوفية رحمه الله تعالىٰ: صدور الاحرار قبور الاسرار۔

ترجمہ: پس ان دونوں (علوم) میں سے ایک علم ظاہر ہے جو کہ احکام اور اخلاق کا علم ہے میں نے تمہارے درمیان شائع کیا یعنی نقل کے ذریعے تم پر ظاہر کیا اور دوسری قسم کا علم جو کہ علم باطن (اسرار اور دقائق) کا علم ہے اگر میں اسکو بھی شائع کر دوں یعنی اسے نشر کروں اور آپکو تفصیلاً بیان کروں تو میرا حلق کاٹ دیا جائیگا (بلعوم باء کی پیش سے حلقوم کو کہتے ہیں) کیونکہ حقیقت اسرار سے حقیقی مراد پر تعبیر کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے لہٰذا جس کسی نے اس سے تعبیر کیا ہے تفصیلاً تو حلول اور الحاد کے توہم میں واقع ہوا ہے کیونکہ عوام کا فہم مقصود کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس لئے صوفیا کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ احرار (عارفین رحمہ اللہ تعالیٰ) کے سینے اسرار خداوندی کیلئے قبور ہوتے ہیں۔ [2]

یعنی اسرار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ اسماء وصفات کے متعلق علوم و معارف بیان کرتے ہیں اور اسرار کے بیان میں اجمال اور رمز واشارہ سے کام لیتے ہیں) اگرچہ توجہ کے ذریعے بطریق انعکاس ایک سینہ سے دوسرے سینہ کو منتقل کیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف سے علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ علم باطن کے ثبوت اور تجلیات ربانیہ کے ورود پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: جاء الناس الى النبى ﷺ فقالوا: يارسول الله ﷺ انا نجد فى نفوسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به فقال: او قد وجدتموه قالوا نعم قال فذالك من صريح الايمان انتهى وان سوالهم انما كان فى المعارف الالٰهية والتجليات الربانية التى يخاف من النطق بها الوقوع فى الكفر كما اشار اليه رسول الله ﷺ بقوله ﷺ لهم رضى الله تعالىٰ عنهم (ذالك من صريح الايمان) وان سؤالهم لم يكن فى شىء من مبادى السلوك كاصلاح فرائضهم وسننهم لان ذالك لا يتعاظم فى نفس المؤمن السؤال عنه۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۷۷، ج ۱)

[2] (مرقات ص ۳۱۳، ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے اندر ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی ایک کو اس پر تکلم کرنا مشکل ہوتا ہے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا آپ نے یہ چیزیں پالیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں؛ پس فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔ ان کا یہ سوال معارف الہیہ سے متعلق تھا اور ان تجلیات ربانیہ کے متعلق تھا کہ اس پر تکلم کرنے سے کفر میں واقع ہونے کا ڈر ہوتا تھا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس قول سے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے اور انکا سوال مبادی سلوک کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ فرائض وسنن کی اصلاح کرنا وغیرہ کیونکہ اس کے متعلق سوال کرنا مؤمن کے نفس میں مشکل نہیں ہوتا۔[1]

اور بعض دیگر شارحین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد وسوسہ لیا ہے لیکن یہ بات نہایت ضعیف ہے کیونکہ وسوسہ نفسِ ایمان نہیں ہے تو صریح ایمان کس طرح ہو سکتا ہے جو کہ کامل اور صحیح ایمان ہے) **اللھم الا** کہ یہ توجیہ کی جائے کہ وسوسہ کو برا ماننا صریح ایمان ہے لیکن معنی اول پر حمل کرنا اولیٰ ہے **کما حققه الامام الشعرانی رحمه الله تعالیٰ**۔

اس کے علاوہ علم باطن کے ثبوت میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مراد علم دین است کہ متعلق است بکتاب و سنت وآن دو قسم است (۱) مبادی و (۲) مقاصد۔ مبادی علومی کہ موقوف است معرفت کتاب وسنت برآن مثل لغۃ و نحو، وصرف و جزآن ازعلوم عربیت ومقاصد آن چہ متعلق است باعمال واخلاق وعقائد۔ واین ھمہ علم معاملہ است۔ وعلم مکاشفہ نوریست کہ بعد از سلوک طریق حق وصدق معاملت در دل افتد کہ بدان معرفت حقائق اشیاء چنانچہ ھست منکشف گردد۔ ومعرفت ذات وصفات وافعال حق سبحانہ وتعالیٰ رونماید واین را علم حقیقت وعلم وراثت خوانند۔ بحکم حدیث (من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم) یعنی ہر چہ عمل کند بآنچہ دانستہ وخواندہ است از علم ظاہر، روزی گرداند وبخشد اوراخدای تعالیٰ علم آنچہ ندانستہ ونہ خواندہ است وآیۃ کریمہ (واتقوا الله ويعلمكم الله) نیز اشارت باین معنی است وعلم ظاھر وباطن کہ گویند این معنی دارد ونسبت ھر دو بیکدیگر نسبت تن وجان وپوست ومغز است واحادیث وآیات کہ در شان علم وفضیلت آن واقع شدہ شامل ھمہ این اقسام مذکورہ است بر تفاوت درجات آن (کہ مراتب وشرافت اصناف علوم مختلف است)۔[2]

---

[1] (انوار قدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیاء ص ۴۱،۴۰ ج ۱)
[2] (اشعۃ اللمعات ص ۱۵۱ ج ۱ کتاب العلم)

اور علوم کی اقسام کے درمیان تفاوت درجات کو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"شرافت علم باندازۂ شرف و رتبہ معلوم است معلوم ہر چند شریف تر علم آن عالی تر پس است علم باطن کہ صوفیاء رحمہ اللہ تعالیٰ بآں ممتاز اند اشرف باشد از علم ظاہر کہ نصیب علماء ظواہر است بر قیاس شرافت علم ظاہر بر علم حیاکت و حجامت۔"[1]

پس یہی علم باطن ہے کہ علم تصوف، طریقت، سلوک، تزکیہ و تصفیہ، احسان اور علم لدنی وغیرھا مختلف ناموں سے مختلف زمانوں میں موسوم کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے (مالابد منہ) میں کتاب الاحسان سے موسوم کر کے مستقل باب باندھا ہے۔

فرماتے ہیں:

این ہمہ کہ گفتہ شد (یعنی اقسام عبادات) صورت اسلام و ایمان و شریعت است و مغز و حقیقت او در خدمت درویشان رحمہ اللہ تعالیٰ باید جست و خیال نکرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ این سخن جہل و کفر است بلکہ ہمین شریعت است کہ در خدمت درویشان رحمہ اللہ تعالیٰ چون قلب از تعلق علمی وہبی کہ بما سوی اللہ داشت پاک شود ورزائل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمئن شود و اخلاص بہم رساند شریعت در حق او باز مغز شد و نماز او عند اللہ تعلق دیگر بہمرساند دو رکعت او بھزار لکھ رکعت دیگران باشد و ہمچنین صوم و صدقہ (و دیگر عبادات)۔[2]

پس معلوم ہوا کہ علم باطن اشرف العلوم اور افضل العلوم ہے جیسا کہ یہ بات (مبدأ و معاد) کی عبارت سے واضح ہے، پس علم باطن احادیث مبارکہ اور آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اور عہد نبی ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر آج تک متواتر چلا آرہا ہے۔

اور علماء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ علم باطن اور کمالات ولایت کا طلب کرنا فرض عین ہے۔

---

[1] (رسالہ مبدأ و معاد صفحہ ۵۸ منہا ۳۸)

[2] (مالابدمنہ صفحہ ۱۳۶، کتاب الاحسان)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

ومن ھھنا یظھر فرضیة اخذ الطریقة الصوفیة والتثبت باذیال الفقراء رحمہ اللہ تعالیٰ کفرضیة قرأة کتاب اللہ تعالیٰ وتعلم احکامہ۔[1]

اسی طرح مذکور مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر مذکور میں تحت قولہ تعالیٰ (فلولا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین، الآیہ) فرماتے ہیں کہ علم تصوف فرض علوم میں سے ہے۔

عبارت ملاحظہ کیجئے:

واما العلم الدنی الذی یسمون اھلھا بالصوفیة الکرام رحمہ اللہ تعالیٰ فھو فرض عین لان ثمراتھا تصفیة القلب عن اشتغال بغیر اللہ تعالیٰ واتصافہ بدوام الحضور وتزکیة النفس عن رزائل الاخلاق من العجب والکبر والحسد، وحب الدنیا والکسل فی الطاعات وایثار الشھوات والریاء والسمعة وغیر ذالک وتحلیتھا بکرام الاخلاق من التوبة والرضاء بالقضاء والشکر علی النعماء والصبر علی البلاء وغیر ذالک ولا شک ان ھذہ الامور وفرائض علیٰ کل بشر اشد تحریما من معاصی الجوارح واھم افتراضاً من فرائضھا فالصلوٰة والصوم وشیء من العبادات لایعبأ بشیء منھا ما لم تقترن بالاخلاص والنیة قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا یقبل من العمل الا ما کان لہ خالصاً وابتغی بہ وجھہ رواہ النسائی عن ابی امامة وقال علیہ الصلوٰة والسلام ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم (رواہ مسلم عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ وکل ما یترتب علیہ من الفروض الاعیان فھو فرض عین واللہ اعلم.

ترجمہ: اور علم لدنی جس کے حاملین صوفیا کرام رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسمیٰ ہیں، کا طلب کرنا فرض عین ہے کیونکہ اس علم کا ثمرہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے اشتغال سے دل صاف ہو جائے اور دوام حضور سے متصف ہو جائے اور نفس بھی اخلاق رزیلہ سے صاف ہو جائے، مثلاً عجب تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی، شہوات نفسانی کو پسند کرنا، ریاکاری، سمعہ وغیرہا، نیز نفس اخلاق حمیدہ سے متصف ہو جائے مثلاً توبہ کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، مصائب پر صبر کرنا وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ اخلاق رزیلہ ہر بشر مکلف پر جوارح کے محرمات سے اشد محرمات ہیں اور مذکورہ فرائض ہر بشر مکلف پر جوارح کے فرائض سے اشد ہیں کیونکہ نماز، روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک معتد بھا اور مقبول نہیں ہیں جب تک کہ اخلاص دل اور صدق نیت اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو کہ خالص

[1] (تفسیر مظھری، ص ۴۴۳، ج ۱)

اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کے لئے ہو اور اس عمل سے مقصود رضاء خداوندی کا طلب کرنا ہو۔ نیز نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔[1]

اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز پر فرض عین اشیاء مرتب ہوتی ہیں تو وہ مرتب علیہ بھی فرض عین ہے۔

اسی طرح تحصیل کمالات باطنیہ کی فرضیت اور وجوب کے بارے میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

"طلب طریقت وسعی کردن برائے تحصیل کمالات باطنی واجبست چراکہ حق تعالیٰ میفرمایدیا ایھاالذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ یعنی ای مسلمانان پرہیز کنید از نامرضیات خدا کمال پرہیزگاری یعنی در ظاہر و باطن چیزی خلاف مرضی خدا تعالیٰ نباشد از عقائد و اخلاق بکمال تقویٰ و امر برائی وجوب میباشد وکمال تقویٰ بدون ولایت صورت نہ بندد چنانچہ ذکر کردہ شد رزائل نفس از حد وحقد وکبر وریاء وسمعہ وعجب ومنت وغیرآن کہ حرمت آن از کتاب وسنت واجماع ثابت است تاکہ زائل نشودکمال تقویٰ چگونہ صورت بندد واین متعلق ست بہ فنای نفس وترک معاصی کہ تقویٰ عبارت از ان است و معبر است بصلاح جد کہ ثمرہ صلاح قلب است چنانچہ در حدیث مذکور شدہ اند وآنرا صوفیاء رحمہ اللہ تعالیٰ فنائے قلب گویند ولایت عبارت از فنائے نفس است صوفیان رحمہ اللہ تعالیٰ گفتہ اند کہ راہی کہ مادر صدر آں یم ہمگی ہفت گام است یعنی فنائے لطائف خمسۂ عالم امر قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ وفنائے نفس وتصفیۂ لطیفہ قالبیہ، کہ عبارت از صلاح جد است تقویٰ بکشرت نوافل تعلق ندارد و تقویٰ عبارت است از اتیان واجبات، وپرہیز کردن از منہیات ادائے فرائض وواجبات بدون اخلاق ہیچ اعتبار ندارد قال اللہ تعالیٰ (فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین) وپرہیز از منہیات بدون فنائے نفس صورت نمی بندد۔ پس تحصیل کمالات ولایت از فرائض آمدہ۔ پس سعی در ترقی مقامات قرب و تحصیل تقویٰ دائما واجب گشتہ وطلب زیادۃ علم باطن از فرائض آمدہ قال اللہ تعالیٰ (و قل رب زدنی علما) یعنی بگوای محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ

---

[1] (مظہری ج ۴ سورۃ توبہ، ص ۳۲۴)

الٰہی علم من زیادہ کن وقناعت از مراتب قرب حرام است بر کامل چنانچہ حرام ست بر ناقص انتہی۔"[1]

پس حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات انیقہ سے واضح ہوا کہ علم باطن فرض عین ہے اور اسکی طلب بھی ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اسکا عدم طلب حرام اور موجب فسق ہے اور اسکا انکار کفر بواح ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ولایت لطائف سبعہ کی فناء پر موقوف ہے اور اس سے لطائف خمسہ کے اسماء بھی ثابت ہوگئے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جب فناء قلب اور فناء نفس حاصل ہو جائیں تو ولایت محقق ہو جاتی ہے اور فنا اشتغال ماسویٰ اللہ کی نجات سے عبارت ہے اور ماسوی اللہ سے قلب کا تصفیہ حیات قلبی بذکر اللہ پر موقوف ہے اور نفس کی ماسوی اللہ سے آزادی حیات نفس بذکر اللہ پر موقوف ہے۔ پس جب سالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلب اور دیگر لطائف مذکورہ ذکر اللہ سے زندہ ہو کر فنا فی اللہ ہو جائیں تو سالک ولی اللہ بن جاتا ہے اور لطائف سبعہ کی فناء کے بعد تلقین نفی اثبات کی جاتی ہے اور فیض کے متعدی ہونے کی وجہ سے خلافت سے سرفراز کیا جاتا ہے جیسا کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں یہی معمول مشائخ کبار رحمہ اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارے طریقہ مجددیہ سیفیہ میں بھی یہی مذکور چیز بدیھی الوجود ہے۔

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ اس بات کی تصریح کی ہے کہ علم باطن فرض علوم میں داخل ہے۔

اسی طرح قدوۃ المحققین محبوب سبحانی حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ مکتوبات شریف، جلد ۱، مکتوب ۲۱۹ ص ۱۲۸، ۱۲۷ پر رقمطراز ہیں کہ علم باطن کے حکیم حاذق رحمہ اللہ تعالیٰ (کامل مکمل مشائخ) کی صحبت میں برائے کسب کمالات باطنیہ حاضر ہونا فرض عین ہے۔

نیز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق۔

ترجمہ: جس کسی نے علم ظاہری حاصل کیا اور علم تصوف حاصل نہ کیا تو یقیناً فاسق ہو گیا (کیونکہ عمداً فرض عین کا ترک فسق ہے)۔[2]

---

[1] (ارشاد الطالبین ۱۴، ۱۳)

[2] (مرقات شرح مشکوۃ ص ۳۱۳، ج ۱)

اسی طرح امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لو لا السنتان لھلک النعمان۔

ترجمہ: اگر میرے دو سال حصولِ کمالات باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔[1]

پس ان دو سالوں سے مراد وہ دو سال ہیں جس میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ صدیقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقشبندیہ میں کمالات باطنیہ حاصل کئے اور طریقہ قادریہ علویہ میں حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم باطنی حاصل کیا۔ بعض لوگوں نے ان دو سالوں سے آپ کی عمر مبارک کے آخری دو سال مراد لئے ہیں لیکن یہ غلط محض ہے کیونکہ اس کی بناء پر مسائل اجتہادیہ غیر معتمد ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ محققین نے فرمایا ہے کہ ان دو سالوں سے مراد قبل الاجتہاد نوجوانی کے دو سال ہیں۔ کہ نور فراست اور کمالات باطنیہ اور علوم ظاہریہ کی تحصیل کے بعد اور مرتبہ اجتہاد مطلق پر فائز ہونے کے بعد حضرت الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط مسائل اجتہادیہ شروع فرما کر ساری امت مسلمہ کیلئے چراغ روشن بن گئے۔ اور حضرت مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمہ اللہ تعالیٰ اویسی فرمایا کرتے تھے کہ لو لا السنتان میں سین کی ضمہ سے پڑھنا راجح ہے یعنی مطلب یہ ہوا کہ اگر دو سنتیں یعنی ثابت بالسنۃ چیزیں نہ ہوتیں کہ ایک علم باطن ہے اور دوسرا علم ظاہر ہے تو حضرت نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ ہلاک ہو جاتے کیونکہ محرمات ظاہرہ اور باطنہ سے اجتناب اور فرائض ظاہرہ باطنہ پر امتثال ان دو علوم پر مبنی ہے اور ان دو علوم کے بغیر محرمات کا ارتکاب اور فرائض ترک کرنا لازم آتا ہے جو کہ ہلاکت ہے مذکورہ تمام دلائل سے واضح ہوا کہ علم باطن کا طلب فرض عین ہے اور عدم طلب فسق ہے اور انکار کفر ہے۔

لیکن علم ظاہر اور احکام شرعیہ کا علم فنون مدونہ پر موقوف نہیں بلکہ اگر فنون مدونہ کے ذریعہ حاصل ہو جائے یا صحبت علماء راسخین میں انکے اقوال سننے سے حاصل ہو جائے یا مشائخ کبار رحمہ اللہ تعالیٰ کے عمل سے فقہ اور علم اخذ کیا جائے تو ان تمام صورتوں میں علم ظاہر سے اتصاف صحیح ہے بلکہ موخر الذکر دو طریقے خیر القرون اور بالخصوص عہد نبوی ﷺ میں معمول تھے۔

رد المختار مشہور بفتاویٰ شامی میں ہے:

قولہ وعلم القلب ای علم الاخلاق وھو علم یعرف بہ انواع الفضائل وکیفیۃ اجتنابھا لما علمت من ان علم الاخلاص والعجب والحسد والریاء فرض عین: فیلزمہ ان یتعلم منھا ما یریٰ نفسہ محتاجا الیہ وازالتھا فرض عین: ولا یمکن الا بمعرفۃ حدودھا واسبابھا وعلاماتھا وعلاجھا فان من لم یعرف الشر یقع فیہ انتھی ملخصاً۔

---

[1] (کذافی الحاوی، والحدیقہ ورد المختار، ص ۴۵، ج ۱، و کتاب قطب الارشاد)

ترجمہ: اور علم قلب جسے علم الاخلاقِ باطنہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ ایسا علم ہے کہ جس کے توسط سے انواع فضائل اور رذائل اور کیفیت اکتساب اور اجتناب معلوم ہوتے ہیں۔ پس جب علم اخلاص اور عجب اور ریا کا جاننا فرض عین ہے تو لازم ہے ان کا حصول بقدر اندازہ، اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ جو صفات پہلے ذکر ہو چکی ہیں ان کا ازالہ کرنا فرض عین ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے مگر اس کی معرفت ہونے اور اس کے حدود اوراسباب و علامات اور علاج جاننے کے بعد، اس لئے کہ جو شر نہیں جانتے ضرور شر میں مبتلا ہوں گے۔[1]

علامہ سید احمد طحطاوی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرضیتِ علم تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکذالک یفترض علیہ علم احوال القلب من التوکل والانابۃ والخشیۃ والرضیٰ فانہ واقع فی جمیع الاحوال وشرف ھذاالعلم لایخفی علی احدٍ۔

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علم قلب کے احوال کا جو کہ عبارت ہے توکل اور انابت اور خشیت اور قضا پہ رضا سے، اسلئے کہ انسان تمام عمر اور تمام احوال میں انہی صفات قلبیہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اس علم کی فضیلت کسی پر مخفی نہیں ہے۔[2]

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فیجب علیکم ان تحکم احکام الشرع من الاصل والفرع فربما انت مقیم علی کفر و بدعۃ او علی غفلۃ مما یفسد علیک طہارتک او صلاتک او یخرجھما عن کونھما علی وفق السنۃ ثم مدار ھذاالشان ایضاً علی العبادات الباطنۃ التی ھی من فروض الاعیان من التوکل والتفویض والتسلیم والرضاء والتوبۃ والانابۃ والصبر والشکر والاخلاص فی النیۃ ونحوھا۔

ترجمہ: پس لازم ہے تم پر کہ حکم کو صادر کرلو جو کہ مطابق اور موافق ہو اصل اور فرع کے ساتھ۔ بہت سے اوقات میں تم کفر اور بدعت میں وقت گزارتے ہو، یا غفلت میں جو کہ فاسد کر دیتا ہے طہارت اور نماز اور باقی طرز و طریقہ مسنونہ کو اور شریعت کی اہمیت سے تجھے خارج کر دیتا ہے۔ اور مدار اور اعتبار ان اعمال کا مربوط ہے کہ اوامر پر عمل کیا جائے، اور عباداتِ باطنیہ فرض عین کے جملوں سے شمار کیا جاتا ہے جو کہ عبارت ہے توکل اور تفویض، تسلیم اور قضا پہ رضا، توبہ و انابت، صبر و شکر اور اخلاص نیت سے اور اس کے مثل باقی اور صفات۔[3]

---

[1] (ردالمختار مشہور بفتاویٰ شامی، ص ۴۲ ج ۱)
[2] (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ص ۳۱، ج ۱)
[3] (شرح عین العلم، ص ۲۹، ج ۱)

و کذالک یفترض علیه علم احوال القلب من التوکل و الانابة و الخشیة و الرضاء فانه واقع فی جمیع الاحوال انتهی لفظه۔

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے علم احوال قلب، جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، اور رضا سے، کیونکہ یہ واقع ہوتے ہیں انسان پر جمیع احوال میں۔[1]

علامہ عبد الغنی النابلیسی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

و کذالک یفترض علیه ای علی المسلم علم احوال القلب و ما یعتریه من الاخلاق الجمیلة التحرز عن ضدها بتعلیمها من التوکل علی اللہ تعالیٰ و الانابة ای الرجوع الیه سبحانه و الخشیة منه سبحانه و الرضاء عنه تعالیٰ فی کل افعاله و احکامه فانه ای ذالک المسلم واقع مدة عمره فی جمیع الاحوال القلبیة المذکورة و قال بعد اسطر فان الکبر و البخل و الجبن و الاسراف حرام بلا خلاف و لا یمکن التحرز عنها بطریق الاکتساب الا بعلمها و علم ما یضادها انتهی بلفظه۔

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علم احوال قلب، اور علم اس چیز کا جو شامل ہو قلب کی طرف اخلاق جمیلہ سے اور اپنے آپ کو بچانا اخلاق جمیلہ کے ضد سے اور ان سب کے حصول کا سبب توکل علی اللہ اور انابت اور رجوع الی اللہ اور خوف اور خشیت اور رضا اللہ جل شانہ سے تمام افعال و احکام میں اسلئے کہ مؤمن تمام عمر انہی احوال قلبیہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ حدیقۃ الندیہ کے مؤلف چند سطور بعد لکھتے ہیں، کہ کبر اور بخل اور بزدلی اور اسراف علماء کے اتفاق سے حرام ہیں مگر اپنے آپ کو بچانا ان سب سے، کسب کے ذریعے ممکن نہیں، سوائے علم احوال قلب کے حصول کے۔[2]

الوسیلۃ الاحمدیہ میں ہے:

یفترض علیه علم احوال القلب یعلم ذالک باعتبار حقائقها و آفاتها و دوائها۔

ترجمہ: فرض ہے مؤمن مسلمان پر احوال قلب کا علم، جو کہ پہچانا جاتا ہے حقائق کے اعتبار اور آفات اور ان کے علاج سے، جو کہ توکل اور انابت اور خشیت کے قبیل سے ہے۔[3]

---

[1] (تعلیم المتعلم ص ۵، الطریقۃ المحمدیہ ص ۹۰)

[2] (الحدیقۃ الندیۃ ص ۳۲۳، ج ۱)

[3] (الوسیلۃ الاحمدیہ، شرح الطریقۃ المحمدیہ، ص ۲۵۲، ج ۱)

بریقة المحمودیه میں ہے:

یفترض علم احوال القلب من التوکل وتفویض الامر الی اللہ والاعتماد علیہ تعالیٰ قیل ھو السکوت تحت اقدار اللہ تعالیٰ والانابة الرجوع الیہ تعالیٰ والخشیة الخوف بسبب المعرفة قال ﷺ انی لاعرفکم ب اللہ واشدکم لہ خشیة۔

ترجمہ: فرض ہے مسلمان پر احوال قلب کا علم جو کہ عبارت ہے توکل سے، اور تمام امور کو اللہ جل شانہ کے سپرد کرنا، اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ توکل سکوت ہے مقدرات الٰہی پر مقام احوال میں سے انابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، مقام خشیت: اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حاصل ہونے والا خوف، جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں تم میں سب سے زیادہ اللہ جل شانہ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں"۔ [1]

سراج العارفین میں لکھا ہے:

واما حکمہ فھو الوجوب العینی علی کل مکلف وذالک لانہ کما یجب علم مایصلح الظاھر کذالک یجب علم مایصلح الباطن۔

ترجمہ: شارع کی طرف سے تصوف کا حصول وجوب عینی ہے، جیسے کہ مکلف پر علم اصلاح ظاہر واجب ہے، اسی طرح علم اصلاح باطن بھی واجب ہے۔ [2]

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ پہلے صفحات میں اپ نے علم باطن کو فرض عین کہا تھا اور اس عبارت میں وجوب کا درجہ دے رہے ہیں، تو دونوں عبارات میں تضاد آ گیا۔

جواب: یہ بات فقہ کی اور اصول فقہ میں اور اصولِ کلام والوں کے نزدیک مشہور و مسلم ہے کہ وجوب عینی کو فرض عین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اسی عبارت میں لفظ اصلاح باطن آیا ہے، اور اصلاح باطن جو پہلے صفحات میں گزر چکا ہے، وہ عبارت ہے خوف اور خشیت اور انابت اور تفویض اور توکل سے، جن کا حصول فرض عین تھا۔ تو معلوم ہوا کہ وجوب عینی کو فرض عین سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایقاظ الھمم میں ہے:

وحکم شارع فیہ فقال الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ فرض عین اذ لا یخلو احد من عیب او مرض الا الانبیاء علیھم السلام قال الشاذلی من لم یتشغل فی علمنا ھذا مات مصراً علی الکبائر وھو لا یشعر وحیث کان فرض عین یجب السفر الی من یأخذہ عنہ۔ اذا عرف بالتربیة واشتھر الدواء علی یدہ۔

---

[1] (بریقة المحمودیه، ص ۲۵۲، ج ۱ اور ص ۳۲۱، ج ۱)

[2] (سراج العارفین شرح منھاج العابدین، ص ۱)

ترجمہ: شارع کا حکم امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق فرض عین ہے، اس لئے کہ کوئی بھی فرد انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عیوب و امراض باطنیہ سے خالی نہیں ہے۔ امام شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ہمارے علم میں کوشش نہ کرے اور وہ باطنی امراض اور گناہوں پہ اصرار اور استمرار رکھے اور بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے گا، تو یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اور اسے خبر بھی نہیں ہوگی۔ پس جب علم تصوف فرض عین ہوا تو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا انسان پر واجب ہے۔ اور سفر اس شیخ کی طرف واجب ہے جو کہ تربیت میں اور امراض باطن کے دفع کرنے میں مشہور ہو۔[1]

اور اسی صفحہ پر دوسری عبارت ہے:

ان اخذ علم التصوف فرض عین انتهی بلفظه۔

یعنی علم تصوف کا اخذ کرنا ہر مسلمان مکلف پر فرض عین ہے۔

الحاج فقیر اللہ صاحب نے قطب الارشاد میں لکھا ہے:

و لا شک ان علم عیوب النفس و ازالتها الداخل فی علم الاخلاق و التصوف فرض عین فیکون اهم۔

ترجمہ: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نفس کے عیوب کا علم رکھنا اور انہیں دور کرنا، یہ داخل ہے علم الاخلاق اور تصوف میں جو کہ فرض عین ہے اور یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔[2]

اور اسی طرح علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء علوم فرماتے ہیں:

و اعلم ان الفرض بعد التوحید نوعان احدهما ما یکون فرضاً علی العبد بحکم الاسلام و هو علم المعاملة القلبية و اصلاح الباطن لازدیاد انوار النفسية و ازالة الاخلاق الردية و اثبات الشمائل المرضية و ثانیهما فیهما ماهو فرض علیه عند تجدد الحادثة کدخول وقت الصلوة و الصوم و الحج و الزکوة و غیرها و اما العبد اذا اسلم فی وقت لم تجب علیه فیه هذه الاشیاء فلیس علیه ان یعلمها بفرض ادراک لانه لم یدرک وقتها و انما یکون الفرض علیه حینئذ علم المعاملات القلبية فلو وجد برهة ای وقتاً من الزمان بعد الاسلام و فراغاً و لم یشتغل فی تحصیل علم المعاملة القلبية کان تارکاً للفرض مسؤلاً عنه یوم القیامة۔

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ، توحید کے بعد فرض دو قسم کے ہیں۔ پہلا فرض مؤمن پر اسلام کے بعد جو فرض ہے وہ عبارت ہے علم معاملات قلبی اور اصلاح باطن سے تاکہ انوار نفسانی زیادہ ہو جائیں اور اخلاق ردیہ دور ہو جائیں اور شمائل مرضیہ حاصل ہو جائیں۔ دوسرا فرض وہ ہے جو وقت کے تجدد کے ساتھ انسان کے اوپر فرض ہو جاتا ہے، مثلاً نماز کے وقت کا داخل ہونا، رمضان

---

[1] (الفتوحات الالٰهيه، شرح مباحث اصليه مشهور به ايقاظ الهمم، ص ۱۲۶، ج۲)
[2] (قطب الارشاد، ص ۲۱۷)

المبارک کے مہینے کا داخل ہونا، یا حج کے مہینوں کا داخل ہونا، وغیرہ۔ اگر ایک شخص ایسے وقت اسلام سے مشرف ہوا اور اس کے اوپر یہ چیزیں واجب نہیں تھیں تو اس پر لازم نہیں ہے کہ اس فرض کو حاصل کرلے اس لئے کہ اس نے اس وقت کو پایا نہیں، لیکن اس پر اس وقت فرض یہ ہے کہ یہ علم معاملاتِ قلبی حاصل کرلے۔ اگر اس کو اسلام لانے کے بعد تھوڑا سا وقت ملا اور فراغت ملی لیکن اس نے اپنے آپ کو مشغول نہ رکھا حصولِ علمِ معاملاتِ قلبی (تصوف) میں، تو یہ آدمی فرض کا تارک ہوا اور روزِ قیامت اس سے پوچھا جائے گا۔[1]

تو اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ علم تصوف کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔

علامہ شیخ اسمٰعیل الحقی فرماتے ہیں:

والنوع الثانی علم السر وهو مایتعلق بالقلب ومساعیه فیفترض علی المؤمن علم احوال القلب من التوکل والانابت والخشیة والرضی فانه واقع فی جمیع الاحوال واجتناب الحرص والغضب والکبر والحسد والعجب والریاءوغیر ذالک۔

ترجمہ: علم کی دوسری قسم کو علمِ سِر کہا جاتا ہے جو کہ قلب اور اس کے احوال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور یہ علم فرض ہے ہر مؤمن مسلمان پر، جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، رضا قضا پر، اور اپنے آپ کو بچانا ہے حرص، غصہ، تکبر، حسد، عجب اور ریاکاری وغیرہ سے۔[2]

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی علمِ تصوف کے بارے میں (حدیثِ احسان) کے تحت لکھتے ہیں:

واعلم أن لفظ الِاحسان شامل لجمیع أنواع البر من الأذکار، والاشغال وغیرها والأذکار تقال للأوراد المسنونة، وماذکره المشائخ من الضربات والکیفیات یقال لها الأشغال۔ والنسبة فی اصطلاحهم ربط خاص سوی ربط الخالقیة والمخلوقیة، فمن حصل له ربط سوی الربط العام یقال له صاحب النسبة۔ والطرق المشهورة فی التصوف أربعة السهروردیة والقادریة، والجشتیة، والنقشبندیة، والسلسلة السهرودیة قد تسلسلت فی أجدادنا من عشرة متصلة ثم ما نقل الینا من الأوامر والنواهی والوعد والوعید سمی شریعة۔ والتخلق بها یسمی طریقة، و حینئذ تنصبغ الأعمال بصبغ الایمان کما کان فی السلف، أما الیوم فعلم بلاعمل وایمان بلاتصدیق من الجوارح، رب تال للقرآن والقرآن یلعنه، ثم الفوز بالمقصد الأسنی والنیل بالمأرب الأعلی یسمی حقیقة۔ ومن ههنا ظهر أن الطریقة والشریعة لاتتغایران کمازعمه العوام۔

1 (اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین ص ۱۳۵، جلد ۱)

2 (تفسیر روح البیان، ص ۵۳۶، ج ۳، تفسیر سورة توبه آیة ۲۲)

ترجمہ: احسان کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے، خواہ اذکار ہوں یا اشتغال صوفیاء، اذکار کا اطلاق اورادِ مسنونہ پر ہوتا ہے۔ اور مشائخ صوفیاء نے جو ضربوں اور کیفیتوں کا ذکر کیا ہے انہیں اشتغال کہتے ہیں اور نسبت اصطلاح صوفیاء میں ایک خاص قسم کے ربط کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحب نسبت کہتے ہیں اور تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں۔ سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی، اور سلسلہ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آرہا ہے۔ پھر جو اوامر و نواہی وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں انہیں شریعت کہتے ہیں۔ اور ان سے متصف ہونا طریقت کہلاتا ہیاور اسی وقت تمام اعمال، ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ سلف صالحین کی یہی حالت تھی، مگر آج کل علم ہے عمل نہیں، ایمان ہے مگر اعضاء و جوارح سے اس کی تصدیق نہیں، بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ پھر اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنا، اعلیٰ نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے۔ اس کا نام حقیقت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔[1]

الفاظ اور معنی کا تعلق واضح کرتے ہوئے اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

وانی لست ممن یأخذون الدین من الالفاظ بل أولی الأمور عندی توارث الأمة واختیار الأئمة فانهم هداة الدین وأعلامه ولم یصل الدین الینا الا منهم فعلیهم الاعتماد فی هذا الباب فلا نسیء بهم الظن۔

ترجمہ: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث اور ائمہ کی اختیار کردہ صورت ہے کیونکہ وہی دین کے ہادی اور نشان ہیں، ہمیں دین تو ان ہی کے ذریعے پہنچا ہے، ہم اس بارے میں انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم ان کے متعلق سوئِ ظن نہیں رکھتے۔[2]

ان تمام عبارات اور حوالہ جات سے بلا شک و شبہ ثابت ہوا کہ تصوف یعنی علم طریقت کا حاصل کرنا ہر مؤمن مسلمان پر فرض عین ہے، اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔

(العلماء ورثة الانبیاء) جو کہ حدیث مبارک ہے، ان میں وہ علماء شامل ہیں، کہ جن کے دل علم ظاہر اور علم باطن سے منور ہو چکے ہوں، کیونکہ شریعت اور طریقت دونوں لازم اور ملزوم ہیں اور ان دونوں کی مثال پرندے کے دو پروں کی طرح ہے۔ جو شخص علم ظاہر رکھتا ہو اور علم باطن نہ رکھتا ہو وہ کامل ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ علم طریقت فرض عین ہے۔

---

[1] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۱۵۰، ۱۴۹، ج ۱)

[2] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۳۰۴، ج ۱)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحصیل کمالات باطنی کے واسطے طلب طریقت اور سعی کرنا واجب ہے۔

اس واسطے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللہ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔

اے مومنو! پرہیز کرو نامرضیاتِ خدا سے کمال پرہیز گاری۔

یعنی علم ظاہر و باطن میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو عقائد و اخلاق سے، ساتھ کمال تقویٰ کے، اور امر واسطے وجوب کے ہوتا ہے اور کمال تقویٰ بغیر ولایت کے حاصل نہیں ہوتا چنانچہ ذکر کیا گیا، رزائل نفس حسد و حقد و کبر و ریا و سمعہ و عجب و منت اور سوائے اس کے کہ اس کی حرمت کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہے جب تک وہ زائل نہ ہوں تقویٰ کا کمال کیونکر درست ہو سکتا ہے، اور یہ فنائے نفس اور ترک معاصی کے ساتھ متعلق ہے، اس سے تقویٰ عبارت ہے اور معتبر ہے ساتھ اصلاح جسم کے کہ پھر اصلاح دل کا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ذکر ہوا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صالح ہو تو تمام بدن صالح ہو اور اگر وہ خراب ہو تو تمام بدن خراب ہو اور وہ دل ہے اور اس کو صوفی فنائے قلب کہتے ہیں۔ ولایت عبارت فنائے نفس سے ہے، صوفیا کہتے ہیں، ”راہے کہ مادر صدر آنیم ہمگی ہفت گام ست“ یعنی فنائے لطائف خمسہ عالم امر قلب، روح، سر، خفی، اخفی و فنائے نفس، تصفیہ لطیفہ قالب کہ عبارت صلاحیت بدن سے ہے۔ تقویٰ کثرت نوافل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ہے اور تقویٰ عبارت ہے عامل ہونا واجبات کا اور پرہیز کرنا منہیات سے، ادا کرنا فرائض و واجبات کا بغیر خلوص کے اعتبار نہیں رکھتا۔

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ، فَاعْبُدِ اللہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنُ

ترجمہ: پس خدا کی عبادت کر اس کو شرک سے خالص کر کے۔

”پس تحصیل کمالات ولایت از فرائض آمدہ“ (پس کمالات ولایت کا حاصل کرنا فرض ہوا) چونکہ حاصل کرنا ولایت کا ایک وہبی امر ہے مقدور نہیں ہے یعنی انسان کے قابو اور طاقت سے باہر ہے اور تکلیف بقدر طاقت ہے، اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاتَّقُوْا اللہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پرہیز کرو تم نارضامندی خدا سے جس قدر کر سکو) پس حکم کیا گیا، جان تو کہ بذل (یعنی کوشش کرنا) و تبلیغ (یعنی دست دراز کرنا) اس کی تحصیل میں واجب ہے، دوسرے یہ کہ ولایت کے مرتبے بے انتہا ہیں۔

جیسے کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں — بمیرد تشنہ مستسقے و دریا ہمچناں باقی

نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ سعدی کی بات کا ٹھکانا مریض استسقا پیاسا مر جائے لیکن دریا باقی رہتا ہے[1]

اسی طرح تقویٰ بھی بے نہایت مرتبے رکھتا ہے، حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْلَمَکُمْ وَ اَتْقٰکُمْ بِاللہ اَنَا۔

تحقیق میں تم سب سے زیادہ عالم و متقی ہوں۔

جس قدر انسان مراتب قرب حق میں ترقی کرتا ہے خوف و خشیت اس پر غالب ہوتی ہے اور متقی زیادہ ہوتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہ اَتْقٰکُمْ۔

تم میں سے زیادہ متقی اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہے۔

جب تقویٰ کی نہایت نہیں تو سعی ترقی مقامات قرب و تحصیل تقویٰ میں ہمیشہ واجب ہوئی اور طلب زیادتی علم باطن فرض ہوئی۔ قَالَ اللہ تَعَالیٰ، وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلماً (فرمایئے (اے نبی ﷺ)! اے خدا میرے علم میں اضافہ فرما) اور قناعت کرنا مراتب قرب میں حرام ہے کامل پر، جیسے کہ حرام ہے ناقص پر۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود تا جان باقی ست در طلب باید بود

اللہ کی راہ میں تمام آداب پورے کرنے چاہئیں جب تک جان میں جان ہے طلب میں رہنا چاہیے۔

دریا دریا اگر بکامت ریزند کم باید کرد و خشک لب باید بود

اگر کئی دریا سے تجھے سیراب کریں تب بھی تو کم سمجھ اور خشک ہونٹ رکھ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے برادر بے نہایت در گہیست ہر چہ بروے می رسی بروے مائیست

اے بھائی بے انتہا درگاہیں ہیں کسی درگاہ پر پہنچنے کو نہایت مت سمجھ اور آگے ترقی کر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

لَا اَبْرَحُ حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُباً۔

ہمیشہ رہوں گا میں سفر میں تاکہ پہنچوں میں اس جگہ جہاں دریا کھارا اور میٹھا جمع ہوتے ہیں کہ وہ مکان حضرت خضر علیہ السلام بہ تعلیم الٰہی معلوم ہوا تھا۔

[1] (بحوالہ معیار السلوک، صفحہ ۳۰)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تو فرمایا:

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

کہ متابعت کروں میں تیری اس واسطے کہ سکھائے تو مجھ کو وہ علم کہ خدا نے تجھ کو دیا ہے۔

تمام ہوا کلام قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

جو کچھ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بے شک درست ہے، کیونکہ ہر چیز میں دو جزو ہیں، ایک ظاہر اور ایک باطن، جسم ظاہر کا علاج شریعت اور باطن کا طریقت ہے۔ لیکن علاج باطن کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ جیسے کسی کو فساد خون ہو اور فساد خون کی وجہ سے پھوڑے پھنسی وغیرہ جسم پر اٹھیں تو زخم کے واسطے مرہم پٹی کی جائے تو یہ فائدہ سے تو خالی نہیں مگر کافی نہ ہوگی بلکہ فساد خون کے واسطہ مسہل اور ادویہ مصفیات کار آمد ہوں گی تاکہ مادئہ فاسد اندرونی کو دفع کریں اور پھر ظاہر جسم پر کوئی پھوڑا پھنسی نہ اٹھے، اسی طرح باطن کی خرابیوں کا علاج علم باطن ہے تاکہ پھر ظاہر اعضاء آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ میں مادئہ فاسد معصیت کا نہ پھوٹے اور جان اور جسم دونوں پاک ہو جائیں۔ اے عزیز اس جہاں میں ہر چیز کا ظہور پرتو ہے اسماء و صفات الٰہی کا چنانچہ هُوَ الظَّاهِرُ سے جسم ہے هُوَ الْبَاطِنُ سے قلب و روح هُوَ الْبَاطِنُ سے لا الٰہ الا اللہ، هُوَ الظَّاهِرُ سے محمد رّسول اللہ ﷺ هُوَ الظَّاهِرُ سے شکل دوا ہے، هُوَ البَاطِنُ سے اثر و شفاء هُوَ الظَّاهِرُ سے ظہور انبیاء علیہم السلام هُوَ الْبَاطِنُ سے ملائکہ کرام تو جس دوا میں شفا نہیں وہ کس کام کی اور جس جسم میں روح نہیں وہ جسم کس کام کا؟ اور جس دل میں نور تصدیق نہیں وہ دل کس کام کا؟

چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں نہ دارد نور دل دل نیست آں
جو دل نور باطن سے منور نہ ہو وہ دل نہیں ہے

چوں نباشد روح جزو کل نیست آں
اور جب روح ہی جسم میں نہیں تو وہ نہ جزو ہے نہ کل

آں زجاجے کہ نہ دارد نورِ جاں
جس شیشہ میں نور روشنی نہ ہو

بولِ قارورہ ست قندیلش مخواں
وہ قارورہ کی شیشی ہے اس کو قندیل نہ سمجھو

اور جس علم ظاہر کے ساتھ علم باطن نہ ہو تو وہ علم خلوص سے معریٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عالم خشک کی صحبت سے بھاگو، عالم خشک سے وہی علماء مراد ہیں جو علم باطن سے بے بہرہ ہیں اسی واسطے قاضی صاحب نے فرمایا علم باطن فرض ہے اور طلب طریقت واجب ہے اور بیعت ہونا سنت ہے۔

انسان سے متعلقہ وہ احکام شرعیہ جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ان کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ احکام جن کا تعلق ظاہری احوال سے ہے۔

(۲) وہ احکام جن کا تعلق باطنی احوال سے ہے۔

بالفاظ دیگر ان دونوں اقسام کو اس طرح بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ ظاہری احوال سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق بدن اور جسم سے ہے، جبکہ باطنی احوال سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق روح اور قلب کے ساتھ ہے۔

جسمانی اعمال کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اوامر　　　　(۲) نواہی

اوامر الٰہیہ یہ ہیں:

نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ، اور نواہی سے مراد قتل، زنا، سرقہ اور شراب خوری وغیرہ ہے۔

اور اسی طرح قلبی اعمال بھی اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔ اوامر سے مراد اللہ تعالیٰ، ملائکہ، اس کی کتب اور رسل پر ایمان لانا ہے۔ اور اخلاص، رضا، صدق، خشوع اور توکل پر ایمان لانا ہے۔ جبکہ نواہی سے مراد کفر، نفاق، تکبر، خود پسندی، ریاء، غرور، کینہ اور حسد ہے۔

یہ دوسری قسم جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے، اس کو شارع علیہ السلام کے نزدیک پہلی قسم سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ باطن، ظاہر کی بنیاد اور اصل ہے اور باطنی اعمال، ظاہری اعمال کی اصل ہیں۔ باطنی اعمال میں خرابی کی وجہ سے ظاہری اعمال کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ يَرْجُوْ الِقَآئَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً (الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: ”پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے، اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔“

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب کی اصلاح کیلئے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں ارشاد فرماتے کہ انسان کے درستگی اور اصلاح اس کے دل کی اصلاح اور پوشیدہ امراض و علل کی شفاء پر موقوف ہے۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الا وان فی الجسد مضغه اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، ألا وھی قلب۔

یعنی: خبر دار! بے شک انسانی جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبر دار رہو! اور یہ دل ہے!"۔ [1]

اور اسی طرح آپ ﷺ انہیں یہ درس دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔

یعنی: "اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کی طرف، بلکہ وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔"

أخرجه مسلم فی صحیحه فی کتاب البر والصلة عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

انسان کی اصلاح اس کے دل کی اصلاح سے مربوط ہے جو اس کے ظاہری اعمال کا مصدر و منبع ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صفاتِ مذمومہ سے اپنے آپ کو خالی کرے اور ان افعال حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے تب قلب انسانی صحیح ہو جاتا ہے اور ان صفات کا حامل انسان کامیاب اور نجات پانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (۸۸) اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء ۸۹)

ترجمہ: "جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لایا۔"

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دل کا علم اور اس کے امراض یعنی حسد، خود پسندی اور ریاء وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق فرض عین ہے۔ [2]

دل کا تصفیہ اور تہذیبِ نفس اہم ترین فرض عین ہے جس کی دلیل قرآن و سنت اور اقوال علماء سے ثابت ہے۔

القرآن:

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الاعراف: ۳۳)

---

[1] (رواہ البخاری فی کتاب الایمان۔ ومسلم فی کتاب المساقاۃ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنهما)

[2] (الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۵۰۴)

ترجمہ: آپ فرمائیے، بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیاں جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں۔

نیز فرمایا: وَلَاتَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَاوَ مَابَطَنَ۔ (الانعام: ١٥١)

ترجمہ: "اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فواحشِ باطنہ سے مراد حقد، ریاء، حسد اور نفاق وغیرہ ہیں۔

الحدیث:

وہ تمام احادیث جن میں حقد، تکبر، ریاء اور حسد کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے اور اسی طرح وہ تمام احادیث جن میں اخلاق حسنہ اور حسن معاملہ کا حکم ہے، کتب احادیث میں اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الایمان بضع وسبعون شعبة فاعلا ها قول، لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذی عن الطریق، والحیاء شعبة من الایمان۔

ترجمہ: "ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سب سے بہترین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے اذیت دینے والی چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔"[1]

ایمان کا کمال ان تمام شعبوں کے کامل ہونے اور ان سے آراستہ و مزین ہونے سے ہے اور ان صفات کی زیادتی سے ایمان میں اضافہ اور ان کی کمی سے ایمان ناقص ہوتا ہے۔ اور یقیناً باطنی امراض انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعمال بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

علماء کے اقوال:

علماء کرام نے قلبی امراض کو ان کبائر میں شمار کیا ہے جن کیلئے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

صاحب جوہرۃ التوحید فرماتے ہیں:

وامر بعرف واجتنب نمیمه — ونمیه وخصله ذمیمه
کالعجب وداء الحسد — وکالمراء والجدل فاعتمد

ترجمہ: "نیکی کا حکم دو، چغل خوری، غیبت اور بری عادت سے بچو جیسا کہ خود پسندی، تکبر، حسد کی بیماری اور لڑائی جھگڑا اور اسی پر اعتماد کرو۔"

---

[1] (أخرجه البخاری ومسلم فی صحیحیهما فی کتاب الایمان عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه)

اس کے شارح مصنف کے قول "خصلہ ذمیمہ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی ہر اس عادت سے بچو جو شرعاً مذموم ہو۔ مصنف نے یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا شمار عیوب نفس میں ہوتا ہے، کیونکہ ظاہری اصلاح کے ساتھ ان اشیاء کا باقی رہنا نجاست کے ساتھ آلودہ جسم پر کپڑے پہننے کی طرح۔ انہی صفات ذمیمہ میں سے ایک عجب ہے اور اس سے مراد اپنی عبادت کو بہت زیادہ گمان کرنا، جیسا کہ کوئی عابد اپنی عبادت پر، اور عالم اپنے علم پر فخر و مباہات کرے تو یہ حرام ہے، یہی حکم ریاء کا ہے۔ عجب کی مثل ظلم، بغاوت، تکبر، حسد اور لڑائی جھگڑا صفات مذمومہ ہیں۔[1]

فقیہ اعظم ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں: اخلاص، عجب، حسد اور ریاء کو جاننا فرض عین ہے۔ اور اسی کی مثل دیگر آفات نفس جیسے تکبر، بخل، حقد، دھوکہ دہی، غضب و غصہ، عداوت، بغض، طمع، فخر و تکبر، خیانت، مداہنت، مخلوق خدا کو حقیر جاننا، طول امل اور ان کے علاوہ دیگر آفات جن کا ذکر "احیاء العلوم" میں مہلکات کے ضمن میں آتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بشر ان صفات سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ان میں سے ان چیزوں کو سیکھے جو اس کے نفس کیلئے ضروری ہیں اور جن کا ازالہ فرض عین ہے اور ان کا ازالہ صرف اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب انسان ان کی تعریفات، اسباب و علامات اور علاج کو جانتا ہو۔ اور جو شخص شر کو نہیں پہچانتا، وہ اس میں واقع ہو جاتا ہے۔[2]

صاحب ہدیہ علائیہ فرماتے ہیں کہ حسد، مسلمانوں کو حقیر جاننا، ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرنا، تکبر، خود پسندی، ریاء، نفاق اور دل سے متعلقہ جملہ اعمال قبیحہ کی حرمت پر اجماع ہے بلکہ سمع و بصر اور دل میں سے ہر ایک سے ان کے اختیاری اعمال کے متعلق باز پرس ہو گی۔[3]

صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں:

"ظاہری طہارت اسی وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب باطنی طہارت میں اخلاص شامل ہو۔ اور وہ کینہ، ملاوٹ اور حقد و حسد سے منزہ ہو اور دل اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی ہر شے سے مبرا ہو۔ اور اس کی عبادت محض اس کی ذات کیلئے ہو، نہ کہ کسی سبب اور علت کیلئے۔ اور اسی کی بارگاہ میں اپنے دامن کو پھیلائے تو وہ اپنے خاص لطف و احسان سے اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔"

اے غافل! اس یکتائے روزگار مالک حقیقی کا بندہ بن جا، اس کے علاوہ کوئی شے تجھے اپنی طرف متوجہ نہ کرے، تیری خواہش نفسانی تجھے اس کی بارگاہ کی چاکری سے نہ روکے۔

---

[1] (شرح الجوهرة للباجوری ص ۱۲۲-۱۲۰ توفی سنة ۱۲۷۷ھ)
[2] (حاشیة ابن عابدین المسماة رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار، ج ۱ ص ۳۱)
[3] (الهدایة العلائیة، علاء الدین عابدین ص ۳۱۵)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رب مستور سبتة شهوته — قد عري من ستره و انهتكا

صاحب الشهوة عبد فاذا — ملك الشهوة اضحى ملكا

ترجمہ: "کتنے ہی صاحب پوشاک لوگ ہیں جن کو شہوت نے قیدی بنا رکھا ہے۔ در حقیقت وہ اپنے ستر سے عریاں اور لاغر و ناتواں ہو چکے ہیں۔ نفسانی خواہش میں مبتلا شخص ایک غلام کی مانند ہوتا ہے اور جب اپنی شہوت پر قابو پالے تو وہی شہنشاہ بن جاتا ہے"۔

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کیلئے مخلص ہو جاتا ہے اور ان امور کو بجالاتا ہے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو ہر حال اور ہر وقت عنایات خداوندی اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے وہ تمام علوم سکھا دیتا ہے جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔

"اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ"[1]

جس طرح انسان کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ نجاست اور گندگی سے آلودہ کپڑوں کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے، اسی طرح یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے دل کو طرح طرح کی پوشیدہ بیماریوں میں مبتلا کر دے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کا محل ہے۔

تطبب جسمك الفاني ليبقى — و تشرك قلبك الباقي مريضا

"تو اپنے جسم کا علاج کرتا ہے کہ وہ باقی رہے اور باقی رہنے والے دل کو بیماری کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔"

کیونکہ قلبی امراض اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت سے بعد اور دوری کا سبب ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر۔

یعنی "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو گا"۔[2]

اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں انسان کی سلامتی اس کے دل کی سلامتی پر موقوف ہے اور اس کی نجات ان مذکورہ امراض سے نجات حاصل کرنے پر ہے۔

---

[1] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، ص ۷۱-۷۰)

[2] (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الايمان عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه)

کبھی انسان کے نفسانی عیوب پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس کے دل کی بیماریاں بھی انتہائی دقیق ہوتی ہیں، وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ کمال سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ تو اس صورت حال میں ان امراض اور دل کی دقیق بیماریوں کو پہچاننے کا کونسا طریقہ ہے اور ان امراض کے علاج کا کون سا طریقہ ہو گا کہ انسان ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے؟

یقیناً اس کا حل تصوف ہی ہے جو قلبی امراض اور تزکیۂ نفس اور اس کی گھٹیا صفات سے نجات دلانے کا کامیاب نسخہ ہے۔

ابن ذکوان نے "فائدۃ التصوف" میں فرمایا ہے:

علم بہ تزکیہ البواطن　　　من کدارت النفس فی المواطن

"تصوف ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے نفس کی مخفی اور پوشیدہ کدورتوں سے باطن کا تصفیہ ہوتا ہے۔"

علامہ منجوری نے اس شعر کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تصوف وہ علم ہے جس کی مدد سے باطن کو نفس کی کدورتوں سے پاک اور صاف کرنے کی کیفیت کو پہچانا جاتا ہے اور کدورتوں سے مراد نفس کے عیوب اور اس کی قابل مذمت صفات ہیں۔ مثلاً کینہ، حقد، حسد، دھوکہ دہی، ملاوٹ، خودستائشی کو پسند کرنا، تکبر، ریاء، غیض و غضب، لالچ، بخل، تعظیم امراء اور تحقیر غرباء۔ کیونکہ علم تصوف انسان کو اس کے عیوب اور ان کے علاج کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے اور اسی کے ذریعے نفس کی رکاوٹوں کو دور اور اس کی قابل مذمت عادات اور بری صفات سے پاک کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کرکے اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آراستہ کرنے کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔[1]

صوفیاء کرام کو وراثت نبوی ﷺ میں سے علم و عمل کا وافر حصہ ملا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو توبہ، تقویٰ، استقامت، صدق، اخلاص، زہد، ورع، توکل، رضا، تسلیم، ادب و محبت اور ذکر و مراقبہ جیسی صفات کاملہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتے ہیں۔

قدرفضوا الاثام والعیوب　　　وطھروا الابدان والقلوب

وبلغوا حقیقہ الایمان　　　وانتھجوا مناھج الاحسان

ترجمہ: "انہوں نے گناہوں اور عیوب کو ترک کیا، اور اجسام اور قلوب کو پاک کیا، اور ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل کی۔ اور احسان کی راہوں پر گامزن ہوئے"۔[2]

تصوف نے بدنی اور مالی عبادات کے ساتھ ساتھ اس قلبی پہلو اور عملی طریقہ کی بھی نشاندہی کی ہے جو مسلمان کو ایمان اور اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیتا ہے۔ تصوف محض اوراد پڑھنے اور ذکر کے حلقات قائم کرنے کا نام نہیں ہے جیسا کہ بعض

---

[1] (النصرۃ النبویۃ للشیخ مصطفیٰ اسماعیل المدنی علی ھامش سرح الرائیۃ للفاسی ص ۲۶)

[2] (الفتوحات الالٰھیۃ فی شرح المباحث الأصلیۃ للعلامۃ ابن عجیبۃ علی ھامش شرح الحکم لابن عجیبۃ ج ۱ ص ۱۰۵)

لوگوں کا خیال ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہن سے یہ بات نکل چکی ہے کہ تصوف ایک ایسا عملی نمونہ ہے جو ایک عام اور اللہ تعالیٰ سے دور انسان کو ایک کامل مثالی مسلمان بنا دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے ایمان کامل، خالص عبادت، حسن معاملہ اور عمدہ اعلیٰ اخلاق حاصل ہو جاتا ہیں۔

اس سے تصوف کی اہمیت اور اس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ چیز ہمارے لئے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف ہی روح اسلام اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ کیونکہ دین فقط ظاہری اعمال اور امور شکلیہ کا نام نہیں جن میں نہ کوئی روح ہو اور نہ کوئی زندگی۔

مسلمان اس درجہ انحطاط اور ضعف کا شکار ہو چکے ہیں کہ انہوں نے روح اسلام اور اس کے جوہر کو چھوڑ دیا ہے۔ اب ان میں صرف اسلام کی ظاہری شکل ہی باقی رہ گئی ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غیور اور باعمل علماء لوگوں کو صوفیاء کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور ان کی بارگاہ کو لازم پکڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اسلام کی ظاہریت کے ساتھ ساتھ روح اسلام سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں۔ اور صفائے قلبی اور اخلاقی بلندی کے معنے و مفہوم کو سمجھ سکیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت کے حصول اور اس کی محبت، مراقبے اور دائمی ذکر میں مشغول ہو جائیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے طریق تصوف کو جانچنے، اس کے نتائج کے حصول اور اس کے ثمرات کو چکھنے کے بعد فرمایا:

”صوفیاء کرام کی جماعت میں داخل ہونا فرض عین ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی عیب سے خالی نہیں“۔[1]

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”جو ہمارے تصوف میں داخل نہ ہوا، وہ عدم شعور کی حالت میں کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا۔“[2]

ابن علان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کیونکہ کونسا شخص ہے جو روزے رکھتا ہو اور اپنے روزوں پر فخر نہیں کرتا ہو۔ اور وہ کونسا شخص ہے جو اپنی نماز پر فخر نہیں کرتا، اور یہی حال دوسری عبادات کا ہے۔ اس لئے ایک شیخ کامل ہونا ضروری ہے جو انسان کو ان عیوب سے آگاہ کرتا رہے۔

---

[1] (”النصرۃ النبویۃ“ علی ہامش سرح الرائیۃ للفاسی ص ۲۶)

[2] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ص ۷)

کیونکہ یہ راستہ ناقص لوگوں کیلئے انتہائی دشوار گزار ہے، اس لئے انسان کو چاہیے کہ بڑے عزم و صبر اور مجاہدہ کے ساتھ اس کو عبور کرے تاکہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کے غضب سے بچالے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”حق کے راستہ کو لازم پکڑو۔ اور اس پر چلنے والوں کی قلت سے نہ گھبراؤ۔ باطل کے راستہ سے بچو، اور اس پر چلنے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اور جب بھی تو تنہائی سے گھبرائے تو اپنے سے سبقت لے جانیوالے ساتھی کو دیکھو اور اس کے ساتھ ملنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اغیار سے آنکھیں بند کر لو۔ یہ لوگ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ دوران سفر اگر تجھے پکاریں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ جب تو ان کی طرف متوجہ ہو گا تو تجھے پکڑ لیں گے اور سفر سے روک لیں گے۔ [1]

[1] (المنن الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۴)

(۲) باب نمبر دو: مسئلہ علم تصوف کی فرضیت کابیان

الفصل الاول: تصوف کی تعریف، موضوع اور اس کی غرض وغایت

علم تصوف کی تعریف:

هو علم تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الباطن والظاهر لنيل السعادة الابدية ويحصل به اصلاح النفس والمعرفة ورضاء الرب۔

ترجمہ: تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر وباطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اس کی معرفت حاصل ہو۔[1]

سیدی عارف باللہ امام التصوف عبد الوہاب الشعرانی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

التصوف انما هو زبدة عمل العبد بأحكام الشريعة۔۔۔۔علم التصوف تفرع من عين الشريعة۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

علم التصوف من عين الشريعة۔

تصوف محض احکام شریعہ پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔۔۔ علم تصوف شریعت کے چشمہ میں سے ایک نہر ہے۔ علم تصوف عین شریعت ہے۔[2]

سردار الاولیاء حضرت جنید بغدادی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

تصوف نام ہے مخلوق سے خالق کی جانب رجوع ہونے اور قرآن وسنت کی اتباع کرنے اور مشغول عبادت رہنے کا۔

قال القاضی شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ

التصوف علم تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الظاهر والباطن لنيل السعادة الابدية ويحصل به اصلاح النفس والمعرفة ورضاء الرب۔

یعنی تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان تزکیہ نفس، اخلاق کی صفائی، اور ظاہر وباطن کی تعمیر جان لیتا ہے تاکہ وہ ابدی سعادت سے ہمکنار ہوسکے اور اس کے نفس کی اصلاح ہو اور اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب کی معرفت اور رضا حاصل کرلے۔[3]

---

1 (حقائق عن التصوف، ص ۱۷)

2 الطبقات الكبرىٰ، مقدمة الكتاب ص ۱۰۹، دار الكتب العلمية

3 (علی ہامش "الرسالة القشيرية" ص ۷)

ويقول الشيخ احمد زروق رحمة الله تعالیٰ عليه

التصوف علم قصد لإصلاح القلوب، وإفرادها لله تعالیٰ عما سواه۔ والفقه لإصلاح العمل، وحفظ النظام، وظهور الحكمة بالأحكام۔ والأصول "علم التوحيد" لتحقيق المقدمات بالبراهين، وتحلية الإيمان بالإيقان، كالطب لحفظ الأبدان، وكالنحو لإصلاح اللسان إلیٰ غير ذلک۔

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تصوف وہ علم ہے جس کا مقصد دلوں کی اصلاح کرنا، اور ان کو محض اللہ کیلئے خاص کر دینا ہے، اور فقہ، عمل کی اصلاح اور پورے نظام کی حفاظت اور احکام میں مضمر حکمتوں کو آشکارا کرنے کا نام ہے۔ اور علم توحید کا مقصد یہ ہے کہ مقدمات کو براہین و دلائل سے ثابت کیا جائے اور ایمان کو یقین کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ جیسا کہ طب کا مقصد اجسام کی حفاظت کرنا ہے اور علم نحو کا مقصد زبان کو اغلاط سے محفوظ کرنا ہے۔[1]

قال سيد الطائفتين الامام الجنيد رحمة الله تعالیٰ عليه

التصوف استعمال كل خلق سني، وترك كل خلق دني۔

شیخ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف یہ ہے کہ ہر اچھی عادت اور طریقہ کو اپنایا جائے اور ہر برے طریقہ اور عادت کو ترک کیا جائے۔[2]

وقال بعضهم

التصوف كله أخلاق، فمن زاد عليک بالأخلاق زاد عليک بالتصوف۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ پس جس نے تیرے اخلاق میں اضافہ کیا، اس نے تجھے تصوف پر عمل پیرا کر دیا۔[3]

وقال ابو الحسن الشاذلی رحمة الله تعالیٰ عليه

التصوف تدريب النفس علی العبودية وردها لأحكام الربوبية۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تصوف نفس کو عبودیت کے سانچے میں ڈھالنے، اور اسے احکام ربوبیت کی طرف لے جانے کا نام ہے"۔[4]

---

[1] (قواعد التصوف، قاعدة ۱۳، ص ٦ لأبي العباس أحمد الشهير بزروق الفاسي، ولد سنة ۸۴٦ھ بمدينة فاس، حقائق عن التصوف، ص ۱۷، مكتبة دار التقویٰ)

[2] (النصرة النبوية للشيخ مصطفیٰ المدنی، ص ۲۲، حقائق عن التصوف، ص ۱۷، مكتبة دار التقویٰ)

[3] (النصرة النبوية للشيخ مصطفیٰ المدنی، ص ۲۲، حقائق عن التصوف، ص ۱۸، مكتبة دار التقویٰ)

[4] (نور التحقيق، للعلامة حامد صقر، ص ۹۳، مصر، حقائق عن التصوف، ص ۱۸)

وقال ابن عجيبة رحمه الله تعالیٰ

التصوف هو علم يعرف به كيفية السلوك إلى حضرة ملك الملوك، وتصفية البواطن من الرذائل، وتحليتها بأنواع الفضائل، وأوله علم، ووسطه عمل، وآخره موهبة۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ بارگاہ خداوندی تک رسائی، باطن کی رزائل سے صفائی اور اس کو مختلف فضائل سے آراستہ کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ اس کی ابتداء علم، وسط علم اور انتہاء عنایت خداوندی ہے۔[1]

وقال صاحب كشف الظنون

هو علم يعرف به كيفية ترقي أهل الكمال من النوع الإنساني في مدارج سعاداتهم (الى أن قال):

علم التصوف علمٌ ليس يعرفه — إلا أخو فطنةٍ بالحق معروف

وليس يعرفه من ليس يشهده — وكيف يشهد ضوء الشمس مكفوف

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: یہ وہ علم ہے جس میں اہل کمال کی منازل سعادت میں ترقی کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم تصوف وہ علم ہے جسے عقلمند اور صاحب حال ہی جان سکتا ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اس کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اور کور چشم سورج کی روشنی کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔[2]

وقال الشيخ زروق رحمه الله في قواعد التصوف

وقد حُدَّ التصوف ورسم وفسر بوجوه تبلغ نحو الألفين، مرجع كلها لصدق التوجه إلى الله تعالیٰ، وإنما هي وجوه فيه۔

شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ قواعد تصوف میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف پر تقریباً دو ہزار تالیفات کی گئی ہیں اور ان تالیفات کا لب لباب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔[3]

قال الشيخ العارف بالله عبدالقادر عيسیٰ رحمه الله تعالیٰ

فعماد التصوف تصفية القلب من أوضار المادة، وقوامه صلة الإنسان بالخالق العظيم، فالصوفي من صفا قلبه لله، وصفت لله معاملته، فصفت له من الله تعالیٰ كرامته۔

تصوف کا دارومدار مادی آلائشوں سے دل کو صاف کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد خالق حقیقی سے بندے کے تعلق قائم

[1] (معراج التشوف إلى حقائق التصوف لأحمد بن عجيبة، ص ۴، حقائق عن التصوف، ص ۱۸)
[2] (كشف الظنون للعلامة حاجي خليفة، ج ۱، ص ۴۱۳، ۴۱۴، حقائق عن التصوف، ص ۱۸)
[3] (قواعد التصوف، ص ۲، حقائق عن التصوف، ص ۱۹)

کرنے پر ہے۔ پس صوفی وہ ہے جس کا دل پاک اور اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف ہو، اور اس کی بار گاہ سے اسے خاص انعام واکرام حاصل ہو۔[1]

قال ذو النون المصري رحمه الله تعالى:

الصوفي إذا نطق أبان منطقه عن الحقائق وإذا سكت نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق۔

سیدنا حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو۔ مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرے اور علائق سے کنارہ کشی اس کے حال پر ناطق ہو یعنی اس کا بولنا بوقت کلام اصول طریقت پر صحیح ہو اور اس کا کردار بوقتِ سکوت مجر دِ محض ہے اور یہ دونوں حالتیں درست ہوں۔ جب بولے تو اس کی ہر بات حق ہو اور جب خاموش رہے تو اس کا ہر فعل فقر ہو۔[2]

سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

التصوف نعت أقيم العبد فيه, قيل: نعت للعبد أو نعت للحق؟ فقال نعت الحق حقيقة, و نعت العبد رسما۔

سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی؟ آپ نے فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقت بندگی کی صفت کی فناء چاہتا ہے اور صفت بندگی کی فنا حق کے ساتھ بقا کی صفت ہے اور یہ صفت حق ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی دائمی ریاضت و مجاہدے کی مقتضی ہے اور دائمی مجاہدہ یہ بندے کی صفت ہے اور جب دوسرے معنی میں دیکھنا چاہو تو یوں سمجھو کہ توحید کی حقیقت کسی بندے کی صفت میں صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ بندے کی صفات میں ہمیشگی دوام نہیں اور خلق کی صفت بجز رسم و ظاہر کے کچھ نہیں کیونکہ خلق کی صفت میں بقا نہیں ہے بلکہ وہ حقیقتًا حق کا فعل ہے لہٰذا ان صفات کی حقیقت حق کے ساتھ ہو گی۔ اس مفہوم کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے بندے کو روزہ رکھنے کو فرمایا۔ روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ روزہ دار کہلایا یہ روزہ از روئے رسم ظاہری بندہ کی صفت ہو گی۔ لیکن از روئے حقیقت روزے کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

---

[1] (حقائق عن التصوف، ص ۱۹)

[2] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۲۸، ۱۲۹، پروگریسو بکس)

چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ذریعہ ہمیں خبر دی کہ:

اَلصَّوۡمُ لِیۡ وَاَنَا اَجۡزِیۡ بِہٖ۔ (بخاری شریف)

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔[1]

مطلب یہ ہے کہ روزہ میری وجہ سے ہے اور جو کچھ ان کے مفعولات سے ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ لیکن تمام عبادتوں اور چیزوں کی نسبت بندے کی نسبت بطریق رسم و مجاز ہوگی نہ کہ حقیقتًا۔[2]

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

التصوف ترک کل حظ النفس۔

تصوف تمام نفسانی لذات و حظوظ سے دست کشی کا نام ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں ایک رسم یعنی مجاز دوسری حقیقت۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اگر نفسانی لذتوں کو چھوڑ چکا ہے تو ترک لذت بھی تو ایک لذت ہے اسی کو رسم و مجاز کہا جاتا ہے اور اگر وہ اس کا بھی تارک ہے تو یہ فنائے لذت و حظ کہلاتی ہے۔ اس معنی کا تعلق حقیقت و مشاہدے سے ہے، لہٰذا ترک حظ و لذت بندہ کا فعل ہے اور فنائے حظ و لذت حق تعالیٰ کا فعل ہے لہٰذا بندے کے فعل کو رسم و مجاز اور حق کے فعل کو حقیقت کہا جائے گا۔ اس قول سے پہلا قول جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے خوب واضح ہو جاتا ہے۔[3]

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوۡفِیَّۃُ ھُمُ الَّذِیۡنَ صَفَّتۡ اَرۡوَاحُھُمۡ فَصَارُوۡا فِیۡ صَفِّ الۡاَوَّلِ بَیۡنَ یَدَیِ الۡحَقِّ۔

صوفیائے کرام کا گروہ وہ ہے جن کی زندگیاں کدورتِ بشری سے آزاد اور آفتِ نفسانیہ سے پاک وصاف ہو کر آرزو اور تمناؤں سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجے اور صفِ اول میں آرام گستر ہیں اور ماسویٰ اللہ کے سب سے قطعًا کنارہ کش ہو چکے ہیں۔[4]

حضرت ابن جلالی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ حَقِیۡقَۃٌ لَا رَسۡمَ لَہٗ۔

---

1 (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: یُرِیدُونَ أَنۡ یُبَدِّلُوا کَلَامَ اللّٰہِ (الفتح ۱۵)، رقم الحدیث: ۷۴۹۲، ص ۶۲۴، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، رقم الحدیث: ۱۱۵۱، ص ۵۸۰)

2 (شرح کشف المحجوب، ص ۱۶۹، ۱۷۰، پروگریسو بکس)

3 (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۱، ۱۷۰، پروگریسو بکس)

4 (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۱، پروگریسو بکس)

تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم و مجاز کا دخل نہیں ہے۔

کیونکہ معاملات وافعال میں رسم و مجاز کا دخل نہیں ہے اور اس کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، جبکہ تصوف خلق سے کنارہ کشی کا نام ہے تو اس کے لئے رسم و مجاز کا دخل ممکن ہی نہیں۔[1]

حضرت ابو عمر دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ رُؤْيَةُ الْكَوْنِ بِعَيْنِ النَّقْصِ بَلْ غُضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ۔

جہاں کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیر لینے کا نام تصوف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جہان کو عیب و نقص سے بھرپور دیکھو کیونکہ یہ دلیل بقائے صفت کی ہے بلکہ جہان سے آنکھوں کو بند کر لو کیونکہ یہ دلیل فنائے صفت کی ہے۔ اس لئے کہ جب کائنات پر نظر ہو گی تو حدِ نظر کے بعد نظر کی منزل بھی ختم ہو جائے گی اور دنیا سے آنکھیں بند کر لینے میں ربانی بصیرت کی بقا ہے یعنی جو شخص اپنے سے نابینا ہو گا وہ حق کو دیکھ سکے گا، کیونکہ ہستی سے باہر نکلنے کی اسے کوئی راہ نہیں ملتی۔ الغرض ایک وہ ہوتا ہے جو خود کو تو دیکھتا ہے لیکن اسے ناقص نظر آتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنی طرف سے نظر کو بند کر لیتا ہے اسے نہیں دیکھتا تو وہ شخص جو خود کو دیکھ لیتا ہے اگرچہ خود میں اسے نقص و عیب نظر آتے ہیں، مگر یہی نظارہ ایک حجاب ہے اور جو دیکھتا ہے وہ نظر میں درپردہ رہتا ہے اور جو اپنی ہستی کو دیکھتا ہی نہیں وہ نابینائی میں محجوب نہیں ہوتا۔ اہل معانی اور عرفا کے نزدیک یہ مفہوم و مرادِ اصل قوی ہے، مگر یہ قیام اس کی شرح کا نہیں ہے۔[2]

حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلتَّصَوُّفُ شِرْكٌ لِاَنَّهُ صِيَانَةُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْيَةِ الْغَيْرِ وَلَا غَيْرَ۔

تصوف میں شرک ہے، اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچاتا ہے حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ اثباتِ توحید میں غیر کی رویت شرک ہے، جب دل میں غیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تو دل کو غیر کے ذکر سے بچانا محال ہے۔[3]

حضرت حصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ كُدُوْرَةِ الْمُخَالِفَةِ۔

دل کو مخالفت کی کدورت سے پاک و صاف رکھنے کا نام تصوف ہے۔

---

[1] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۲، پروگریسو بکس)

[2] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۲، ۱۷۳، پروگریسو بکس)

[3] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۳، پروگریسو بکس)

مطلب یہ کہ باطن کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے۔ دوست کو لازم ہے کہ سارے جہان میں دوست کے احکام کی حفاظت کرے اور جب مطلوب ایک ہو تو مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔[1]

تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے:

حضرت محمد بن علی بن امام حسین بن علی مرتضیٰ سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

اَلتَّصُوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ۔

پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے، جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اتنا ہی زیادہ صوفی ہو گا۔[2]

پاکیزہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضاء قدر پر راضی رہے اور خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر مخلوق کی صحبت کا بار برداشت کرے یہ دونوں قسمیں طالب کی ہی طرف راجع ہوتی ہیں کیونکہ حق کی صفت استغناء یعنی وہ طالب کی ناراضگی و رضا دونوں سے بے نیاز ہے یہ دونوں وصف نظارۂ توحید سے وابستہ ہیں۔[3]

خلاصہ

کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال قبیحہ اور صفات رزیلہ کی وجہ سے قلب انسانی پر جو سیاہی و ظلمت کا غلبہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں مذکور ہے جس کی وجہ سے باطن (روح) تاریک ہو جاتا ہے، اب اس تاریکی کو دور اور ختم کرنے کے لئے تصفیہ باطن و تزکیہ نفس کیا جاتا ہے تاکہ قلب انسانی نور معرفت الٰہی کا منبع و سرچشمہ بن جائے اور یہ سب تصوف (تمام نفسانی لذات و حظوظ سے دست کشی) ہی ذریعے ممکن ہے۔

علم تصوف کا موضوع:

التزکیۃ والتصفیۃ والتعمیر المذکورات۔

تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیر باطن ہے۔

---

[1] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۴، پروگریسو بکس)
[2] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۴، ۱۷۵، پروگریسو بکس)
[3] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۵ تا ۱۷۷، پروگریسو بکس)

علم تصوف کی غرض وغایت:

نیل السعادة الابدية۔

اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔

الفصل الثانی: تحقیق لغوی لفظ تصوف

لفظِ "تصوف" کی لغوی تحقیق

تصوف کے مادۂ اشتقاق اور لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ کے باب میں علمائے کبار کے مختلف اقوال ہیں: اہل علم نے تصوف کے درج ذیل مادہ ہائے اشتقاق بیان کئے ہیں۔

قول اول "الصفاء"

بعض علماء کے نزدیک تصوف کا مادۂ اشتقاق الصفاء ہے جس کے معنی صفائی اور پاکیزگی کے ہیں اس مادۂ اشتقاق کی رو سے کسی شے کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک صاف کر کے اجلا اور شفاف بنا دینا تصوف ہے۔

شیخ ابو الفتح بستی تصوف کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان التصوف کلمة اشتقت من الصفاء۔

تصوف وہ کلمہ ہے جو صفا سے مشتق ہے، جس کا معنی صفائی ہے۔[1]

صاحب المنجد لفظ تصوف کی شرح بیان کرتے ہیں:

صفی ای تصفیة الشيء و جعله صافیا۔

صفی سے مراد کسی شے کو صاف اور اجلا کر دینا ہے۔[2]

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویری نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں شیخ خضری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

التصوف صفاء السر من کدورۃ المخالفة۔

باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک و صاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔[3]

اگرچہ تصوف کا مادۂ اشتقاق "صفا" بھی ہے لیکن لغوی اعتبار سے یہ اشتقاق اپنے اندر کئی اور احتمالات بھی رکھتا ہے۔

قول الثانی "الصفو"

تصوف کا دوسرا مادۂ اشتقاق "الصفو" بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی "محبت اور دوستی میں اخلاص" کے ہیں۔

---

[1] (الشیخ ارسلان الدمشقی، ص ۳۹)

[2] (المنجد تحت مادہ صفا)

[3] (کشف المحجوب، ص ۱۳۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

جیسا کہ صاحب المنجد اس مادہ کی نسبت رقم طراز ہیں:

الصفو ھو الاخلاص فی المودۃ الصفی ھو الصدیق المخلص۔

"الصفو" کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں اور صفی سے مراد مخلص دوست ہوتا ہے۔[1]

اس مادہ کے عتبار سے صوفی سے مراد وہ شخص ہے جس نے دنیاوآخرت کے اجروجزاء سے بے نیاز ہوکر محبوب حقیقی سے بے لوث محبت اور دوستی کا رشتہ استوار کرلیا ہو اور جس کی تمام تر مساعی کا محرک فقط رضائے الٰہی کی طلب ہو۔

قول الثالث "الصوف"

تصوف کے باب میں تیسرا قول اس کے "الصوف" سے مشتق ہونے کا ہے، جس کے معنی "اون" کے ہیں۔ باب تفعل کے وزن پر تصوف کا معنی ہے اس نے اونی لباس پہنا۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

تصوف اذا لبس الصوف کما یقال تقمص اذا لبس القمیص۔

تصوف (اس وقت کہا جائے) جب کسی نے صوف کا لباس پہنا جیسے کسی کے قمیص پہننے پر بولا جاتا ہے۔[2]

بعض مردانِ حق نے قرون اولیٰ میں اظہار تذلل، مجاہدہ اور غایت عجز و نیاز کی خاطر کھردرا اونی لباس پہنا۔ چنانچہ اس اونی لباس کی مناسبت سے اُن کو صوفی کا لقب ملا۔

شیخ عیاض الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

چوں در زمان سابق صاحبانِ صفات مذکورہ "صوف" می پوشیدند لہٰذا مجازا اعمال وافعال ایشاں را "تصوف" نامیدند۔

چونکہ گزشتہ زمانے (قرون اولیٰ) میں مردانِ حق (تذلل اور غایت عجز وانکساری کے باعث) اونی لباس پہننے لگے تھے اس لئے (اس مناسبت سے) ان کے اعمال وافعال کو "تصوف" کا نام دے دیا گیا۔[3]

علامہ ابن خلدون اسی مؤقف کی تائید ان الفاظ سے کرتے ہیں:

ان التصوف مشتقة من الصوف لاختصاص اصحابها يلبس الصوف وقيل ان النسبة للصوف على اعتبار ان لباسه كان يقلب على المتقدمين من السلف لانه اقرب الى لتواضع والزهد ولكونه لباس الأنبياء۔

---

[1] (المنجد تحت مادہ صفو)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۱۲۶)

[3] (غیاث اللغات، ص ۱۱۳)

تصوف صوف سے مشتق ہے کیونکہ اونی لباس اہلِ تصوف سے مختص تھا۔ کہا گیا ہے کہ اون کی طرف نسبت اس اعتبار سے ہے کہ یہ لباس اسلاف متقدمین کو زیادہ مرغوب تھا کیونکہ یہ زہد و تواضع کے قریب تر ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ انبیاء کا لباس بھی رہا ہے۔[1]

قول رابع ''الصوف''

الصوف سے اشتقاق کے حوالہ سے ایک معنیٰ ''یکسو شدن'' بھی بیان کیا گیا ہے یعنی کسی طرف سے پوری یکسوئی سے متوجہ ہو جانا۔ اس اعتبار سے تصوف کا مقصود و مطلوب ذات الٰہی کے ذکر و محبت میں اس قدر یکسوئی اور محویت حاصل کرنا ہے کہ ماسویٰ اللہ کی طلب و خواہش سے دھیان بالکل ہٹ جائے۔

علامہ غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

می تواند کہ تصوف ماخوذ باشد از صوف کہ بمعنی یکسو شدن و روگردانیدن است چوں واصلان حق از ماسویٰ اللہ یکسوی شدند در گردانند لہٰذا کار ایشاں را تصوف نامیدند۔

ہو سکتا ہے کہ تصوف صوف سے مشتق ہو جس کا معنی ہے یکسو ہو جانا اور (ہر طرف سے) منہ پھیر لینا، چونکہ اللہ سے وصل کرنے والے (ہر طرف سے کٹ کر) صرف اسی سے واصل ہوتے ہیں اور ماسویٰ اللہ سے روگردانی کرتے ہیں، اس لئے ان کے احوال کو تصوف کہا جاتا ہے۔

قول خامس ''الصفہ''

بعض علماء نے تصوف کا اشتقاق صفہ سے بھی کیا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ ابو بکر بن اسحاق بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قال قوم انما سموا صوفیة لقرب اوصافھم من اوصاف اھل الصفة الذین کانوا فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

ایک گروہ کا کہنا ہے صوفیہ کی وجہ تسمیہ ان کا باعتبار اوصاف اصحاب صفہ سے قریب تر ہونا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عہد مبارک میں موجود تھے۔[2]

---

1 (الشیخ ارسلان الدمشقی، ص ۴۰)

2 (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم، ج ۱، ص ۶)

اسی قول کی تائید میں شیخ احمد الحسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انہ من الصفۃ اذ جملہ اتصاف بالمحامد و ترک الاوصاف المذمومۃ۔

یہ صفہ سے ماخوذ ہے کیونکہ تصوف تمام ترخوبیوں سے متصف ہونے اور اوصاف مذمومہ کے ترک کر دینے پر مبنی ہے۔[1]

قول سادس "الصف"

بعض علماء تصوف کو "الصف" سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انہ مشتق من الصف فکانھا فی الصف الاول بقلوبھم من حیث المحاضرۃ من اللہ تعالیٰ۔

تصوف صف سے مشتق ہے گویا کہ صوفیاء کے قلوب باری تعالیٰ کی حضوری کے اعتبار سے صف اول میں ہوتے ہیں۔[2]

تصوف کے لغوی پہلوؤں میں مشترک نکتہ

لغوی اعتبار سے تصوف کے جتنی معانی و مطالب اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سب میں ایک بار مشترک ہے اور وہ یہ کہ تصوف اللہ رب العزت سے ایسی بے لوث اور بے غرض دوستی اور محبت کا نام ہے جو نہ صرف دنیوی لالچ بلکہ اخروی طمع سے بھی یکسر پاک ہو اور اس راہ کے سالک کا قلب تعلق باللہ میں ہمہ نوع دنیوی و اخروی منفعتوں، مصلحتوں اور ہر قسم کے اندیشہ و خطرے سے کلیتًا بے گانہ ہو جائے جس کے نتیجے میں اخلاص فی النیۃ والعمل (نیت و عمل کے اخلاص) کا جذبہ ظاہر و باطن میں اس قدر راسخ ہو جائے کہ انسان کی بندگی خالصتًا لوجہ اللہ ہو جائے نہ دنیا و آخرت میں انعام و جزاء کی آرزو بندے کی عبادت کا محرک رہے اور نہ سزا و عتاب کا خوف، بقول شخصے:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

الغرض تعلق باللہ کی لذت و حلاوت اور محبت الٰہی کی چاشنی و شیرینی کو اس طرح حرز جان بنالیا جائے کہ بارگاہِ صمدیت میں حاضری کے وقت اس کے غیر کا موہوم سا خیال بھی بندے کو دل کے کسی گوشے میں راہ نہ پا سکے اور پھر اسی طرح اسے ہمہ وقتی بندگی نصیب ہو جائے۔ بس یہی حقیقتِ تصوف ہے۔

---

[1] (شرح التصرف لمذاھب التصوف، ص ۲۱)
[2] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۱۲۶)

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قول الصفاء جس کے معنیٰ صفائی اور پاکیزگی کے ہیں، قول ثانی الصفو جس کے معنیٰ محبت اور دوستی کے ہیں، قول ثالث اون کے ہیں، قول رابع الصوف جس کے معنیٰ یکسوئی کے ہیں، قول خامس الصفہ کس کے معنیٰ اصحاب صفہ سے نسبت رکھنے والے ہیں اور قول سادس الصف جس کے معنیٰ صف اول میں ہونا ہے، گویا کہ تصوف ان لوگوں کے مجموعے اور گروہ کو کہتے ہیں جن کے دل صاف وپاکیزہ ہوتے ہیں، جو مخلوق خدا سے محبت اور دوستی کرنا جانتے ہیں اسی بناء پر جو بھی ان سے ملے یا ان کو دیکھے ان سے مانوس ہو ہی جاتا ہے، اور ان کا لباس اون یعنی بالکل سادہ ہوتا ہے ان میں دیکھاوا بالکل بھی نہیں ہوتا اور یہی وہ لوگ ہیں جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھتے ہیں اور ان تمام خصوسیات کی بناء پر اور اللہ عزوجل کے حضور صف اول میں ہوا کرتے ہیں۔

الفصل الثالث: حقیقتِ تصوف: مختلف مادہ ہائے اشتقاق کے حوالے سے

ا۔ الصفاء

اگر تصوف کو "صفا" سے مشتق مانا جائے تو اس سے وہ طریق زندگی مراد ہے، جس کو اپنا کر قلب انسانی معصیت کی سیاہی اور اثم وعدوان کی آلودگیوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ آئینۂ دل صاف وشفاف ہو کر فسق وفجور کے زنگ دور ہو جاتے ہیں۔ باطن سے غفلتوں اور نافرمانیوں کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور نتیجتًا قلب صیقل ہو کر مہبط انوار الٰہی بن جاتا ہے۔

دل کی سیاہی اور آلودگی کا ذکر قرآن حکیم یوں کرتا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففين ۱۴)

ترجمہ: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و الرين الغلبة يقال ران الخمر على قلبه إذا غلب عليه سكره و المعنى غلب على قلوبهم ظلمت ما كانوا يكسبون من المعاصي حتى عمى قلوبهم عن التميز بين الحق و الباطل۔

"رین" کا معنی ہے غلبہ (جیسے) کہا جاتا ہے شراب اس کے دل پر غالب ہو گئی۔ جب شراب غالب آجائے اور نشہ میں غرق کر دے تو معنی یہ ہوا کہ ان کے افعال بد کی وجہ سے ان کے دلوں پر تاریکیاں چھا گئیں حتّٰی کہ ان کے دل حق و باطل کے مابین تمیز سے عاری ہو گئے۔[1]

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

المؤمن اذا اذنب كانت نكتة سوداء في قلبه فان تاب و خزع و استغفر صقل قلبه منها و ان زادت حتى تعلو قلبه فذلک الران الذي ذكر الله في كتابه كلا بل ران على قلوبهم ما كانو يكسبون۔

جب کوئی مؤمن گناہ کا مرتکب ہو تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ مرتسم ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لے گریہ وزاری کرے اور معافی مانگے تو اس کا دل اس سیاہی سے صیقل ہو جاتا ہے اور اگر وہ معصیت میں زیادتی کرے تو اس پر اس سیاہی کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا کہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصل وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔[2]

---

[1] (التفسیر المظھری، ج ا، ص ۴۱۷۴، ناشر: مکتبۃ رشدیہ)

[2] (رواہ البغوی و کذا الخرج احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و ابن حبان و الحاکم التفسیر المظھری، ج ۱۰، ص ۲۲۲)

ارشاد گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ مسلسل گناہ اور معصیت سے انسان کے دل پر ایک سیاہ نقطہ مرتسم ہو جاتا ہے اگر وہ معصیت سے باز نہ آئے اور برابر گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے تو اس کے لوح قلب پر سیاہی پھیلتے پھیلتے مکمل طور پر محیط ہو جاتی ہے، جس کے باعث اس کا دل ظلمت کدہ بن جاتا ہے۔ اس مرحلے پر فسق و فجور میں مبتلا رہنے والا شخص اپنی خطاؤں اور سیاہ کاریوں پر احساس ندامت سے بھی عاری ہو جاتا ہے اور اس کے قلب و ضمیر پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص نیکی و بھلائی کا کام کرتا ہے اس کے دل پر نور کا ایک نقطہ نقش ہو جاتا ہے اور مسلسل نیکیاں کرنے کے باعث وہ نور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل مصدر انوار بن جاتا ہے جو نہ صرف اس کی اپنی اقلیم بدن کو منور کر دیتا ہے بلکہ جو کوئی بھی صفائے قلب کے ساتھ اس کی معیت میں آ جاتا ہے منور ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو خود شعور کی دولت سے بہرہ ور ہیں جنہیں دل کی ظلمت اور باطن کی سیاہی سے آگاہی میسر ہے اور وہ ہر لمحہ توبہ کے نور سے لوح دل کی تاریکیاں اجالوں میں بدلتی رہتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل ہوئے بغیر ممکن نہیں۔

پس صوفی وہ شخص ہے جس نے اپنے قلب و باطن کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک اور نفس کو رذائل اخلاق کی تاریکیوں سے منزہ کر لیا ہو اور اس کے آئینۂ دل پر معصیت کی پرچھائیاں بھی باقی نہ رہی ہوں تزکیہ و تصفیہ باطن کی راہ کو تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب صفا کا یہ معیار نصیب ہو جائے تو انسان کا قلب و باطن ان کیفیات سے لذت آشنا ہو جاتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ان الصفا صفة الصديق ان اردت صوفيا على التحقيق۔

یاد رکھ کہ صفا درحقیقت صدیق کی صفت ہے اگر تو از روئے حقیقت صوفی بننا چاہتا ہے۔

تو اس مفہوم کو پیش نظر رکھ اور صاحبانِ صدق کی اتباع کر یہی وہ جادۂ عشق ہے جس پر چل کر محبوب حقیقی سے سچی محبت اور دوستی کا لازوال رشتہ استوار ہوتا ہے جس کے بعد محبوب کی رضاجوئی اور خوشنودی کے سوا کسی غیر کی طلب مادی منفعت یا ہوائے نفس کے خیال تک سے دل آلودہ نہیں ہوتا اور نتیجتاً بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔

۲۔ الصفو

اس مادے کے اعتبار سے تصوف سے مراد تعلق باللہ میں کمال درجۂ اخلاص اور غایت درجہ صدق و بے نفسی ہے اور صوفی سے مراد وہ شخص ہے جس نے دنیا و آخرت کے اجر و جزا سے بے نیاز ہو کر محبوب حقیقی سے بے لوث محبت اور دوستی کا رشتہ استوار کر لیا ہو اور جس کی تمام تر مساعی اور مجاہدہ و مشقت کا محرک صرف اور صرف جذبہ رضائے الٰہی ہو اور اسے اخلاص تامہ کا وہ مقام نصیب ہو چکا ہو کہ کسی بھی دنیوی و اخروی نعمت کی حیثیت اس کی نگاہ میں پر کاہ سے بھی زیادہ نہ رہے۔

۳۔ الصفوف

اگر تصوف کو صوف سے مانا جائے تو لغوی اعتبار سے تصوف کا معنی اونی لباس پہننا اور صوفی سے مراد اونی لباس پہننے والا ہو گا۔ اونی کھردرا لباس پہننا دنیوی لذتوں اور جسمانی راحتوں سے کنارہ کشی کی علامت ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں غایت درجہ تواضع، انکساری، خشوع وخضوع، عجز ونیاز مندی اور تذلیل کی دلیل ہے۔ اونی لباس پہننا سنت انبیاء ہے، جو خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

جیسا کہ مذکور ہے:

عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یجیب دعوۃ العبد ویرکب الحمار ویلبس الصوف۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم غلام کی دعوت قبول فرمالیتے، گدھے پر سواری فرمالیتے اور صوف زیب تن فرمایا کرتے تھے۔[1]

اکثر انبیاء علیہم السلام صوف کا لباس پہنتے تھے۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

لباسی الصوف وشعاری الخوف۔

میرا لباس صوف اور شعار خوف ہے۔[2]

انبیاء علیہم السلام کے صوف پہننے کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مروی ہے کہ:

مر بالصخرۃ من الروحاء سبعون نبیا حفاۃ علیہم العباء یؤمنون البیت الحرام۔

"روحاء" چٹان کے پاس سے ستر انبیاء گزرے جن کے اوپر (اونی) چادریں تھیں، پاؤں ننگے تھے اور بیت الحرام کی طرف جا رہے تھے۔[3]

عوارف المعارف میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ قول مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تو لباس صوف میں مبعوث ہوتے تھے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ یوم کلم اللہ تعالیٰ موسی علیہ السلام کان علیہ جبۃ صوف وکمۃ من صوف

---

1 (عوارف المعارف، ص ۲۰۰)

2 (نشاۃ التصوف الاسلامی)

3 (عوارف المعارف (مترجم)، باب ۶، ص ۲۰۰)

نعلاہ من جلد حمار غیر مزکی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جس دن موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے کلام کیا آپ کے بدن پر صوف کا جبہ، صوف کا تہ بند، صوف کی چادر اور صوف کی ہی آستین تھی، آپ کے نعلین مبارک گدھے کی بے رنگی کھال کے تھے۔[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لقد ادرکت سبعین بدویا کان لباسھم الصوف۔

میں نے ستر بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا کہ ان کا لباس صوف کا تھا(یعنی صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے)۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ بدری صحابہ فقر وفاقہ کے ہاتھوں اس قدر کمزور تھے کہ:

کانوا یخرون من الجوع حتی یحسبھم الأعراب مجانین و کان لباسھم الصوف حتی ان بعضھم کان یعرق في ثوبه فیوجد منه رائحة الضسان اذا اصابه الغیث۔

وہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑتے تھے حتٰی کہ اہل عرب انہیں پگلے سمجھنے لگے، ان کا لباس صوف کا تھا حتیٰ کہ بعض اپنے لباس میں پسینے سے شرابور ہو جاتے اور جب بارش پڑتی تو ان میں بھیڑ کی اون کی بو پائی جاتی تھی۔[3]

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ:

یؤکل الخبز والزیتون ویلبس الصوف۔

زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا لیتے اور صوف کا لباس پہنتے۔[4]

چنانچہ یہی وہ لباس تھا جسے تابعین اور تبع تابعین کے دور میں نیک نہاد بندگان حق نے سنت انبیاء وصحابہ کی پیروی میں ازرہ عجز وتواضع اور انکسار وتذلل اپنایا اور اسی لباس کی نسبت سے انہیں صوفیاء کہا جانے لگا اور اس طریقۂ زندگی کو جو محبوب حقیقی کے ساتھ سچی لو لگا کر اس کی محبت میں فنا ہو جانے سے تشکیل پایا تصوف کا نام دیا جانے لگا۔ گویا لذاتِ جسمانی سے کنارہ کشی اور علائق دنیوی سے دستبرداری کے ساتھ ساتھ محبوب حقیقی کی بارگاہ میں ظاہراً وباطناً عجز وانکساری اور تواضع وتذلل سے عبارت طرز زندگی کو تصوف کا نام دیا گیا۔

---

[1] (عوارف المعارف، ص ۲۰۲)

[2] (نشأۃ التصوف، ص ۱۱، عوارف المعارف، ص ۲۰۰)

[3] (عوارف المعارف، ص ۲۰۰)

[4] (نشأۃ التصوف)

۴۔ الصوف

تصوف کو چوتھے مادہ اشتقاق "الصوف" سے مشتق مانا جائے تو لوحِ ذہن پر محبوبِ حقیقی سے محبت میں کامل یکسوئی اور انہماک واستغراق کا تصور ابھرتا ہے اس مادہ اشتقاق کے اعتبار سے صوفیاء وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو حضور حق سے یکسوئی کی دولت عطا کر دی گئی ہو اور جو ہمہ وقت اپنے رب سے عشق و شیفتگی کی کیفیت جذب میں مخمور رہے ہوں جن کے لوح قلب سے ہر غیر کا نقش مٹ چکا ہو اور جن کے نہاں خانہ دل میں سوائے محبوب حقیقی کے کسی غیر کے تصور تک کا گزر محال ہو۔

غور کیا جائے تو تصوف حقیقتِ انسانی کی تکمیل اور امتیازِ انسانیت کا مقام رفیع ہے۔

۵۔ صفہ

تصوف کو اگر صفہ سے مشتق مانا جائے تو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر علماء ومؤرخین کے مطابق اس کا رشتہ اصحاب صفہ سے جاملتا ہے جو مربی کائنات رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے براہِ راست تربیت یافتہ جماعت تھی جن کی تعداد چار سو تک بیان کی جاتی ہے۔ یہ لوگ گھر بار اور بیوی بچوں کے جھنجھٹ سے آزاد تھے اور شب وروز بارگاہِ مصطفوی سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے لئے مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قریب ایک چبوترے پر قیام پزیر رہتے تھے۔ چونکہ چبوترے کو عربی زبان میں صفہ کہا جاتا ہے اس لئے اس چبوترے پر قیام کرنے والے اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اصحابِ صفہ گو اہل وعیال اور حصول معاش جیسی ذمہ داریوں سے آزاد تھے لیکن وہ تارک الدنیا ہرگز نہ تھے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حکم سے وہ مختلف النوع ذمہ داریاں ادا کرتے اور محنت ومشقت کے متعدد کام کرتے۔ غزوات میں جہاد کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دیگر صحابہ کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہوتے، فراغت کے اوقات مسجد نبوی میں گزارتے اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ظاہری تربیت، روحانی فیض اور باطنی توجہات سے متمتع ہو کر تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن اور روحانی بالیدگی کا سامان حاصل کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نگاہِ کرامت اثر اور باطنی توجہات کے فیضان نے انہیں باطنی کمالات کی رفیع الشان منازل پر فائز کر دیا تھا۔ ان اصحاب صفہ کے فقر وفاقہ اور مجاہدہ نفس کا یہ عالم تھا کہ مسلسل روزے رکھتے اور کئی کئی دن صرف کھجوریں کھا کر گزارا کرتے، بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو جاتے لیکن صبر وشکیبائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیاتِ مقدسہ پر اختیاری فقر کا جو رنگ غالب تھا۔ اصحاب صفہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لقد رأیت سبعین من اھل الصفة یصلون في ثوب واحد، منھم من لا یبلغ رکبتیه، فاذا رکع احدھم قبض یدیه ان تبدو عورته وقال بعض اھل الصفة جئنا جماعة الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وقلنا یارسول اللہ احرق بطوننا التمر فسمع بذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فصعد المنبر ثم قال ما بال اقوام یقولون احرق بطوننا التمر اما علمتم ان ھذا التمر ھو طعام اھل المدینة وقد واسونا به وواسینا کم مما واسونا به والذی نفس محمد بیدہ ان شنة شھرین لم یرتفع من بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دخان للخبز، ولیس لھم الا الاسودان الماء والتمر۔

میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ وہ ایک ہی قسم کے لباس میں نماز پڑھتے کسی کا لباس ان کے گھٹنوں تک نہ پہنچتا اور جب وہ رکوع کرتے تو اپنے لباس کو مضبوطی سے پکڑ لیتے مبادا کہ ان کی شرمگاہ ننگی ہو جائے اور بعض اہل صفہ کا قول ہے کہ ہم گروہ کی صورت میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کھجور نے ہمارے پیٹوں میں سوزش پیدا کر دی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ کھجور نے ہمارے پیٹ جلا دیئے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہی کھجور ہے جو کہ کھانا ہے اہل مدینہ کا اور اسی کے ساتھ انہوں نے ہماری غم خواری کی اور اسی کے ساتھ ہم نے تمہاری غمخواری کی اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جان ہے کہ دو ماہ تک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گھر سے دھواں نہیں اٹھا اور ان کے لئے سوائے دو سیاہ چیزوں پانی اور کھجور کے کچھ نہیں۔ (یہ بات تعلیم کے لئے کہی)[1]

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بربنائے مصلحت یہ بات ظاہر فرمادی تاکہ ہر کوئی جان لے، اگر تربیت پانے والے مشقت کے جاں گسل مرحلوں سے گزر رہے ہیں تو تربیت دینے والا بھی ان سے بدرجہا زیادہ سخت کیفیتوں سے گزرتا ہے۔ اصحابِ صفہ کو فاقہ کے باعث جو قابل رشک مقام بارگاہِ الٰہیہ میں حاصل ہوا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت دلالت کرتی ہے:

وقف رسول اللہ یوماً علی أھل الصفة فرأی فقرھم وجھدھم وطیب قلوبھم فقال: "أَبْشِرُوا یَا أَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِيَ مِنْکُمْ عَلَی النَّعْتِ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَیْهِ الیَوْمَ رَاضِیاً بِمَا ھُوَ فِیهِ فَإِنَّهُ مِنْ رُفَقَائِي یَوْمَ القِیَامَةِ۔

---

[1] (عوارف المعارف (مترجم)، ص ۲۰۲، ۲۰۴)

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اہل صفہ کے درمیان کھڑے ہوئے اور ان کے فقر، جان کنی اور سرور قلب کو دیکھا۔ فرمایا اے اصحاب صفہ !خوش ہو جاؤ کہ جو تم میں سے موجود صفات پر قائم رہا اور اسی حال پر راضی رہا وہ یوم وفات میرے رفقاء میں سے ہو گا۔[1]

قرآن حکیم میں ان نفوس قدسیہ کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (البقرة ۲۷۳)

ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے۔

یہ وہ اصحاب صفہ تھے جن کے قلب وباطن **ویز کیھم** کے کاملاً مصداق بن کر مشاغل حیات اور علائق دنیوی سے کٹ کر کمال درجہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی محبت میں مستغرق ہو گئے تھے چنانچہ وہ بندگانِ خدا جنہوں نے ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر محبوبِ حقیقی کی رضاہی کو اپنا مقصود و مطلوب ٹھہرا کر اسی کے مکھڑے کے طلب گار بن گئے صوفیاء کہلائے اور ان کا طریق زندگی تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔

۶۔ الصف

تصوف کو اگر الصف سے مشتق قرار دیا جائے تو تصوف کی راہ کے سالک وہ صوفیاء اور سعادت نصیب نفوس مراد ہوں گے جن کے دل بارگاہ ایزدی میں صفِ اول میں حاضر ہیں، یہی وہ پاک نہاد اور روشن ضمیر لوگ ہیں جن کے دل دنیا ومافیہا کی محبت سے بے نیاز ہیں اور ان کا رشتہ علائقِ دنیوی سے اس حد تک منقطع ہو چکا ہے کہ وہ مدام اپنے رب کے حضور دیدار محبوب کے طالب رہتے ہیں اس اعتبار سے خشوع وخضوع کے ساتھ کیفیات عشق ومحبت کا لطف اٹھاتے ہوئے دیدارِ محبوب کے طالب رہتے ہیں اس اعتبار سے بندے کا ہوا وہوس اور علائق دنیوی کی صفیں چیرتے ہوئے حضور صمدیت میں پہلی صف میں حاضر ہو جانے کا نام تصوف ہے۔[2]

خلاصہ

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصحاب تصوف وہ لوگ ہیں جو اپنے دل کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہوتے ہیں جس کی بناء پر وہ لوگ تعلق باللہ میں کمال درجہ اخلاص وصدق حاصل ہے اور یہ لوگ دنیا وآخرت کے جزا وسزا سے بے نیاز ہو کر فقط محبوب حقیقی سے محبت اور دوستی کا رشتہ جوڑ لیتے ہیں، اور ان لوگوں کا اونی لباس پہننا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ دنیاوی لذتوں اور

---

[1] (کتاب عوارف المعارف، ج ۱، ص ۵۳، المکتبة الفاروقیة)

[2] (حقیقتِ تصوف، جلد اول، ص ۷۸ تا ۹۴)

جسمانی راحتوں سے کنارہ کش ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہر وقت جذب و مستی کی کیفیت میں گم رہتے ہیں ان کے قلوب میں ماسوائے اللہ کوئی خیال نہیں گزرتا، اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہر قسم کی دنیاوی واخری پریشانی و جنجھٹ سے آزاد ہیں اور انکی تربیت خود محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

الفصل الرابع: دربیان تعریف صوفی

صوفی کی تعریف:

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

اَلصُّوْفِ الَّذِیْ لَایَمْلِکُ وَلَا یُمْلِکُ۔

صوفی وہ ہے جس کے قبضے میں کچھ نہ ہو اور نہ خود کسی کے قبضہ میں ہو۔

یہ عبارت عینِ فنا کی ہے کہ فانی الصفت نہ مالک ہوتا ہے نہ مملوک، کیونکہ صحت ملک موجودات پر درست آتی ہے۔ اس قول شریف کا مطلب یہ ہے کہ صوفی دنیاوی ساز وسامان اور اخروی زیب وزینت میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ خود بھی تو کسی کی ملکیت میں ہے، وہ اپنے نفس کے حکم کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ غیر کی خواہش وارادہ کے غلبہ سے وہ خود کو گھلا چکا ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ غیر کو بھی بندگی کی طمع سے فنا کر چکا ہوتا ہے۔ یہ قول مبارک دقیق ولطیف ہے، اس منزل کو گروہِ صوفیاء "فنائے کُل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوْفِیُ لَایَسْبِقُ هِمَّتُهٗ خَطْوَتُهٗ اَلْبَتَّةَ۔

یعنی صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ برابر ہو مطلب یہ کہ دل مکمل طور پر حاضر رہے۔

یعنی دل وہاں ہو جہاں قدم ہو اور قدم وہاں ہو جہاں دل ہو ایک قول یہ ہے کہ قدم وہاں ہو جہاں قول ہو یہ حضوری کی علامت بغیر غیوبت کے ہے اس کے برخلاف کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خودی سے غائب ہو کر حق ساتھ ظاہر ہو حالانکہ یہ کہنا چاہیئے تھا کہ حق کے ساتھ ظاہر ہو کر خودی سے حاضر ہو یہ جمع الجمع کے قبیل کی عبارت ہے کیونکہ جس وقت خود بخود رویت ہو گی تو خودی سے غیبت نہ رہے گی جب رویت اٹھ جائے گی تو حضوری بے غیبت کے ہو گی۔[1]

حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوْفِیُ لَایَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰهِ غَیْرُ اللّٰهِ۔

صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بجز ذاتِ الٰہی کے کچھ نہ دیکھے۔

---

[1] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۸ تا ۱۷۹، پروگریسو بکس)

کیونکہ بندے کی پوری ہستی غیر ہے اور جب وہ غیر کو نہ دیکھے گا تو خود کو بھی نہ دیکھے گا اور اپنی نفی اور اثبات کے وقت وہ خود سے مکمل طور پر فارغ ہو گا۔[1]

حضرت الشیخ سید احمد کبیر الرفاعی قدس سرہ نے فرمایا:

صوفی وہ ہے جو سرور کائنات ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے سوا کسی اور راستے پر نہ چلے اور نہ ہی کسی اور راستے کو دستور عمل بنائے۔ ایسے لوگوں کی صحبت نہ کر جو ہمیشہ اولیاء اللہ کے کلام کی تاویل اور ان کی نسبت طرح طرح کی حکایتیں گھڑ کر ان پر فخر کرتے ہیں، ان میں سے بہت سے قصے جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی مخلوق پر عذاب ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ کر نیکی کے خواہش مند ہوتے ہیں تو اللہ نے انہیں نادانوں سے وابستہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ سرور کائنات ﷺ کی حدیثوں میں ایسی باتیں داخل کر دیتے ہیں جو سراسر بہتان اور اختراع ہوتی ہے۔[2]

سیدی امام عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فأن حقیقة الصوفی هو عالم عمل بعلمه ای علی وجه الاخلاص لا غیر، فلیس علم التصوف الا معرفة طریق الوصول الی العمل بالاخلاص لاغیر۔ فلو عمل العالم بعلمه علی وجه الاخلاص کان هو الصوفی حقا۔

صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے یعنی اخلاص کے طریقے پر نہ کسی اور طریقے پر۔ پس علم تصوف اخلاص کے ساتھ عمل تک پہنچنے کے راستے کی معرفت کا نام ہے اس کے علاوہ نہیں۔ لہذا اگر کوئی عالم اخلاص کے ساتھ اپنے علم پر عمل کرے تو سچا صوفی وہی ہے۔[3]

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام غزالی قدس سرہ العزیز **المنقذ من الضلال** میں فرماتے ہیں: میں نے دس سال مجاہدہ کے لئے خلوت گزینی اختیار کی، اسی خلوت کے دوران مجھ پر چند ایسے امور کا انکشاف ہوا جس کا احاطہ و اندازہ ممکن نہیں لیکن امور نافعہ جس کا تذکرہ یہاں ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

انی علمت یقینا ان الصوفیة هم السابقون لطریق اللہ تعالی خاصة و ان سیرتهم احسن السیر وطریقهم اصوب الطریق اخلاقهم ازکی الاخلاق بل لو جمع عقل العقلاء وحکمة الحکماء وعلم الواقفین علی اسرار الشرع من

---

[1] (شرح کشف المحجوب، ص ۱۷۹، ۱۸۰، پروگریسو بکس)

[2] انوار رفاعی، ص ۶۱

[3] (الانوار القدسیة فی معرفة قواعد الصوفیة ص ۲۰، دار الکتب العلمیة)

العلماء ليغيروا شيئا من سيرهم واخلاقهم ويبدلوه بما هو خير منه لم يجدوا اليه سبيلا فان جميع حركاتهم وسكناتهم في ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة وليس وراء نور النبوة على وجه الارض نور يستضاء به۔

کہ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ صوفیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ہی معرفت الٰہی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ان کی سیرت سب سیرتوں سے بہتر ہے، ان کا طریقہ سب طریقوں سے بہتر و درست ہے، حکماء کی حکمت، علماء کا علم اور اس علم کے اسرار کو اگر جمع بھی کر لیا جائے تب بھی ان صوفیاء کی سیرت و اخلاق سے بہتر نہیں ہو سکتے اس لئے کہ صوفیاء کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات براہ راست سینہ نبوت کے نور سے فیض یاب ہوتے ہیں اور اس کائنات میں نور نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جائے۔[1]

[1] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۶۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

الفصل الخامس: آیات قرآنی وتفسیر در بیان فرضیت علم تصوف

آیت نمبر (۱)

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ (الأنعام ۱۲۰)

ترجمہ: اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں عنقریب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

(وَذَرُوا) ای اترکوا ایها المؤمنون (ظاهِرَ الْإِثْمِ وَباطِنَهُ) من اضافة الصفة الى الموصوف ای الإثم الظاهر و الإثم الباطن و المراد بالإثم ما يوجب الإثم وهو المعاصي كلها لانها لا تخلو من هذين الوجهين فيدخل فيه ما يعلن و ما يسر سواء كان من اعمال القلوب او الجوارح فاعمال الجوارح ظاهرة كالاقوال و الافعال و اعمال القلوب باطنة كالعقائد الفاسدة و العزائم الباطلة۔

و الاشارة ان الله تعالى كما خلق للانسان ظاهرا هو بدن جسماني و باطنا هو قلب روحاني فكذلك جعل للاثم ظاهرا هو كل قول و فعل موافق للطبع مخالف للشرع و باطنا هو كل خلق حيواني و سبعي و شيطاني جبلت النفس عليه۔ (وَذَرُوا ظاهِرَ الْإِثْمِ وَباطِنَهُ) اى اتركوا الأعمال الطبيعية باستعمال الأعمال الشرعية و اتركوا الأخلاق الذميمة النفسانية بالتحلق بالأخلاق الملكية الروحانية۔ (إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ) ظاهره وباطنه بالافعال و الأخلاق۔

(وذَرُوا) اور اے ایمان والو چھوڑ دو (ظاهِرَ الْإِثْمِ وَباطِنَه) ظاہری اور باطنی گناہ اس میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لیئے کہ یہ دراصل "الاثم الظاهر و الباطن" تھا یہاں پر اثم سے وہ عمل مراد ہے جو گناہ کا سبب بنے۔ اسی طرح اس سے ہر قسم کے گناہوں کا ترک کرنا مراد ہے۔۔ اور وہ ان دونوں سے خالی نہیں اس لئے کہ گناہ کبھی سراً ہوتے کبھی اعلاناً۔ وہ اعمال قلب سے ہوں یا اعضاء سے۔ اعمال اعضاء کو ظاہراً کہا جاتا ہے جیسے اقوال وافعال اور اعمال قلوب کو باطناً جیسے عقائد فاسدہ وعزائم باطلہ۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالی نے جیسے انسان کا ظاہر بنایا ہے جسے بدن انسانی سے تعبیر کرتے جاتا ہے اور اس کا باطن بھی ہے جسے قلب روحانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض گناہ باطنی بنائے۔ وہ یہ ہیں کہ انسان کے اندر مادہ حیوانی وسبعی وشیطانی رکھا کہ انہی عادات کا نفس خوگر ہے۔

اسی بنا پر فرمایا:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الأنعام ۱۲۰)

یعنی اعمال شرعیہ پر عمل کر کے اعمال طبعیہ کو چھوڑو۔

اسی طرح اخلاق ملکیہ روحانیہ کی عادت پیدا کر کے خصائل مذمومہ نفسانیہ کا ترک کرو۔(إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ)بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔اس سے عام اعمال واخلاق مراد ہیں۔

آیت نمبر(۲)

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الأعراف ۳۳)

ترجمہ:اے نبی! آپ فرمایئے میرے رب نے بے حیائی کے کام حرام کئے ہیں خواہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(ما ظَهَرَ مِنْها وَما بَطَنَ) بدل من الفواحش اى جهرها وسرها كالكفر والنفاق وغيرهما (وَالْإِثْمَ) اى ما يوجب الإثم وهو يعم الصغائر والكبائر (وَالْبَغْيَ) اى الظلم او الكبر۔

وفى التأويلات النجمية الفواحش ما يقطع على العبد طريق الرب ويمنعه عن السلوك ففاحشة العوام ما ظهر منها ارتكاب المناهي وما بطن خطورها بالبال وفاحشة الخواص ما ظهر منها ما لانفسهم نصيب فيه ولو بذرة وما بطن الصبر عن المحبوب ولو بلحظة وفاحشة الأخص ما ظهر منها ترك ادب من الآداب او التعلق بسبب من الأسباب وما بطن منها الركون الى شيء من الدارين والالتفات الى غير الله من العالمين والإثم هو الاعراض عن الله ولو طرفة عين والبغي هو حب غير الله فانه وضع في غير موضعه۔

ما ظَهَرَ مِنْها وَما بَطَنَ وہ جو ظاہر اور باطن ہیں یہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ فواحش جو کھلم کھلا یا پوشیدہ طور پر ہوتے ہیں جیسے کفر ومنافقت وغیرہ وغیرہ(وَالْإِثْم)اور وہ امور جو گناہ کا سبب بنیں وہ صغائر ہوں یا کبائر(وَالْبَغْيَ)اس سے ظلم اور تکبر مراد ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فواحش وہ امور ہیں جن کے ارتکاب سے بندہ اپنے مولا سے دور ہو جائے اور وہی بندے کو اپنے مولا کی طرف پہنچنے کیلئے مانع ہو۔عوام کیلئے یہی ماظہر ہیں جن سے شرع نے روکا ہے۔لیکن بندہ ان کا ارتکاب کرے اور ما بطن سے وہ وساوس مراد ہیں جو دل پر کھٹکتے ہیں اور خواص کے ماظہر سے وہ امور جو ان کیلئے نفوس میں حظوظ وشہوات رکھے گئے ہیں مراد ہیں اور وما بطن سے محبوب صبر کرنا(اگرچہ ایک لمحہ)مراد ہے اور اخص الخواص کا ما ظهر منها "ترک استحباب یا اسباب دنیا میں کسی ایک سبب سے متعلق ہونا اور ما بطن سے دارین کی کسی شے کا میلان اور عالمین میں ماسوی اللہ کی طرف ملتفت ہونا اور الاثم سے اعراج عن اللہ۔اگرچہ آنکھ جھپکنے کی دیر ہو اور البغی سے غیر اللہ کی محبت اور غیر محل میں رکھنا مراد ہے۔[1]

[1] (تفسیر روح البیان،سورۃ الاعراف،تحت الآیۃ:۳۳،ج،۳،ص،۱۶۲،بحذفٍ،دار الکتب العلمیه،بیروت)

آیت نمبر (۳)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر ۹)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

وقال فی عین العلم المراد المکاشفة فیما ورد (فضل العالم علی العابد کفضلی علی أمتي) إذ غیره وهو علم المعاملة تبع للعمل لثبوته شرطاله وکذا المراد المعاملة القلبية الواجبة فیما ورد (طلب العلم فریضة علی کل مسلم) ای یفترض علیه علم احوال القلب من التوکل والانابة والحشیة والرضی فانه واقع فی جمیع الأحوال وکذلک فی سائر الأخلاق نحو الجود والبخل والجبن والجراءة والتکبر والتواضع والعفة والشره والإسراف والتقتیر وغیرها۔

ترجمہ: عین العلم میں ہے کہ اس سے علم مکاشفہ مراد ہے یعنی علم تام جیسا کہ حدیث شریف میں: "عالم کی جاہل پر وہی فضیلت ہے جو میری امتی پر"۔ ورنہ عام مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کی کیونکہ وہ علم المعاملہ ہے وہ عمل کے تابع ہے اس لیئے کہ اسکا ثبوت اس کیلیئے شرط ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ واجبہ کا حال ہے کہ اس پر قلب کی اصلاح کیلیئے شرط ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ واجبہ کا حال ہے اس پر قلب کی اصلاح کیلیئے احوال قلب مثل انابت وخشیت رضا کا سمجھنا فرض ہے ایسے ہی جملہ اخلاق و محمودہ ومذمومہ جیسے جود، بخل، بزدلی، جرأت، تکبر، تواضع، عفت، حرص، (خواہش نفسانی) اسراف، فضول خرچی، کنجوسی وغیرہ وغیرہ قلب کو اسکے ماسوا اور معاملات کی ضرورت نہیں۔[1]

آیت نمبر (۴)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الأنعام ۱۵۱)

ترجمہ: اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ خواہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے۔

شیخ عبد القادر عیسی قادری شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

والفواحش الباطنة کما قال المفسرون هي: الحقد والرياء والحسد والنفاق۔۔۔

ترجمہ: مفسرین کے مطابق ان آیات میں باطنی بے حیائی سے مراد خود بینی، ریا، حسد اور نفاق وغیرہ ہے۔[2]

---

1 (تفسیر روح البیان، سورۃ الزمر، تحت الآیۃ: ۹، ج، ۸، ص، ۹۳، ۹۲، دار الکتب العلمیه، بیروت)

2 (حقائق عن التصوف، ص، ۱۵)

آیت نمبر (۵)

وَإِنۡ تُبۡدُوا مَافِيٓ أَنۡفُسِكُمۡ أَوۡ تُخۡفُوهُ يُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ اللهُ (البقرة ۲۸۴)

ترجمہ: اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

قلت معناه ان حديث النفس داخل في حكم الآيتين بالمؤاخذة وعدم التكليف فلزم النسخ كما ذكرنا لا ان حكم الآيتين منحصر في حديث النفس بل عموم الآيتين ظاهر والله اعلم۔

(فائدة) بعد ما ثبت ان المؤاخذة على رذائل النفس أشد من المؤاخذة على اعمال الجوارح وان التكليف فوق الطاقة غير واقع أرجو أن المؤمن إذا بذل جهده وصرف همته مهما أمكن على دفع رذائل النفس بالمجاهدة ولم يقتف هواها ولو بالتكلف وتشبث بأذيال الفقراء مريد إزالتها لعل الله تعالى يغفر له رذائلها ولم يؤاخذه عليها لانه قد بذل جهده ووسعه في الانتهاء عما نهى الله عنه وان الله تعالى وعد العفو عما ليس في وسعه- واما من لم يرفع رأسه لملاحظة عيوبها ولم يقصد دفع رذائلها فَسَوۡفَ يَدۡعُوا ثُبُوراً وَيَصۡلى سَعِيراً- وبهذا يظهر فرضية أخذ طريقة الصوفية والتشبث بأذيال الفقراء كفرضية قراءة كتاب الله تعالى وتعلم أحكامه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي- رواه فلابد من أخذ كتاب الله تعالى لاستنباط أحكامه والعمل والتذكر والاتعاظ به وصعود مدارج القرب بتلاوته وأخذ أذيال آل رسوله وعترته لتهذيب النفوس والقلوب على حسب مرضات الله تعالى وهدايته۔

میں کہتا ہوں آیت مذکورہ کے احکام کا تعلق صرف خطرات نفس سے ہی نہیں ہے بلکہ آیتوں میں عموم ہے ہاں خطرات نفس بھی اس عموم میں داخل ہیں۔ لہٰذا خطرات نفس پر مواخذہ کا نسخ حسب تقریر پر مذکور ہو جائے گا۔

فائدہ: جب ثابت ہو چکا کہ رذائل نفس کا مواخذہ اعمال بدنیہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے۔ اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلف نہیں تو اگر بندہ اپنی امکان کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جد وجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لئے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا مواخذہ نہ کرے گا کیونکہ طاقت سے زیادہ بندہ مکلف نہیں اور ممنوعات خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا۔ لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر چلنا (تصوف کو اختیار کرنا) اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا۔ سرکار دو عالم نے فرمایا تھا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں (ایک) کتاب اللہ (دوسری) اپنی آل۔ پس اللہ کی ل کتاب کو

استنباط احکام، دوستی اعمال، نصیحت پذیری اور مدارج قرب کی ترقی کے لئے پکڑنا ضروری ہے۔ اور مرضی خدا ل کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کے لئے آل رسول کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔ [1]

آیت نمبر (۶):

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (النساء۷۷)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (النساء۷۷) و اشتغلوا بما أمرتم به و فيه تنبيه على ان الجهاد مع النفس لاصلاح قلبه و نفسه مقدم على الجهاد مع الكفار فان الاوّل لاصلاح نفسه و هو أهم من الثاني الذي هو الإصلاح لغيره و اخلاء العالم الكبير عن الفساد و لذلک جعل الله تعالى الاول من الفروض على الأعيان و الثاني من الفروض على الكفاية۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (النساء۷۷)

ترجمہ: اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں مشغول رہو۔ اس آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اپنے قلب اور نفس کی حالت کو درست کرنے کے لئے نفس سے جہاد کرے کافروں سے جہاد کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اول جہاد کا مقصد ہے اپنے نفس کی اصلاح اور دوسرے جہاد کی غرض ہے کافروں کی اصلاح اور دنیا کو بگاڑ سے خالی کر دینا (اور ظاہر ہے کہ اپنی ذات کو بگاڑ سے بچانا دوسروں کو خرابی سے بچانے پر مقدم ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کو فرض عین اور جہاد کفار کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ [2]

آیت نمبر (۷):

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة۲۴)

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

---

[1] (تفسیر مظھری، سورۃ البقرۃ، تحت الایۃ: ۲۸۶، ج، ۱، ص، ۴۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت) ج2ص161

[2] (تفسیر مظھری، سورۃ النساء، تحت الآیۃ، ۷۷، ج، ۲، ص، ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ج۳ص ۱۷۱

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ عزوجل کے لیے کسی محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ عزوجل کے لیے کچھ عطا کیا اور اللہ عزوجل کے لیے روکا، تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔[1]

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[2]

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ المَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی مٹھاس پائے گا:

(۱) دنیا کی ہر چیز سے اسے اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ محبوب ہو۔

(۲) کسی سے محبت کرتا ہے تو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے،

(۳) کفر سے اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی ہے اب دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اس طرح اسے ناپسند ہو جیسے آگ میں گرنا اسے ناپسند ہے۔[3]

---

1 (سنن ابو داؤد، رقم: ۴۶۸۱)

2 (صحیح مسلم کتاب الایمان، رقم: ۷۰، ج، ۱، ص، ۴۹)

3 (صحیح بخاری فی کتاب: الایمان، باب: حلاوت الایمان، ج، ۱، ص، ۷، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم فی کتاب: الایمان، باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان، ج، ۱، ص، ۴۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

قلت وجدان حلاوة الايمان عبارة عن الاستلذاذ به كما يستلذذ الرجل بالشهوات الطبيعية وذلک كمال الايمان ولا يكتسب ذلک الا من مصاحبة ارباب القلوب الصافية والنفوس الزاكية رزقنا الله سبحانه وهذه الآية وما ذكرنا من الأحاديث يوجب افتراض اكتساب التصوف من خدمة المشايخ رضي الله عنهم أجمعين۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پانے سے مراد ایمان کی اس طرح لذت محسوس ہو جیسے انسان خواہشات طبعیہ سے لذت محسوس کرتا ہے یہ ایمان کا درجہ کمال اور یہ مقام و مرتبہ صرف اور صرف پاکیزہ نفوس اور ارباب شوق صوفیاء کی معیت و صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کے توسل سے ہمیں بھی لذت ایمان سے شرسار فرمائے۔ یہ آیت کریمہ اور مذکورہ بالا احادیث ثابت کرتی ہیں مشائخ رضی اللہ عنہم کی خدمت کے ذریعے سے تصوف کو حاصل کرنا فرض ہے۔[1]

آیت نمبر (۸):

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبة ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

وينبغي لطالب العلم ان يختار الأستاذ الأعلم والأورع والأسن بعد التأمل التام كما اختار ابو حنيفة رضي الله عنه حماد قال دخلت البصرة فظننت ان لا اسأل عن شيء الا أجبت عنه فسألوني عن أشياء لم يكن عندي جوابها فحلفت على نفسي ان لا أفارق حمادا فصحبته عشرين سنة وما صليت قط الا ودعوت لشيخي حماد مع والدي ففي أنفاس الاساتذة الصالحين ودعوات الرجال الكاملين تأثيرات عجيبة كما حكي ان أبا ابي حنيفة ثابتا اهدى الفالوذج لعلي بن ابي طالب يوم النيروز ويوم المهرجان فدعا له ولاولاده بالبركة وكان ثابت يقول انا في بركة دعوة صدرت من علي رضي الله عنه حتى كان يفتخر أولاده العلماء بذلک فاذا وجد الطالب الأستاذ العالم العامل فعليه ان يختار من كل علم أحسنه وأنفعه في الآخرة فيبدأ بفرض العين وهو علم ما يجب من اعتقاد وفعل وترک ظاهرا وباطنا ويقال له علم الحال اى العلم المحتاج اليه في الحال قال العز بن عبد السلام العلم الذي هو فرض لازم ثلاثة انواع. الاول علم التوحيد فالذى يتعين عليک منه مقدار ما تعرف به اصول الدين فيجب عليک اولا ان تعرف المعبود ثم تعبده وكيف تعبد من لا تعرفه بأسمائه وصفات ذاته وما يجب له وما يستحيل في نعته فربما تعتقد شيأ في صفاته يخالف الحق فتكون

---

[1] (تفسیر مظھری، سورۃ التوبہ، تحت الآیۃ: ۲۴، ج۳، ص۲۴۶، ۲۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عبادتک هباءمنثورا. والنوع الثاني علم السر وهو مايتعلق بالقلب ومساعيه فيفترض على المؤمن علم احوال القلب من التوكل والانابة والخشية والرضى فانه واقع فی جميع الأحوال واجتناب الحرص والغضب والكبر والحسد والعجب والرياء وغير ذلک وهو المراد بقوله عليه السلام (طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة)۔

ترجمہ: جب طالب علم کو استاد کامل عالم با عمل میسر آجائے تو اس سے وہ علم حاص کرے جو آخرت کیلئے احسن اور نافع تر ہو۔ سب سے پہلے علم پڑھے جو فرض عین ہے یعنی ان اعتقادات میں سے جن کا جاننا فرض ہے اور وہ ظاہری و باطنی مسائل جن کا سیکھنا ضروری اور لازمی ہے اسے علم الحال سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ علم جس کا بہت جلد سیکھنا فرض ہے۔

حضرت عزبن عبد السلام رحمتہ اللہ نے فرمایا: جس علم کو سیکھنا فرض ہے اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) علم توحید (۲) علم اللہ (۳) علم الشریعت

(۱) علم التوحید: وہ علم جو سن شعور کے بعد اصول دین سے یاد کرنا ضروری ہے علم التوحید کہلاتا ہے۔ اس لئیے بندے پر واجب ہے کہ پہلے یہ جانے کے کہ اس کا معبود ایک ہے۔ جب اسے یہ یقین نہیں کہاس کا کوئی معبود بھی ہے تو وہ عبادت کس کی کرے گا۔ بناء بریں پہلے باری تعالی کی ذات صفات اور اسماء کو جانے۔ پھر وہ معلومات حاصل کرے کہ کونسی باتیں اس کی شان کے لائق اور کونسی باتیں اس کے لائق نہیں۔ اگر یہ نہ جانے گا تو بہت سی صفات اللہ تعالیٰ کیلئے بیان کی جاتیں ہیں جو اس کی شان کی شایاں نہیں ہیں۔ اس لئے اسے بجائے ثواب کے عذاب نصیب ہو گا۔

(۲) علم اللہ: یہ وہ علم ہے کہ جو دل اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔ یہ علم بھی سیکھنا فرض ہے اس سے توکل وانابت اور خشیّت ایزدی مراد ہے اس لئیے کہ ان سے اکثر اوقات انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض امور وہ ہیں جن سے اجتناب لازمی ہے جیسے حرص، غضب، کبر، حسد، عجب، ریا، وغیرہ، انہیں امور کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[1]

آیت نمبر (۹):

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبة ۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ التوبۃ، تحت الآیۃ: ۱۲۲، ج۳، ص۵۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۲۲۵ھ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبۃ ۱۲۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و اما العلم اللدنی الذی یسمون اھلھا بالصوفیۃ الکرام فھو فرض عین لان ثمراتھا تصفیۃ القلب عن اشتغال بغیر اللہ تعالی و اتصال بدوام الحضور وتزکیۃ النفس عن رذائل الاخلاق من العجب و الکبر و الحسد وحب الدنیا و الجاہ و الکسل فی الطاعات و ایثار الشھوات و الریاء و السمعۃ وغیر ذلک، وتجلتھا بکرام الاخلاق من التوبۃ و الرضاء بالقضاء و الشکر علی النعماء و الصبر علی البلاء وغیر ذلک ولا شک ان ھذا الامور محرمات وفرائض علی کل بشر اشد تحریما من معاصی الجوارح و اھم افتراضا فالصلاۃ و الصوم وشیء من العبادات لا یعبا بشیء منھا مالم تقترن بالاخلاص و النیۃ۔ قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبل من العمل الا ما کان لہ خالصا و ابتغی بہ وجھہ رواہ النسائي عن ابی امامۃ وقال علیہ السلام ان اللہ لا ینظر الی صورکم و أموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم- رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ وکل مایترتب علیہ من الفروض الأعیان فھو فرض عین و اللہ اعلم۔

ترجمہ: اور علم لدنی جس کے حاملین کو صوفیاء کرام کہا جاتا ہے، اس کا حصول فرض عین ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ دل کو غیر کی محبت سے پاک کرنا ہے، دوام حضور سے متصف ہونا ہے، نیز نفس کو عجب، تکبر، حسد، دنیا کی محبت، طاعت میں سستی، شھوات کو ترجیح، ریاکاریاکاری ور شہرت جیسی بری خصلتوں سے پاک کرنا اور توبہ، رضی باقضاء، نعمتوں پر شکر، اور مصیبتوں پر صبر وغیرہ جیسی صفات کے ساتھ نفس کو روشن اور منور کرنا ہے، یہ امور مذکورہ کچھ حرام ہیں اور کچھ ہر انسان پر فرض ہیں، جو حرام ہیں وہ اعضاء ظاہری کے حرام افعال سے زیادہ حرام ہیں اور جو ان میں سے فرض ہیں وہ ظاہری فرائض سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پس نماز، روزہ اور کوئی دوسری عبادت جب تک اخلاص اور نیک نیتی سے مزین نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

رواہ النسائی (فی الجھاد باب، ۲۴، واحمد فی المسند ج، ۴، ص، ۱۲۶) عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ:

حضور اقدس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے ہو اور اس عمل سے مقصود رضاء خداوندی کا طلب کرنا ہو۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل تمہارے سورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل کو دیکھتا ہے۔

رواہ مسلم (فی البر رقم: ۳۳) عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز پر فرض عین مرتب ہوتا ہے وہ بھی فرض عین ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

[1] (تفسیر مظھری، سورۃ التوبہ، تحت الآیۃ: ۱۲۲، ج، ۳، ص، ۳۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آیت نمبر (۱۰):

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران ۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہر گز نہ مرنا مگر مسلمان۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اخرج عبد الرزاق والفرياني وابن جرير وابن ابی حاتم وابن مردوية فی تفاسيرهم والطبراني فی المعجم والحاكم فی المستدرك وصححه وابو نعيم فی الحلية عن ابن مسعود موقوفا وقال ابو نعيم روى عنه مرفوعا ايضا هو ان يطاع فلا يعصى ويشكر فلا يكفر ويذكر فلا ينسى- وقال البغوي قال ابن مسعود وابن عباس هو ان يطاع فلا يعصى وهذا إجمال ما ذكر- قلت اما قوله يذكر فلا ينسى فمناطه فناء القلب واما قوله يطاع فلا يعصى ويشكر فلا يكفر فمناطه فناء النفس واطمينانه والايمان الحقيقي- فمقتضى هذه الاية وجوب اكتساب كمالات الولاية وكذا يقتضيه سبب نزوله فان تفاخر الأوس والخزرج انما كان من بقايا رذائل النفس فامروا بتهذيبها وتطهيرها عن الرذائل وتحلية القلب والنفس بمكارم الأخلاق وخشية الله ودوام الذكر- وقال مجاهد ان تجاهدوا فی سبيل الله حق جهاده ولا يأخذكم فی الله لومة لائم وتقوموا لله بالقسط ولو على أنفسكم وابائكم وأبنائكم- وعن انس قال لا يتقى الله عبد حق تقاته حتى يحزن لسانه- قلت وقول مجاهد وانس بيان للطريق الموصل الى كمالات الولاية فان الرياضات والمجاهدات بقلة الطعام والمنام مع الذكر على الدوام وحفظ اللسان عن فضول الكلام المستلزم للعزلة وقلة المخالطة مع العوام وترك مبالاة الناس فی رعاية حقوق الملك العلام هی الطريقة الموصلة الى تلك الكمالات- قال البغوي قال اهل التفسير فلما نزلت هذه الاية شق ذلك عليهم فقالوا يا رسول الله ومن يقوى على هذا فانزل الله تعالى فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فنسخت هذه الاية- قال مقاتل ليس فی ال عمران من المنسوخ الا هذه الاية- قلت ليس المراد منه ان حق التقوى صار منسوخا وجوبه كيف ورذائل النفس من الكبر والغضب فی غير محله والحسد والحقد والنفاق وسوء الأخلاق وحب الدنيا وقلة الالتفات الى الله واشتغال القلب بغيره ما زال حراما ولا يتصور نسخ حرمتها حتى تصير مباحة- بل المراد منه ان ازالة رذائل النفس دفعة ليست فی مقدور البشر بل يتوقف ذلك جريا على عادة الله تعالى على مصاحبة ارباب القلوب والنفوس الزاكية والمجاهدات المذكورة فالله سبحانه رخص لعباده فی ذلك وأوجب عليهم بذل الجهد فی تزكية النفس وتصفية القلب ما استطاع فمن اعرض عن ذلك بالكلية والتفت الى الشهوات فعليه اثم الرذائل كلها إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ومن اشتغل فی طلب الطريقة وبذل جهده فی دفع الرذائل ومات قبل تحصيل الكمالات فقد اتى بما وجب عليه وأرجو ان يغفر له ما ليس فی وسعه والله اعلم۔

ترجمہ: عبد الرزاق، فریانی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور طبرانی نے معجم میں اور حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مستدرک میں اور ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حلیہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ

عنہ کی موقوف روایت نقل کی ہے بلکہ ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اس روایت کو مرفوع بھی کہا ہے کہ حق تقویٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اس کو یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے۔ بغوی نے بحوالہ ٔ حضرت ابن مسعود و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم صرف اول ٹکڑا نقل کیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔

میں کہتا ہوں یاد کرنے اور بھول نہ جانے کا مدار فناء قلب پر ہے۔ رہی اطاعت و عدم عصیان اور شکر و عدم کفران تو ان امور کا مدار نفس کے فناء پر ہے حقیقی ایمان اور قلبی اطمینان پر ہی اطاعت کلی اور شکر دوامی کی بناء ہے۔ پس اس آیت کا تقاضا ہے کہ کمالات ولایت کو حاصل کرنا واجب ہے آیت کے سبب نزول کا بھی یہی تقاضاء ہے اوس و خزرج کا باہمی تضاخر باقی ماندہ امراض نفس کا نتیجہ تھا اس لیے تمام امراض باطنہ سے نفس کو پاک صاف کرنے اور مکارمِ اخلاق خشیتہ اللہ اور ذکر دوامی سے قلب و نفس کو آراستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرو احکام خداوندی کی تعمیل سے تم کو کسی ملامت گر کی ملامت نہ روکے اللہ کے لیے انصاف قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جائو خواہ خود تمہارا۔ تمہارے ماں باپ اور اولاد کا اس میں نقصان ہو رہا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بندہ اس وقت تک حق تقویٰ ادا نہیں کرتا جب تک کہ اپنی زبان کی نگہداشت نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ مجاہد اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ راستہ بتایا ہے جو کمالاتِ ولایت کو پہنچاتا ہے کیونکہ کم کھانا کم سونا ہمیشہ ذکر کرنا زبان کو لغو باتوں سے روکنا۔ عوام سے اختلاط کم رکھنا اللہ کے حقوق کے معاملہ میں لوگوں کی پروانہ کرنا کمال ولایت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر کا بیان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بڑی دشواری ہوگئی اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس حکم کی (پوری) تعمیل کرنے کی کس میں طاقت ہے۔

اس قول کے بعد اللہ نے نازل فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن ۱٦)

جہاں تک طاقت ہو تقویٰ اختیار کرو۔

پس اس آیت سے اول آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا مقاتل نے کہا کہ آل عمران میں سوائے اس آیت کے کوئی دوسری آیت منسوخ نہیں۔

میں کہتاہوں اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ حق تقویٰ کا وجوب منسوخ ہو گیا کیونکہ غرور، بے جا غصہ، حسد، کینہ، نفاق، بد خلقی، دنیا کی محبت، اللہ کی طرف توجہ میں کمی دوسروں سے دل کی لگاوٹ اور اسی طرح کی دوسری نفسانی خباثتیں بہر حال ہر وقت حرام ہیں اس کی حرمت کے منسوخ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ان بزرگوں کے قول کا مقصد یہ ہے کہ یک دم تمام امراض نفسانیہ کا دور کر دینا تو کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کا طریقہ یوں جاری ہے کہ امراض سے تزکیہ (رفتہ رفتہ) اہل دل اور مقدس نفوس والوں کی صحبت اور مختلف ریاضتیں کرنے سے ہوتا ہے یک دم نہیں ہو جاتا اسی لیے اللہ عزوجل نے اجازت دیدی اور بقدر امکان نفس کو پاکیزہ بنانے اور دل کو جلا دینے کی کوشش کو واجب قرار دیدیا اب جو شخص بالکل تزکیۂ نفس کی کوشش سے منہ موڑ کر خواہشات کی طرف اپنا رخ پھیر لے گا اس پر تمام رذائل نفس کا گناہ ہو گا۔جو کچھ دلوں کے اندر ہو گا خواہ اس کو ظاہر کر و یا نہ کرو اللہ اس کی حساب فہمی ضرور کرے گا پھر جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جسکو چاہے گا سزا دے گا اور جو شخص ازالۂ امراض کے طریقہ کی جستجو میں لگا رہے گا اور اندرونی بیرونی خباثتوں کو دور کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے گا خواہ وہ درجہ کمال تک نہ پہنچا ہو مگر چونکہ ادائے فرض کر رہا ہے اس لیے امید ہے کہ اللہ اس کمی کو معاف کر دے گا جس کو پورا کرنا اختیار سے باہر ہے۔واللہ اعلم[1]

علم تصوف اور احسان کے بارے میں بعض علماء کرام سنت کی طرف گئے ہیں، بعض وجوب کی طرف گئے ہیں اور بعض فرضیت کی طرف گئے ہیں، اور ان کے درمیان تطبیق انشاء اللہ آخر میں پیش کی جائے گی۔

آیت نمبر (۱۱)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرة ۱۵۱)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

تكرار الفعل يدل على ان هذا التعليم من جنس اخر ولعل المراد به العلم اللدني المأخوذ من بطون القرآن ومن مشكوة صدر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا سبيل إلى دركه الا الانعكاس واما دركه فبعيد عن القياس۔

اس آیت مبارکہ میں فعل کی تکرار اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ تعلیم مختلف قسم کی ہے، اور شاید اس سے مراد علمِ لدنی ہے، جو کہ قرآن عظیم الشان کی گہرائیوں سے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے سینۂ اطہر مبارکہ سے لی گئی ہے۔اور جہاں تک اس کی گہرائی تک پہنچنے کا راستہ ہے، وہ انعکاسی ہے۔اور اس کا ادراک قیاس سے دور ہے۔[2]

---

[1] (تفسیر مظھری، سورۃ آلِ عمران، تحت الآیۃ ۱۰۲، ج ۱۵۱۹،۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ص ۳۱۷ ج ۲)

[2] (تفسیر مظھری، ج ۱، ص ۱۴۹، ناشر: مکتبۃ رشدیہ)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

ثم ان في الآية اشارة الى ان في إرسال الرسل حكمة اى مصلحة وعاقبة حميدة لان عمارة الظاهر و انارة الباطن و نظام العالم بهم لا بغيرهم و لورثتهم من الأولياء الكاملين حظ اوفى فى باب التزكية فلا بد للعبد من دليل و مرشد يهتدى به الى مقصوده و من لم يكن له شيخ فشيخه الشيطان۔ قال الحافظ:

بکوی عشق منـــه بي دليل راه قدم　　　　که من بخويش نمودم صـــد اهتمـام و نشد

و المرشد الكامل يزكى نفس السالك بإذن الله ويطهرها من دنس الالتفات الى ما سوى الله و يتلو عليه الآيات الانفسية و الآفاقية ليكون من الموقنين ويغتنم النعيم الروحاني ويدخل في زمرة الصديقين فقوله تعالى وَيُزَكِّيهِمْ يشير الى السلوك و التسليك فاحفظ هذا۔

آیت میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے میں حکمت ہے وہ ایک ایسی مصلحت ہے جو انجام بخیر کی طرف پہنچاتی ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے صدقے ہی ظاہر و باطن سنورتا ہے اور عالم کا نظام ان ہی کی بدولت صحیح رہتا ہے مگر ان کے ورثاء اولیاء کاملین کو بھی ان کی تعلیم کے صدقے یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ عوام کی صحیح رہنمائی کریں۔ عوام کو مرشد کی بیعت ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

عشق منـــہ بے دلـیـل راہِ قدم　　　　کہ من بخویـش نمودم صـــد اہتمـام نشستند

ترجمہ: عشق میں رہبر کے بغیر قدم نہ رکھنا میں نے اس کے لئے ہزاروں اہتمام کئے تو منزل پر پہنچا۔

مسئلہ: مرشد کامل اس کی رہبری کرتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ پھر وہ ایسی صفائی کرتا ہے کہ مرید کو غیر اللہ کی توجہات سے ہٹا دیتا ہے اور ایسے انفسیہ اور آفاقیہ کے اسرار سے واقف کراتا ہے تاکہ مرید کو اہلِ یقین کا درجہ نصیب ہو اور وہ بھی نعیم روحانی سے حظ وافر حاصل کرکے اولیاء اللہ کے زمرہ میں داخل ہو جائے۔ یزکیھم کا اشارہ ان ہی سلوک کی منازل کی طرف ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ یہ اسباق یاد کرلے، یہ اس کے لئے بہت مفید ہیں۔[1]

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۳۶، الناشر: دار الفکر - بیروت)

آیت نمبر (۱۲):

شیخ المشائخ ابو نصر عبد اللہ بن علی بن سراج طوسی، متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

سئل عن اول فرض افترض اللہ تعالی علی عبادہ ماھو؟ فقال: المعرفۃ۔ لقولہ تعالی (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) [الذاریات: الآیۃ ۵۶] وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: لیعرفون۔

ترجمہ: حضرت سراج السالکین ابو الحسین نوری نے ایک سوال کہ اللّٰہ نے سب سے پہلے بندوں پر کونسا فرض عائد کیا تو فرمایا "معرفت" جیسا کہ قول خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں"

حضرت سیدنا مفسر قرآن ابن عبّاس ص نے (لِيَعْبُدُوْن، کہ میری بندگی کریں) کی تفسیر (يَعْرِفُوْن" تاکہ میری معرفت حاصل کریں) سے فرمائی۔ یعنی عبادت کرنے سے مراد معرفت الٰہی کا حصول ہے۔[1]

خلاصہ

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ جس علم کو حاصل کرنا فرض عین ہے وہ تین قسم پر ہے۔ (۱) علم توحید (۲) علم اللہ (۳) علم الشریعت یہی وہ علوم ہیں جو کہ نفع بخش ہیں انہیں علوم کے ذریعے بندگی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اس کی مثال شمع کی سی ہے کہ جب وہ کسی بندہ میں ڈال دی جائے تو اس کی شعاعوں اور انوار سے اس بندہ کا دل پُر ہو جاتا ہے۔ اور تمام شکوک و شبہات اور وہم خواہ متعلق دین کے ہوں یا دنیا کے زائل ہو جاتے ہیں اور ہر امر میں یقین اور حقیقت کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، اور شہوت و کدورت کی تاریکی اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کی صفت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال پیدا ہوتا ہے، یہی علم سب سے بہتر ہے اور اسی کے حاملین کی تعریف قرآن عظیم الشان میں فرمائی گئی۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ اور جس علم کی یہ شان نہ ہو وہ محض زبانی علم ہے۔ اور نہ ہی ایسا شخص عالم حقانی ہے۔ پس علامت عالم کی خوف خدا ہے اور خوف خدا کی علامت اتباع شریعت ہے اگر اتباع شریعت نہیں ہے تو سمجھ لو کہ خوف خدا بھی نہیں۔ گویا کہ علم التصوف ہی ہے جس کا حصول فرض قرار دیا گیا کہ حاملین علم الشریعت ہی اصل علماء حقانی و صوفیاء میں سے ہیں اور انہی کی صحبت ترغیب دی گئی ہے کہ علماء حقانی خوف خدا کی صفت لئے ہوتے ہیں جبکہ علماء دنیا خدا سے نڈر اور اپنے علم پر مغرور و متکبر نظر آتے ہیں۔

---

[1] (کتاب اللمع فی التصوف، باب فی قول القائل بما عرفت اللہ؟، ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ص ۷۶)

الفصل السادس: احادیث مبارکہ در بیان فرضیت علم تصوف و اقوالِ محدثین

حدیث نمبر (۱)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کی مقدار تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں گا۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اعلم أن الكبر من المهلكات ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَلَا يَزُولُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنّي بل بالمعالجة واستعمال الأدوية القامعة له۔

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ تکبر ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں اور اس کا ازالہ فرض عین اور یہ محض تمنا کرنے سے زائل نہیں ہوتا بلکہ علاج کرنے اور ایسی دوائیاں استعمال کرنے سے زائل ہوتا ہے جو اس کا قلع قمع کر دیتی ہیں۔[2]

امام ابی العباس احمد بن محمد علی بن حجر المکی الہیتمی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا: يَتَعَيَّنُ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ أَرَادَ الْخَلَاصَ مِنْ وَرْطَةِ الْكِبْرِ وَثَمَرَتِهِ الْقَبِيحَةِ إِذْ هُوَ مِنَ الْمُهْلِكَاتِ وَلَا يَخْلُو أَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ، وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَهِيَ لَا تُمْكِنُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنِّي، بَلْ بِالْمُعَالَجَةِ بِاسْتِعْمَالِ أَدْوِيَتِهِ النَّافِعَةِ فِي إِزَالَتِهِ مِنْ أَصْلِهِ۔

ترجمہ: ہر انسان تکبر اور اس کے بُرے نتائج سے چھٹکارا چاہتا ہے کیونکہ یہ مہلکات یعنی ہلاکت میں ڈالنے والی بیماریوں میں سے ہے، حالانکہ اس سے کوئی انسان پاک نہیں، اور اس کا ازالہ فرضِ عین ہے، جو صرف تمنا اور خواہش سے نہ ہو گا بلکہ مفید ادویہ کے استعمال سے اسے جڑ سے ختم کرنا ضروری ہے۔[3]

محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ تویجری لکھتے ہیں:

والكبر من الكبائر المهلكات، ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه، وإزالته فرض عين۔

---

[1] (صحیح مسلم، باب تحریم الکبر، رقم: ۱۴۷، سنن ابو داؤد، رقم: ۴۰۹۱، سنن الترمذی، رقم: ۱۹۹۹، مسند احمد، ج، ۱، ص، ۳۹۹)

[2] (احیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر والعجب، بیان الطریق فی معالجة الکبر واکتساب التوضع له، ج، ۳، ص، ۴۸۸، المکتبة التوفیقیة، القاهرة، مصر)

[3] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبر والعجب والخیلاء، ج، ۱، ص، ۱۲۰، دار الکتب العلمیه، بیروت)

ترجمہ: تکبر ہلاک کرنے والے کبیرہ گناہوں میں سے ہے، مخلوق میں سے کوئی ایک بھی اس سے خالی نہیں ہے، اور اس کا ازالہ فرض عین ہے۔[1]

علاء الدین عابدین، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وقد تظاهرت نصوص الشرع والإجماع على تحريم الحسد، واحتقار المسلمين، وإرادة المكروه بهم، والكبر والعجب والرياء والنفاق، وجملة الخبائث من أعمال القلوب، بل السمع والبصر والفؤاد، كل ذلک كان عنه مسؤولاً، مما يدخل تحت الاختيار۔

ترجمہ: حسد کرنا، اور مسلمانوں کو حقیر جاننا، ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرنا، تکبر، خود پسندی، ریاء نفاق اور دل سے متعلقہ جملہ اعمال قبیحہ کی حرمت پر اجماع ہے، اور اس پر شرعی نصوص ظاہر ہیں، بلکہ سمع وبصر اور دل میں سے ہر ایک سے ان کے اختیاری اعمال کی بازپرس ہوگی۔[2]

شیخ یوسف خطار محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اجمع العلماء على ان امراض والآفات القلبية من الكباءر التى تحتاج الى توبة مستقلة لان امراض الباطن كافية لاحباط اعمال العبد ولو كانت كثيرة۔۔۔ان التصوف هو الذى اختص بمعالجة الامراض القلبية، وتزكية النفوس والتخلص من صفاتها الناقصة الذميمة۔

ترجمہ: علماءِ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ قلبی امراض اور آفات ان کبیرہ گناہوں میں سے ہیں جن کے لیے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ بندے کے اعمال اگرچہ زیادہ ہی ہوں ان کو ضائع کرنے کے لیے امراضِ باطن کافی ہیں۔۔۔اور بے شک تصوف قلبی امراض کے اعلاج کے لیے اور تزکیہ نفس کے لیے اور نفس کی ناقص ذمیم صفات سے خلاصی کے لیے مختص ہے۔

حدیث نمبر (۲)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔[3]

---

[1] (موسوعۃفقه القلوب، آفۃالکبر، ج،۴، ص، ۳۱۱۴)

[2] (الهداية العلائية، ص، ۳۱۵، الموسوعة اليوسفية فى بيان ادلة الصوفية، الجزء الاول، ص، ۲۵، ۲۴)

[3] (سنن ابن ماجه، باب الحسد، رقم: ۴۲۱۰، سنن ابو داؤ، باب فى الحسد، رقم: ۴۹۰۳، مسند البزار، رقم: ۶۲۱۲، شعب الايمان، ۶۱۸۴، معجم ابن عساكر، رقم: ۱۴۲۱، الموسوعة اليوسفية فى بيان ادلة الصوفية، الجزء الاول، ص، ۲۴)

حدیث نمبر (۳)

عن معاویۃ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔

ترجمہ: حضرت سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حسد ایمان کو ایسا بگاڑتا ہے، جس طرح ایلوا (اندرائن، تمہ) شہد کو بگاڑتا ہے۔[1]

حدیث نمبر (۴)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ قال: "لا تحاسدوا و لا تباغضوا، و لا تدابروا، و کونوا عباد اللہ اخوانا"۔

ترجمہ: حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں حسد نہ کرو، نہ بغض کرو، نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔[2]

حدیث نمبر (۵)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَ ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا مگر جو صرف اور صرف اس کی رضا کے لئے ہو۔[3]

حدیث نمبر (۶):

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔[4]

---

1 (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر و النذیر، للسوطی، حرف الحائ، الحدیث: ۳۸۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، کنز العمال، رقم الحدیث: ۷۴۳۷، ج، ۳، ص، ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2 (صحیح البخاری، کتاب الادب، رقم الحدیث: ۲۰۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

3 (سنن النسائی فی کتاب: الجہاد، باب: من غزا یلتمس الاجر و الذکر، ج، ۲، ص، ۵۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، کنز العمال، ج، ۳، ص، ۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

4 (مسلم فی کتاب: البر و الصلۃ و لاداب، باب تحریم ظلم المسلم و خذلہ و احتقارہ و دمہ مالہ و عرضہ، ج، ۲، ص، ۳۱۷، مطبوعہ قدیمی کتب کانہ کراچی، کنز العمال، ج، ۳، ص، ۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مذکورہ بالا احادیث کے تحت حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۲۲۵ھ، لکھتے ہیں:

وکل مایترتب علیہ الفروض الاعیان فھو فرض عین۔

ترجمہ: ہر وہ عمل جس پر فرض عین کی ادائیگی مرتب ہوتی ہے وہ فرض عین ہے۔[1]

حدیث نمبر (۷):

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال :قال : رسول اللہ ﷺ طلب العلم فریضة علی کل مسلم (و فی روایة :ومسلمة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قَالَ الشُّرَّاحُ: الْمُرَادُ بِالْعِلْمِ مَا لَا مَنْدُوحَةَ لِلْعَبْدِ مِنْ تَعَلُّمِهِ كَمَعْرِفَةِ الصَّانِعِ وَالْعِلْمِ بِوَحْدَانِيَّتِهِ وَنُبُوَّةِ رَسُولِهِ وَكَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ تَعَلُّمَهُ فَرْضُ عَيْنٍ، وَأَمَّا بُلُوغُ رُتْبَةِ الِاجْتِهَادِ وَالْفُتْيَا فَفَرْضُ كِفَايَةٍ. قَالَ الْأَبْهَرِيُّ: وَاخْتُلِفَ فِي الْعِلْمِ الَّذِي هُوَ فَرْضٌ وَتَحَزَّبُوا فِيهِ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ فِرْقَةً، فَكَانَ فَرِيقٌ نَزَّلَ الْوُجُوبَ عَلَى الْعِلْمِ الَّذِي بِصَدَدِهِ اھ۔ قَالَ الشَّيْخُ الْعَارِفُ الرَّبَّانِيُّ السَّهَرْوَرْدِيُّ: اخْتُلِفَ فِي هَذَا الْعِلْمِ الَّذِي هُوَ فَرِيضَةٌ. قِيلَ: هُوَ عِلْمُ الْإِخْلَاصِ وَمَعْرِفَةُ آفَاتِ النَّفْسِ وَمَا يُفْسِدُ الْأَعْمَالَ لِأَنَّ الْإِخْلَاصَ مَأْمُورٌ بِهِ، فَصَارَ عِلْمُهُ فَرْضًا آخَرَ، وَقِيلَ: مَعْرِفَةُ الْخَوَاطِرِ وَتَفْصِيلُهَا فَرِيضَةٌ لِأَنَّ الْخَوَاطِرَ هِيَ مَنْشَأُ الْفِعْلِ، وَبِذَلِكَ يُعْلَمُ الْفَرْقُ بَيْنَ لَمَّةِ الشَّيْطَانِ وَلَمَّةِ الْمَلَكِ، وَقِيلَ: هُوَ طَلَبُ عِلْمِ الْحَلَالِ حَيْثُ كَانَ أَكْلُ الْحَلَالِ وَاجِبًا، وَقِيلَ: عِلْمُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَالنِّكَاحِ إِذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا، وَقِيَامُ عِلْمِ الْفَرَائِضِ الْخَمْسِ، وَقِيلَ: هُوَ طَلَبُ عِلْمِ التَّوْحِيدِ بِالنَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ وَالنَّقْلِ، وَقِيلَ: هُوَ طَلَبُ عِلْمِ الْبَاطِنِ وَهُوَ مَا يَزْدَادُ بِهِ الْعَبْدُ يَقِينًا، وَهُوَ الَّذِي يُكْتَسَبُ بِصُحْبَةِ الصَّالِحِينَ وَالزُّهَّادِ الْمُقَرَّبِينَ، فَهُمْ وُرَّاثُ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ اھ۔ فَإِنْ قِيلَ: مَا الْفَرْضُ قَبْلَ الْفَرْضِ؟ فَقُلِ: الْعِلْمُ قَبْلَ الْعَمَلِ، وَإِنْ قِيلَ: مَا الْفَرْضُ فِي الْفَرْضِ؟ فَقُلِ: الْإِخْلَاصُ فِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، وَإِنْ قِيلَ: مَا الْفَرْضُ بَعْدَ الْعَمَلِ؟ فَقُلِ: الْخَوْفُ وَالرَّجَاءُ۔

---

[1] (تفسیر مظہری، سورۃ التوبہ، تحت الآیۃ: ۱۲۲، ج۳، ص ۳۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (رواہ البیھقی فی شعب الایمان، وسنن ابن ماجہ، مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، و مسند امام اعظم، سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار، ص ۸۷، مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ شاہ عالم گیٹ لاہور، اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۹۹، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور، طریقہ محمدیہ، ج ۱، ص ۸۹، مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کانسی روڈ، کوئٹہ)

ترجمہ: شراح نے فرمایا: بندہ کے لیے جس علم کا سیکھنا مراد ہے، جیسے صانع کی معرفت اور اس کی واحدانیت کا علم اور نبوت اور اس کے رسول کا علم اور نماز کا طریقہ، پس ان کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے، اور اجتہاد اور فتویٰ کے مرتبہ کو پہنچنا فرض کفایہ ہے۔۔ ابہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ علم کہ جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء ۲۰ سے زیادہ جماعتوں میں بٹ گئے، ہر فریق نے اسی علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا جس علم میں وہ فریق خود مشغول تھا۔ اھ۔ شیخ عارف ربانی شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس علم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے: کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخلاص کا علم، اور نفس کی آفتوں اور اعمال کو مفسد کرنے والے امور کی معرفت مراد ہے۔ چونکہ اخلاص امور بہ ہے، چنانچہ اس کا علم ایک دوسرا (مستقل) فرض ہے۔ کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، اور اس کی تفصیل فرض ہے۔ چونکہ خواطر ہی فعل کا منشاء ہے۔ اور اسی سے شیطانی وسوسہ اور فرشتہ کے الہام میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد طلب علم حلال ہے، چونکہ حلال کھانا واجب ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد بیع و شراء اور نکاح کا علم ہے، جب کہ یہ کام سرانجام دینے کا ارادہ ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ علم میراث کا پانچواں حصہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے اس سے مراد علم توحید کو نظر و استدلال اور نقل کے ساتھ طلب کرنا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم باطن کا طلب کرنا ہے یعنی وہ علم کہ جس کے ذریعے بندہ کا اللہ کی ذات پر یقین بڑھتا ہے، یہ وہ علم ہے جو صالحین اور زھاد کی صحبت میں حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ اھ۔ گر یہ سوال کیا جائے کہ فرض سے پہلے کونسا فریضہ ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ اپنے عمل سے پہلے علم۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرض میں کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے علم و عمل میں اخلاص۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ عمل کے بعد کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے، خوف ورجاء۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرءُوف مناوی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۳۱ اھ، لکھتے ہیں:

اختلف في العلم الذي هو فريضة قيل هو علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد العمل لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به وخدع النفس وغرورها وشهواتها يخرب مباني الإخلاص فصير علمه فرضا وقيل معرفة الخواطر وتفصيل عللها منشأ الفعل وذلک يفرق بين لمة الملک ولمة الشيطان۔ وقيل علم نحو البيع والشراء وقيل علم التوحيد بالنظر والاستدلال والنقل علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقينا وهو الذي يكتسب لصحبة الأولياء فهم وراث المصطفى صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور جس اخلاص کا

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، ج، ۱، ص، ۴۳۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر و غرور' اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ برباد کرتی ہیں' اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ اور کہا گیا ہے کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشوونما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ خرید و فروخت کا علم ہے اور کہا گیا ہے کہ غور فکر اور استدلال کے ذریعے توحید کا علم ہے اور باطنی علم کو منتقل کرنا اور یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے بندہ کا یقین زیادہ ہوتا ہے اور یہ علم وہ ہے جس کو اولیاء کی صحبت سے حاصل کیا جاتا ہے، پس وہ مصطفیٰ ﷺ کے وارث ہیں۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قيل هو علم الإخلاص بمعرفته آفات النفوس، وما يفسد الأعمال، لأن الإخلاص مأمور به، وقيل: معرفة الخواطر، إذ به يعرف الفرق بين لمة الملك، ولمة الشيطان۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ وہ علم اخلاص' علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، کیونکہ اس سے فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق کی پہچان ہوتی ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ، ۱۰۵۲ھ، لکھتے ہیں:

وصوفیہ گویند کہ مراد علم اخلاص ومعرفت آفات نفوس وخواطر وتفاصیل آنست۔

ترجمہ: اور صوفیاء کرام فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد اخلاص، نفس کی آفات کی معرفت اور خواطر اور رذائل نفس کی تفصیلات کا علم ہے۔[3]

---

1 (فیض القدیر، ج، ۴، ص، ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
2 (شرح مسند ابی حنیفة، ص، ۵۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
3 (اشعة اللمعات، کتاب العلم، ج، ۱،۳،۱۷۳، مکتبہ رشدیہ، کوئٹہ)

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ المشائخ امام شہاب الدین ابی حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ سہروردی بغدادی شافعی قدس سرہ، متوفی ۶۳۲ھ لکھتے ہیں:

واختلف في العلماء في العم الذي هو فريضة۔ قال بعضهم: هو طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد الاعمال، لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به۔ قال الله تعالى: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البينة۵) فالاخلاص مأمور به، وخدع النفس وغرورها ودسائسها وشهواتها الخفية يخرب مباني الإخلاص المأمور به، فصار علم ذلك فرضاً حيث كان الاخلاص فرضاً، وما لا يصل العبد الى الفرض الا به، فصار فرضاً۔ وقال بعضهم: معرفة الخواطر وتفصيلها فريضة، لان الخواطر هي اصل الفعل مبدؤه ومنشؤه، وبذلك يعلم فرق بين لمة الملك ولمة الشيطان، فلا يصح الفعل الا بصحتها، فصار علم ذلك فرضاً حتى يصح الفعل من العبد لله۔ وقال بعضهم: هو طلب الوقت۔ وقال سهل بن عبد الله: هو طلب علم الحال يعني حكم حاله الذي بينه وبين الله تعالى في دنياه وآخرته۔ وقيل: هو طلب علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقيناً، وهذا العلم الذي يكتسب بالصحبة ومجالسة الصالحين من العلماء الموقنين والزهاد المقربين الذين جعلهم الله تعالى من جنوده يسوق الطالبين اليهم ويقويهم بطريقهم ويرشدهم بهم، فهم وارث علم النبي عليه السلام ومنهم من يتعلم علم اليقين۔

علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے جیسا کہ عمل کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البينة۵)

"اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نِرے اسی پر عقیدہ لاتے"۔

اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر و غرور، اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشوونما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے اور فعل کی صحت بغیر اس کی صحت کے نہیں ہو سکتی، پس ایسا علم حاصل کرنا فرض ہو گیا جو بندے کے افعال کو اللہ کے لیے درست کر سکے۔ بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ وہ علم، علم الوقت ہے جس کی صراحت اس قول سے ہو گی کہ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری رحمتہ علیہ اللہ نے فرمایا کہ علم الوقت یہ ہے کہ علم حال کی طلب کی جائے، یعنی اس سے وہ حکم حال مراد ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے اور بندے کے مابین وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کا ارشاد ہے کہ جس علم کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ علم باطن کا طلب کرنا

ہے کہ اس سے بندے کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ علم بھی صالحین کی مجالست اور صحبت میں حاصل کیا جا سکتا ہے، یہ صالحین وہ ہیں جو علمائے موقنین اور زہاد مقربین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر بتایا ہے اور طالبین ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے طریقے پر گامزن ہو کر قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان سے رشد و ہدایت پاتے ہیں اور یہی لوگ علم رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں جن سے علم الیقین کو حاصل کیا جا سکتا ہے (علم الیقین کی تعلیم دیتے ہیں)۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں سیدنا شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی، حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۵۶۱ھ، لکھتے ہیں:

والمراد منه علم المعرفة والقربة۔

ترجمہ: اور اس سے مراد علم معرفت اور قرب الٰہی ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

قال عالمنا أبو محمد سهل رحمه الله: أراد بذلک علم حال يعني علم حال العبد من مقامه الذي أقيم فيه بأن يعلم أحدكم حاله الذي بينه وبين الله عزّ وجلّ في دنياه وآخرته خاصة فيقوم بأحكام الله تعالى عليه في ذلک۔

ترجمہ: ہمارے عالم ابو محمد سہل نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں طلب علم سے مراد علمِ حال ہے یعنی بندہ جس مقام پر ہے اس کے حال کا علم کہ تم میں سے ایک آدمی خاص کر کے اس حالت کا علم رکھے جو کہ دنیا و آخرت میں اس اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے، چنانچہ وہ اس میں ہی احکامِ الٰہی پر چلتا ہے۔[3]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض العارفين (العراقين): معناه طلب علم المعرفة وقيام العبد بحكم ساعته وما يقتضي منه في كل ساعة من نهاره۔

ترجمہ: عارفین (عراقین) فرماتے ہیں: اس حدیث پاک کا مطلب ہے علمِ معرفت طلب کرنا اور بندے کا اس کی ساعت کے حکم پر قائم رہنا اور دن کی ہر گھڑی میں جو بھی تقاضا ہو، اسے پورا کرنا ہے۔[4]

---

[1] (عوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[2] (سر الاسرار و مظهر الانوار فیما یحتاج الیه الابرار، الفصل الخامس، ص، ۲۶، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[3] (قوت القلوب، الفصل الحادی و الثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیه، بیروت، وعوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، واتحاف السادة المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی هو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[4] (قوت القلوب، الفصل الحادی و الثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیه، بیروت، واتحاف السادة المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی هو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۳، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض علماء الشام إنما عنى به طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس ووساوسها ومعرفة مكايد العدو وخدعه وغروره وما يصلح الأعمال ويفسدها فريضة كله من حيث كان الإخلاص في الأعمال فريضة ومن حيث أعلم بعداوة إبليس ثم أمر بمعاداته وذهب إلى هذا القول عبد الرحيم ابن يحيى الأرموي ومن تابعه۔

ترجمہ: علماءِ شام فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی اس سے مراد علم اخلاص طلب کرنا ہے، نفسانی آفات و وسواس کو پہچاننا، دشمن کی مکاریوں اور دھوکہ دہی سے آگاہ ہونا اور اعمال کو فاسد کرنے والے اور خراب کرنے والے امور سے واقف ہونا، ان کی طلب فرض ہے اس لیے کہ اعمال میں اخلاص اختیار کرنا بھی فرض ہے۔ اور آپ ﷺ ابلیس کی دشمنی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے اس کی عداوت کا حکم دیا۔ عبد الرحیم ابن یحیٰ ارموی اور ان کے تابعین کا یہ فرمان ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں کاشف الاسرار شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض البصريين في معناه: طلب علم القلوب ومعرفة الخواطر وتفصيلها فريضة لأنها رسل الله تعالى إلى العبد ووسواس العدوّ والنفس فيستجيب لله تعالى بتنفيذ ما منه إليه ومنها ابتلاء الله تعالى للعبد واختبار تقتضيه مجاهدة نفسه في نفيها ولأنها أول النية التي هي أول كل عمل وعنها تظهر الأفعال وعلى قدرها تضاعف الأعمال فيحتاج أن يفرق بين لمة الملك ولمة العدوّ وبين خاطر الروح ووسوسة النفس وبين علم اليقين وقوادح العقل ليميز بذلك الأحكام، وهذا عند هؤلاء فريضة وهو مذهب مالك بن دينار وفرقد السنجي وعبد الواحد بن زيد وأتباعهم من النساك وقد كان أستاذهم الحسن البصري يتكلم في ذلك وعنه حملوا علوم القلوب۔

ترجمہ: علمائے بصری عالم اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ "علم قلوب کا حصول مراد ہے، اس لیے کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور ان کی تفاصیل سے آگاہ ہونا فرض ہے۔ کیونکہ یہ خیالات بندے کے پاس اللہ کی جانب سے آئیں تو پیغام رساں ہوتے ہیں اور شیطان اور نفس کی طرف جانب سے ہوں تو وسواسہ کہلاتے ہیں۔ پس بندے کو چاہئے کہ کہ اللہ کی جانب سے پیدا ہونے والے خیالات پر لبیک کہے کہ انہی خیالات کے سبب اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے اور اس کا امتحان لیتا ہے اور جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ بندہ شیطانی وسوسوں کو دل سے جھٹک دے، کیونکہ یہ خیالات اس نیت کی ابتدا کا باعث بنتے ہیں جو ہر عمل کے شروع میں ہوتی ہے، پھر اس نیت کے مطابق اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق اعمال کا اجر بڑھتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بندہ اچھے اور برے خیالات کے درمیان فرق کرے اور شیطانی، روحانی اور نفسانی خیالات کو پہچانے،

[1] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، واتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ھو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علم یقین اور عقلی دلائل میں فرق کرے تاکہ ان سب کے احکام میں فرق کر سکے کیونکہ ایسا کرنا بندے پر فرض ہے۔ یہ مذہب حضرت سیدنا مالک بن دینار، حضرت سیدنا عبدواحد بن زید اور ان کے ماننے والوں کا ہے۔ ان سب کے استاد حضرت سیدنا حسن بصری ہیں جو اس معاملے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان سب نے انہی سے علوم قلوب حاصل کئے۔ [1]

حدیث نمبر (۸)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالی او صانی خلیلی ﷺ ان اخشی اللہ کانی اراہ فان لم اکن اراہ فانہ یرانی۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر (غفاری) رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب ﷺ نے وصیت فرمائی کہ خشیت الٰہی میں ایسا ہو جاؤں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، پس اگر میں اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ یقینا مجھے دیکھ رہا ہے۔ [2]

حدیث نمبر (۹)

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال: رسول اللہ ﷺ الاحسان ان تعمل اللہ کانک تراہ فالم تکن تراہ فانہ یراک۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کے لئے اس طرح عمل کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، پھر اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو یقیناوہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ [3]

حدیث نمبر (۱۰)

عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال: رسول اللہ ﷺ کن کانک تری اللہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے بندۂ خدا!) اس طرح ہو جا گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو یقینا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ [4]

حدیث نمبر (۱۱)

عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء، فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة، و اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح، و لیحد احدکم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ۔

---

[1] (قوت القلوب، الفصل الحادی و الثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، و اتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ھو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (رواہ ابو نعیم فی کتاب الاربعین، ص، ۳۹، الرقم: ۱۲، و ابن رجب فی جامع العلوم و الحکم، ج، ۱، ص، ۱۲۶)

[3] (رواہ الربیع فی المسند، ج، ۱، ص، ۴۲، الرقم: ۵۶، و ابن رجب فی جامع العلوم و الحکم، ج، ۱، ص، ۳۶)

[4] (رواہ ابو نعیم فی کتاب الاربعین، ص، ۴۰، الرقم: ۱۳، و فی حلیۃ الاولیاء، ج، ۸، ص، ۲۰۲، و الدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ج، ۳، ص، ۲۷۴، الرقم: ۴۸۴۳، و ابن رجب فی جامع العلوم و الحکم، ج، ۱، ص، ۳۶)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں احسان فرض کیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ چھری کو اچھی طرح تیز کرے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو آرام دے۔[1]

حدیث نمبر (۱۲)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلم فأسند رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ: "الْإِسْلَامُ: أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". قَالَ: صَدَقْتَ. فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ. قَالَ: «أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ». قَالَ صَدَقْتَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ. قَالَ: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ». قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ. قَالَ: «مَا المسؤول عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ». قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا. قَالَ: «أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ». قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ»؟ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُم يعلمكم دينكُمْ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص ہم پر نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال سخت سیاہ تھے، اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا اور نہ ہم سے کوئی اسے پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے دونوں زانوں آپ کے زانوؤں سے ملا دیے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دیے اور عرض کیا یا محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے، آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ تو پابندی کے ساتھ مسنون طریقہ سے نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دے، اور رمضان شریف کے روزے رکھے، اور طاقت و استطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرے، اس شخص نے (یہ سن کر) کہا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ہمیں اس کی بات سے تعجب ہوا کہ آپ سے سوال بھی کرتا ہے اور آپ کی تصدیق بھی کرتا

---

[1] (رواہ مسلم فی الصحیح، کتاب الصید و الذبائح و مایو کل من الحیوان، باب: الامر باحسان الذبح و القتل و تحدید الشفرۃ، و الترمذی فی السنن، کتاب الدیات عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی النہی عن المثلۃ، و ابو داؤد فی السنن، کتاب: الضحایا، باب: فی النہی ان تصبر البہائم و الرفق بالذبیحۃ، و النسائی فی السنن، کتاب الضحایا، باب الامر باھدا الشفرۃ، وفی کتاب: الضحایا، باب: ذکر المنفلتۃ التی لا یقدر علی اخذھا، وفی کتاب الضحایا، باب: حسن الذبح، و ابن ماجه فی السنن ، كتاب : الذبائح ،باب : اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ، واحمد بن حنبل فی المسند ،ج، ۴،ص، ۱۲۳ ، وابن حبان فی الصحیح ،ج، ۱۳، ص، ۱۹۹ ،الرقم: ۵۸۸۳، و ابن الجارود فی کتاب المنتقی، ج، ۱، ص، ۲۱۴ ،الرقم: ۸۳۹، و الدامی فی السنن، ج، ۲، ص، ۱۱۲ ،الرقم: ۱۹۷۰)

ہے۔ (پھر) اس نے کہا آپ مجھے ایمان کے متعلق بھی بتائیں (کہ وہ کیا ہے) آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں اور رسولوں پر اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اس کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔ اس نے کہا آپ نے درست فرمایا ہے۔ (پھر) اس نے عرض کیا مجھے احسان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: احسان (کا اعلیٰ مرتبہ) یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے (اور احسان کا کم درجہ) یہ ہے کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو (کم از کم تیرا یہ یقین ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے (پھر) سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں مجھے بتائیں کہ (کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ (اس پر) اس نے کہا مجھے اس کی علامات ہی بتایئے، آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ لونڈی اپنا مالک و مربی جنے گی، اور یہ کہ تو دیکھے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم بکریاں چرانے والے اور تنگ دست لوگوں کی مالی حالت یہ ہو جائے گی کہ وہ مکانات کی تعمیر (وآرائش) میں فخر و تکبر کے طور پر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پھر وہ شخص چلا گیا، اور میں اس کے جانے کے بعد کافی دیر خاموش رہا، پھر حضور نبی کریم ﷺ نے خود ہی مجھے فرمایا: اے عمر جانتا ہے کہ یہ سائل کون تھا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بیشک وہ جبرئیل تھا تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آیا تھا۔[1]

کتبِ احادیث میں جبریل علیہ السلام کو اصولِ دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے۔

احسان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے:

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ. قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ لِي: يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ: اللّٰہُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يعلمكم دينكُمْ. رَوَاهُ مُسلم۔

اس نے دریافت کیا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

---

[1] (رواہ بخاری فی الصحیح، کتاب: الایمان، باب: سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان، وعلم الساعۃ، وکتاب التفسیر، لقمان، باب: ان اللہ عندہ علم الساعۃ، وصحیح مسلم، کتاب: الایمان، باب: بیان الایمان والاسلام والاحسان، والترمذی فی السنن، کتاب: الایمان عن رسول اللہ ﷺ باب: ماجاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ الایمان والاسلام، وابو داؤد فی السنن، کتاب: السنن، باب فی القدر، والنسائی فی السنن، کتاب: الایمان وشرائعہ، باب نعت الاسلام، وابن ماجہ فی السنن: المقدمۃ، باب: فی الایمان، واحمد بن حنبل فی المسند، ج، ۱، ص، ۵۱، الرقم: ۳۶۷، وابن خزیمۃ فی الصحیح، ج، ۴، ص، ۱۲۷، الرقم: ۲۵۰۴، ابن حبان فی الصحیح، ج، ۱، ص، ۳۸۹، الرقم: ۱۶۸، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان، ص، ۱۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

اس حدیث کی شرح میں خاتمۃ المحققین حضرت علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

بدآنکہ بنائے دین وکمال آن بر فقہ وکلام وتصوف است وایں حدیث شریف بیان ایں ہر شہ مقام کردہ اسلام اشارت بہ فقہ است کہ متضمن بیان اعمال واحکام شرعیہ است وایمان اشارت باعتقادات کہ مسائل اصول کلام اند واحسان اشارت بہ اصل تصوف است کہ عبارت از صدق توجہ الی اللہ است وجمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت بآں اشارت کردہ اند راجع بہمیں معنی است وتصوف وکلام لازم یکدیگر اند کہ ہیچ یکے بے دیگر تمام نہ پذیرو چرا کہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندو زیرا کہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نہ شود وفقہ بے تصوف تمام نشود زیرا کہ عمل بے صدق توجہ تمام نہ پذیرد وہر دو بے ایمان صحیح نگردد بر مثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بے دیگر وجود نگیرد وکمال نہ پذیرد۔

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ دین کی بنیاد اور اس کی تکمیل کا انحصار فقہ، کلام اور تصوف پر ہے۔ اور اس حدیث شریف میں ان تینوں کا بیان ہوا ہے۔ اسلام سے مراد فقہ ہے، کیونکہ اس میں شریعت کے احکام اور اعمال کا بیان ہے۔ اور ایمان سے مراد عقائد ہیں جو علمِ کلام کے مسائل ہیں۔ اور احسان سے مراد اصلِ تصوف ہے جو صدقِ دل سے توجہ الیٰ اللہ سے عبارت ہے۔ مشائخ طریقت کے تمام ارشادات کا حاصل یہی احسان ہے۔ تصوف وکلام لازم وملزوم ہے، کیونکہ تصوف بغیر کلام کے اور فقہ بغیر تصوف کے بے معنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور فقہ بغیر تصوف کے کامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ کوئی عمل بغیر اخلاصِ نیت کے مقبول نہیں، اور یہ دونوں ایمان کے بغیر بے کار ہیں، ان کی مثال روح و جسم کی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر ناتمام رہتے ہیں۔

فائدہ: تصوف جزو دین ہے اور انتفائے جزو مستلزم ہے انتفائے کل کو۔ پس انکارِ تصوف مستلزم ہو گا انکارِ دین کو۔[1]

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی شرح میں وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

الْمَعْهُودُ ذِهْنًا فِي الْآيَاتِ الْقُرْآنِيَّةِ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى) (یونس ۲۶) وَ (هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ) (الرحمن ۶۰) (وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) (البقرۃ ۱۹۵) وَالْأَظْهَرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ فِي الْآيَاتِ مَا اشْتَمَلَ عَلَى الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ، وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْأَعْمَالِ، وَالْأَخْلَاقِ وَالْأَحْوَالِ۔

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، ص ۴۵، المکتبۃ الحبیبۃ، کوئٹہ، کانسی روڈ، حجۃ القاطعۃ، ص ۸۷)

الاحسان میں الف، لام عہد ذہنی ہے جس میں اشارہ قرآنی آیات کی طرف ہے، جن میں لفظ احسان وارد ہوا ہے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ مراد ان آیات سے وہ احسان ہے جو شامل ہے ایمان اور اسلام وغیرہ، اعمال ظاہری، اخلاق اور احوالِ صوفیاء پر۔[1]

دلیل نمبر (۲۴): مذکورہ حدیث مبارکہ کے تحت مولوی انور شاہ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

ان الاحسان ینقسم الی حال و علم فان مشاهدة الحق بقلبه کانه یراه حال له و صفته قائمة به و لیست علماً۔

احسان منقسم ہے حالِ صوفیاء اور علم پر، کیونکہ قلب سے حق کا مشاہدہ کرنا گویا سالک نے آنکھوں سے دیکھا، یہ ایک حالت ہے جو اس (صوفی سالک) کی صفتِ قائمہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالتِ علم نہیں۔

فائدہ: فیض الباری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ احسان یا تصوف و سلوک صرف علم کا نام نہیں، اس لئے اس علم کے پڑھ لینے سے آدمی عارف باللہ نہیں بن جائے گا۔ جیسے کسی شخص کو نماز، روزہ اور حج کے مسائل کا علم ہو تو محض علم ہونے سے وہ نہ نمازی بن گیا، نہ صائم، نہ حاجی۔ یہ تو اعمال ہیں جن کا تعلق محض علم سے نہیں، بلکہ کرنے سے ہے۔ اسی طرح تصوف و سلوک، حال اور کیفیات ہیں جو شیخ کے سینے سے نکل کر سالک کے سینے کو منور کرتی ہیں۔ ان احوال و کیفیات کے لئے واضع نے کُتبِ تصوف سے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے۔ تصوف و سلوک کے متعلق علم کی حد تک رہنمائی مل سکتی ہے لیکن وہ احوال و کیفیات، ذوق و شوق، جذب و حال جو اصلِ مطلوب ہے وہ شیخِ کامل کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ دلیل نمبر (۱۱) میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مذکورہ حدیث مبارکہ کے تحت مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

واعلم أن لفظَ الإحسانِ شاملٌ لجميعِ أنواع البر من الأذكار، والأشغال وغيرها. والأذكارُ تقالُ للأوراد المسنونة، وما ذكرهُ المشايخ من الضربات والكيفيات يقال لها: الأشغال. والنسبة في اصطلاحهم: ربطٌ خاصٌ سوى ربطِ الخالقية والمخلوقية، فمن حصل له ربطٌ سوى الربط العام يقال له: صاحب النسبة.

والطرق المشهورة في التصوف أربعة: السُّهْرُرْدِية، والقَادِرِية، والجشْتِية، والنَّقْشَبَنْدِية، والسلسلة السهروردية قد تسلسلت في أجدادنا من عشرةٍ متصلةٍ ثم ما نقل إلينا من الأوامر والنواهي، والوعد والوعيد سُمِّي شريعةً. والتخلُّق بها يُسمَّى طريقةً، وحينئذٍ تنصَبغُ الأعمال بصبغ الإيمان كما كان في السلف. أما اليوم فعلمٌ بلا عمل، وإيمانٌ بلا تصديق من الجوارح، «ربَّ تالٍ للقرآن والقرآنُ يلعنهُ». ثم الفوزُ بالمقصد الأسنى، والنيلُ بالمأرب الأعلى يُسمَّى حقيقةً. ومن ههنا ظهر أن الطريقةَ والشريعةَ لاتتغايران كما زعمه العوامّ۔

[1] (مرقاة المفاتيح، ج ۱، ص ۶۰، الناشر: دار الفكر، بيروت-لبنان)

احسان کا لفظ تمام نیکیوں پر مشتمل ہے خواہ اذکار ہوں یا اشغالِ صوفیاء، اذکار کا اطلاق اورادِ مسنونہ پر ہوتا ہے، اور مشائخِ صوفیاء نے جو ضربوں اور کیفیات کو ذکر کیا ہے انہیں اشغال کہتے ہیں۔ اور نسبت اصطلاحِ صوفیاء میں ایک خاص قسم کے ربط کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربطِ خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحبِ نسبت کہتے ہیں، اور تصوف میں چار مشہور سلاسل ہیں: سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی۔ اور سلسلۂ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آرہا ہے۔ پھر جو اوامر ونواہی، وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں انہیں شریعت کہتے ہیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگ جانا طریقت کہلاتا ہے۔ اس وقت تمام اعمال ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ سلف صالحین کی یہی حالت تھی، مگر آج کل علم ہے مگر عمل نہیں، ایمان ہے مگر اعضاء وجوارح سے اس کی تصدیق نہیں۔ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کر رہا ہوتا ہے (العیاذ باللہ)۔ پھر اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنا، اعلیٰ نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے۔ اس کا نام حقیقت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کے تحت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، محدث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

دل الحدیث علی ان علوم الدین ثلاثۃ: الاول العقائد وھو علم الکلام، والثانی علم الحرام والحلال معرفت الاحکام وھو علم الفقہ، والثالث علم المکاشفات والمراقبات وھو علم التصوف ومجموعھا الدین۔ والاحسان ھو اصل التصوف الذی ھو عبارۃ عن صدق التوجۃ الی اللہ وجمیع معانی التصوف التی جائت عن مشائخ الطریقۃ کلھا الی ھذا المعنی۔ فالدین وتر ثلاث رکعات الاولی رکعۃ الایمان والثانیۃ رکعۃ الاسلام والثالث رکعۃ الاحسان وھی التی تؤتر ماقدصلی ولایصح الاقتصار علی رکعۃ الاحسان فقط مالم فیضم الیھا شفع الایمان والاسلام وقال القرطبی ھذا الحدیث یصح ان یقال لہ ام السنۃ۔ وقال قاضی عیاض اشتمل ھذا الحدیث علی جمیع وظائف العبادات الظاھریۃ والباطنیۃ ومن اعمال الجوارح ومن اخلاص السرائر قال علامۃ الزمان الشیخ محمود الحسن الدیوبندی ان مقصود المؤلف بھذا الترجمۃ ان الاصول والفروع والاعمال والایمان والاسلام والاحسان والاخلاص والاخلاق کلھا من ھو الاحسان واشار ھذا الباب الی ان من ذاق حلاوۃ الایمان شرح اللہ صدرہ للاسلام وخالط بشاشۃ القلب خلطاً را بطیباً اتحادیاً فیجوز ان یقال فی حقہ انہ محفوظ من الارتداد واما لیس کذالک فلا یجوز لہ الوثوق علی ایمانہ۔

حدیث جبرئیل علیہ السلام تین علوم پر دلالت کرتی ہے اور، عقائد: یہ علم کلام ہے۔ دوسرا حلال وحرام اور احکام کی معرفت، یہ فقہ ہے تیسرا مکاشفات اور مراقبات کا علم ہے، یہ علم تصوف ہے اور تینوں کے مجموعے کا نام دین ہے اور احسان تصوف کی اصل ہے اور اس سے مراد صدق توجہ یا اخلاص ہے۔ مشائخ سے تصوف کے جتنے معنی منقول ہیں وہ اسی حقیقت کی

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۲۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

طرف راجع ہیں۔ پس دینِ اسلام وتر ہوا تین رکعات، پہلی رکعت ایمان ہے، دوسری اسلام اور تیسری احسان اور یہ احسان وتر بنائے گا۔ فقط ایک رکعت احسان پر اختصار کرنا درست نہ ہو گا جب تک ایمان اور اسلام کی دو رکعتیں ساتھ نہ ملائی جائیں۔ علامہ قرطبی نے فرمایا حدیث جبرئیل علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سنت کی اصل اور بنیاد ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام تمام وظائف، عبادات ظاہری اور باطنی اور اعمال، جوارح اور دل کے اخلاص سب پر مشتمل ہے۔ اور شیخ الہند نے فرمایا کہ اس ترجمہ سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اصول و فروع، اعمال، ایمان، اسلام، احسان، اخلاص، اخلاق سب دین کے اجزاء ہیں اور ہرقل روم والی حدیث میں بشاشتہ الایمان سے مراد یہی احسان ہے اور اس سلسلے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی، اس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا، اور ایمان کی لذت دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکی اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ مرتد نہیں ہو گا، اور جس میں یہ حقیقت نہیں پائی جاتی اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ایمان پر قائم رہے گا۔[1]

صاحبِ شرح عقیدۂ سفارینی میں مذکورہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

و حاصل ذالک ان الدین و اھلہ کما اخبر خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم و امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم ثلاث طبقات اولھا الاسلام و اوسطھا الایمان و اعلاھا الاحسان فمن وصل الی العلیا فقد وصل الی التی تلیھا فالمحسن مؤمن و المؤمن مسلمٌ ھکذا جاء القرآن فجعل الامۃ علیٰ ھذہ الاصناف الثلاثۃ قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (فاطر ۳۲) فالمسلم الذی لم یقم بواجب الایمان ھو الظالم لنفسہٖ و المقتصد الذی ادی الواجب و ترک المحرم ھو المؤمن المطلق و السابق بالخیرات ھو المحسن الذی عباد اللہ کانہ یراہ فان لم یکن یراہ فانہ یراہ۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دین اور اہل دین کے تین طبقے ہیں، جیسا کہ خاتم النبیین اور امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خبر دی ہے۔ پہلا طبقہ لفظ اسلام سے دوسرا ایمان سے اور تیسرا احسان سے ظاہر ہے۔ پس جو شخص درجۂ اعلیٰ پر پہنچا وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا۔ پس محسن مؤمن ہے اور مؤمن مسلم ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں آچکا ہے: اللہ تعالیٰ نے امت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پھر وارث کر دیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں انتخاب کر لیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں، پس کچھ وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں کچھ وہ جو اللہ تعالیٰ کی مدد کی سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ وہ مسلم جو

---

[1] (تحفۃالقاری، ج ۱، ص ۱۲۱)

واجباتِ ایمان کو قائم نہ کرے وہی اپنے نفس کے حق میں ظالم ہے اور مقتصد وہ ہے جس نے واجبات کو ادا کیا اور محرمات سے پرہیز کیا۔ یہ مطلق مؤمن ہے اور سابق بالخیرات وہ محسن ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔[1]

مذکورہ حدیث مبارکہ کے تحت الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وهذا القدر من الحديث أصل عظيم من أصول الدين وقاعدة مهمة من قواعد المسلمين وهو عمدة الصديقين وبغية السالكين وكنز العارفين ودأب الصالحين وهو من جوامع الكلم التي اوتيها صلى الله عليه وسلم وقد ندب أهل التحقيق إلى مجالسة الصالحين ليكون ذلک مانعا من التلبس بشيء من النقائص احتراما واستحياء منهم۔

فرمایا یہ حدیثِ جبریل اصولِ دین میں سے عظیم اصل ہے، اور قواعدِ مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ اور یہ حدیث صدیقین کے معتمد علیہ اور سالکین کی مطلوبہ چیز ہے، اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے، تاکہ اُن اولیاء اللہ اور صلحاء کی مجلس عیوب و نقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ اُن صلحاء کا احترام یا اُن سے حیا کرنا ہوگا۔[2]

اس حدیث میں "احسان" کی شرح میں محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۵۲ھ، لکھتے ہیں:

چوں در بسیاری در آیات واحادیث ذکر احسان واقع شدہ وآن را در جہ عالیہ نہادہ و مرتبہ کمال داشتہ اند بعد از استفسار از معنے اسلام وایمان از حقیقت احسان نیز سوال کرد تا امر دین بتمام وکمال مبین گردد ومعنی احسان نیکی کردن استوآن بر دو وجہ اطلاق می باید نیکی بمردم بانعام واکرام ونیک کردن فعل را بروجہ تکمیل وتجوید واتقان وچنانکہ باید وشاید بجا آوردن آنرا گویا اینجا نیز احسان کردن است بنفس خود ودر خلاف ایں صورت ظلم است بر نفس وبدی کردن است باوو حاصل آن اخلاص وحضور وخشوع است در عبادت وآن بحقیقت شرط کمال بمکہ نشان صحت اسلام وایمان است۔

ترجمہ: چونکہ بہت سی آیات اور احادیث میں احسان کا ذکر آیا ہے، اور اسے درجہ عالی پر رکھا اور مرتبہ کمال قرار دیا، اس لیے اسلام اور ایمان کا معنی دریافت کرنے کے بعد اس نے احسان کی حقیقت کے بارے میں بھی سوال کر دیا، تاکہ دین کا کام

---

[1] (شرح عقیدۂ سفارینی، ج ۱، ص ۴۳۰)

[2] (فتح الباری، ج ۱، ص ۱۵۹، مکتبۃ دار السلام، عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

مکمل اور پورے طور پر معلوم ہو جائے۔ احسان کا معنی نیکی کرنا ہے۔ اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ لوگوں سے نیکی کرنا یعنی انہیں انعام و اکرام سے نوازنا۔ اور نیک عمل کرنا پورے کمال اور پوری درستی اور اچھائی کے ساتھ اور جیسا کہ چاہیے اسے بجا لانا۔ نیک عمل اس اچھائی اور عمدگی سے کرنا، گویا اپنی ذات کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ اور اس کے خلاف کسی عمل کا بجالانا اپنی ذات پر ظلم اور اپنے نفس کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے۔ احسان کا خلاصہ در اصل عبادت میں اخلاص اور حضور و خشوع ہے اور یہ اخلاص و خشوع در حقیقت شرط کمال بلکہ اسلام کی صحت کا نشان ہے۔[1]

مزید محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

بدانکہ منادی دین وکمال آن بر فقہ وکلام تصوف است وواین حدیث شریف بیان این ہر سہ مقام کردہ اسلام اشارت بفقہ است کہ متضمن بیان اعمال واحکام شرعیہ است وایمان اشارات باعتقادات کہ مسائل اصول کلام اند واحسان اشارت بااصل تصوف کہ عبادت از صدق توجہ الی اللہ است وجمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت بان اشارت کردہ اند راجع بہمین معنی است وتصوف وکلام، لازم یکدیگر اند کہ ہیچ یکی بے دیگرے تمامی نہ پذیرو چرا کہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندد وزیراکہ حکم الٰہی بے فقہ، شناختہ نشود وفقہ بے تصوف تمام نشود زیراکہ عمل بے صدق توجہ تمامی نہ پذیرد وہر دو بے ایمان صحیح نگردد بر مثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بی دیگری وجود نہ گیرد وکمال پند بردو ازین جا فرمود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمیع بینہما فقد تحقق کمال جامعیت این است باقی ہمہ زیغ وضلال۔

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔ فقہ، علم عقائد، اور علم تصوف و سلوک پر۔ اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرمادیے۔ اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے۔ تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت نے اشارات فرمائے ہیں، اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا تصوف اور علم عقائد و کلام ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ وجود میں آسکتا ہے۔ اور تصوف فقہ کے بغیر بھی معرض وجود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ احکامات الٰہیہ کی فقہ کے بغیر شناخت نہیں ہو سکتی

[1] (اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان، ج،۱، ص،۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج،۲۰۳، ۱، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

،اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے روح اور جسم کہ ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہو سکتا ہے۔

اسی بنا پر امام مالک نے فرمایا:

من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن تفقه ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهما فقد تحقق۔

ترجمہ: جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا وہ بے دینی کا شکار ہو گیا، اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف و فقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہو گیا، اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ تحقیق کے مقام پر فائز ہو گیا۔ کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے۔[1]

نیز محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازینجا معلوم شد کہ دین عبارت از مجموع اسلام وایمان واحسان است وشریعت نام این مجموع است وگاہی دین بر اسلام بخصوصہ نیز اطلاق یافتہ چنانکہ ان الدین عند اللہ الاسلام وشریعت نیز با احکام فرعیہ فقیہ تخصیص می باید چنانکہ شریعت وطریقت وحقیقت گویند این ہر سہ نیز شعب واجزائی دین اند وحقیقت حقیقت شریعت است تا انچہ بدان ایمان آوردہ اند بحقیقت آن نرسند وانچہ شنیدہ اند عیانا دریابند نہ چیزی دیگر مغائر آن وبالجملہ دین یکی است دو نمی شود وہر کہ غیر این فہمد خطا کند۔

ترجمہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے جیسا کہ: "ان الدین عند اللہ الاسلام"۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور کبھی شریعت کا لفظ احکام فرعیہ فقہیہ کے ساتھ خاص ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح شریعت، طریقت اور حقیقت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، کہ یہ تینوں دین کے اجزاء اور شعبے ہیں۔ در حقیقت شریعت ہی حقیقت ہے، تاکہ اہل اسلام جن حقائق پر ایمان لائے ہیں فی الحقیقت ان تک پہنچیں اور جو کچھ سنا ہے اسے سامنے پالیں شریعت دین سے الگ اور مغائر کوئی چیز نہیں۔ اور دین ایک ہی ہے دو نہیں ہیں، جو شخص اس تحقیق کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے وہ خطا ہے۔[2]

---

[1] (اشعة اللمعات، کتاب الایمان، ج، ۱، ص، ۴۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ) (اشعة اللمعات، ج، ۱، ص، ۲۰۴، ۲۰۵، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

[2] (اشعة اللمعات، کتاب الایمان، ج، ۱، ص، ۴۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، اشعة اللمعات، ج، ۱، ص، ۲۰۹، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

اور حضرت مولانا فقیر اللہ علوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی طرح کی شرح تحریر فرمائی ہے۔[1]

مشہور حدیث "حدیثِ جبرئیل" کے تحت حضرتِ امام ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

علمی کہ از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات باقیماندہ است، و دو نوع است، علم احکام و علم اسرار۔

عالمِ وراثت کسی است کہ اورا از ہر دو نوع علم سہم بود، نہ آنکہ اورا از یک نوع نصیب بود، نہ از نوع دیگر کہ آن منافی وراثت است، چہ وراثت را از جمیع انواع ترکہ مورث نصیب است، نہ از بعض دون بعض۔ وآنکہ اورا از بعض معین نصیب است، داخلِ غرماست کہ نصیب او بہ جنس حق او تعلق گرفتہ است۔

وہم چنین فرمودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلواۃ والسلام: علماء امتی کانبیآء بنی اسرائیل۔ مراد از علمائی، علماء وارثانند، نہ غرماکہ غیبیں از بعض ترکہ فرا گرفتہ اند، چہ وارث را بہ واسطہ قرب و جنسیت، ہیچو مورث می توان گفت، بخلاف غریم کہ از این علاقہ خالی است۔ پس ہر کہ وراث نبود، عالمنباشد، مگر آنکہ علم اورا مقید بہ یک نوع سازیم و گوییم کہ عالم علم احکام است مثلا و عالم مطلق آن بود کہ وارث باشد واز ہر دو نوع علم اورا نصیب وافر بود۔

واضح ہو کہ جو علم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی و جاری ہے دو قسم کا ہے:

(ایک) علم احکام (دوسرا) علم اسرار، اور (انبیاء کی) وراثت کا عالم (کہلانے کا مستحق) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں قسم کے علم سے بہرہ ور ہو، نہ یہ کہ صرف ایک قسم کا علم حاصل ہو اور دوسری قسم سے محروم ہو۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے، کیونکہ وارث کو مورث کے ہر قسم کے ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے، نہ کہ بعض میں حصہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔ اور وہ شخص جس کا حصہ کسی خاص معین تک محدود ہو وہ (وارث نہیں بلکہ) غرباء (قرض خواہ) میں داخل ہے، جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے۔ اسی طرح آنحضرت حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں ۔ اور علماء سے مراد علماء وارث ہیں نہ کہ غربا کہ جنہوں نے ترکہ کا بعض حصہ لیا، کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کی وجہ سے بھی مورث کے مانند کہہ سکتے ہیں بخلاف غریم کے کہ وہ اس تعلق سے خالی ہے لہٰذا جو شخص وارث نہیں وہ عالم نہیں، مگر یہ کہ اس

---

[1] (قطب الارشاد، ص،٦، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ)

کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کر دیا جائے اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ وہ علم احکام کا عالم ہے اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے وافر حصہ حاصل ہو۔[1]

حضرتِ عالی امام ربانی مجد دالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

سؤال، پس وجوب معرفت۔ جل شانہ۔ بہ چہ معنی بود؟

جواب وجوب معرفت بہ آن معنی است کہ ہر چہ شرع بہ آن وارد شدہ است، در معرفت ذات وصفات واجبی جل شانہ شناختن آن واجب است۔

وہر معرفتی کہ غیر از شریعت مستفاد می گردد، نزد فقیر آن را معرفت خدا گفتن، جرأت است وبہ ظن وتخمین بر حق جل وعلا حکم کردن است أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الأعراف ۲۸)

مگر از اینجا گفتہ باشد، سراجِ امت و اما ائمہ (امام اعظم کوفی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبحانک ما عبدناک حق عبادتک ولکن عرفناک حق معرفتک۔ اگرچہ این قول بر اکثری گران است، اما قابل توجیہِ وجیہ است، زیرا کہ حقِ معرفت آن است کہ حق۔ سبحانہ۔ را بہ جمیع آنچہ شریعت بہ آن ناطق گشتہ است، از کمالات وتنزیہات وتقدسیات او تعالیٰ شناختہ شود، چہ ماورای آن از معرفت چیزی نماندہ است، کہ مانع حق معرفت گردد۔

سوال: پس خدا تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے؟

جواب: وجوب معرفت اس معنی سے ہے کہ شریعت میں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچانا واجب ہے۔ اور ہر وہ معرفت جو شریعت کے علاوہ مستفاد ہو اس کو اس فقیر کے نزدیک خدا عزو جل کی معرفت کہنا جرأت سے اور ظن و تخمین سے خدا تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الأعراف ۲۸)

کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

شاید اسی لئے کہ سراج الامت اور امام الائمہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہا ہو۔ "پاک ہے تو ہم نے تیری عبادت جس طرح تیرا حق تھا نہیں کی ہے لیکن جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا ہم نے تجھے پہچان لیا ہے"۔ اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن معقول توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے جن کو شریعت

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اول، مکتوب، ۲۶۸، ج، ۱، ص، ۵۹۴، مرکز پخش: زاهدان، خیابان خیام، صدیقی، تهران)

نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات وغیرہ سے پہچانا جائے۔ کہ ان سے باہر معرفت کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جو کہ حق معرفت کو مانع ہو۔[1]

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

ولا یکون الخلیفة الا من جمع المقاصد الثلاثة التی ذکرنا ھا، وحفظ الکتاب والسنة، تدرّب فی قوانین السلوک وتربیة السالکین۔

خلیفہ رسول صرف وہ شخص ہو گا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو یاد کیا ہو اور قوانین علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو۔[2]

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

وقد تکفل بفن الاول اھل الاصول من علماء الامة وقد تکفل بفن الثانی فقہاء الامة فھدی اللہ بھما کثیرین وقد تکفل بفن الثالث الصوفیة رضوان اللہ علیھم۔

"پہلا فن تصحیح عقائد کے کفیل علماء اصول ہوئے ہیں، دوسرا فن اعمال کی تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوئے ہیں، تیسرا فن خلوص واحسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوئے ہیں"۔[3]

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ ھذا الثالث أدق المقاصد الشریعة مأخذا واعمقھا محتدا وھو بالنسبة الی سائر الشرائع بمنزلة الروح من الجسد، وبمنزلة المعنی من اللفظ۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن (تصوف) مقاصد شرعیہ کے ماخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے، اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے اور لفظ کے لئے معنی کی ہے"۔[4]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

بداں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین این ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان واسلام وشریعت است ومغز وحقیقت او در خدمت درویشاں باید جست وخیال نیابد کرد کہ حقیقت

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب، ۱۲۲، ج، ۲، ص، ۷۰۷، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)
[2] (تفھیمات الٰھیہ، ج، ۱، ص، ۹، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی حیدر آباد)
[3] (تفھیمات الٰھیہ، ج، ۱، ص، ۸، ۷، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی حیدر آباد، بحذفٍ)
[4] (تفھیمات الٰھیہ، ج، ۱، ص، ۸، ۷، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی حیدر آباد)

خلاف شریعت است کہ این سخن جہل و کفر است بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشاں چوں قلب از تعلق جسمی وحبیکہ بماسوی اللہ داشت پاک شود ورذائل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمئنہ شود واخلاص بہم رساند شریعت در حق او بامغز شود نماز وعند اللہ تعلق دیگر بہم رساند دو رکعت او بہتر از لک رکعت دیگراں باشد وہمچنیں صوم وصدقہ اوو رسول فرمود ﷺ اگر شما مثل احد زر درراہ خدا خرچ کنید برابر یک یانیم سیر جو نباشد کہ صحابہ رضی اللہ عنہم درراہ خدا دادہ اند ایں از جہت قوت ایمان وشان اخلاص است نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینہ درویشاں باید جست وبداں نور سینہ خود راروشن باید کرد تاہر خیر وشر بفراست صحیحہ دریافت شود۔

ترجمہ: جان لو خدا تمہیں نیک بختی کی دولت عطا کرے، یہ سارے مسائل جو بیان کئے گئے ایمان، اسلام اور شریعت کی صورتیں ہیں (یعنی احکام ظاہرہ) اور شریعت کی حقیقت اور مغز کو اولیاء اللہ کی خدمتوں میں تلاش کرلینا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حقیقت اور (طریقت) شریعت کے خلاف ہے یہ بات سراسر جہالت اور کفر ہے یہی شریعت ہے جو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی خدمتوں میں (جاکر رنگ لاتی ہے) جب علاقہ دل جسمی اور غیر اللہ کی محبت کے تعلق سے پاک ہوجائے۔ اور نفس کی تمام خرابیاں دور ہوکر نفس مطمئنہ کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور (حق تعالیٰ کی بندگی میں) خلوص پیدا ہوجاتا ہے تو شریعت اس کے حق میں بامغز (حقیقت) ہوجاتی ہے اور اس کی نماز حق تعالیٰ کے دربار میں دوسرا رشتہ (احسان کا مقام عالی) پیدا کرلیتا ہے اور اس کی دو رکعتیں دوسروں کی لاکھ رکعت سے بہتر ہوتی ہے اور اسی طرح اس کا روزہ اور اس کا صدقہ (بھی) رسول پاک ﷺ نے فرمایاہے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کروگے ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر نہ ہوگا جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے خدا کی راہ میں دیاہے ان کہ یہ مرتبے قوت ایمان اور اخلاص کی وجہ سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے باطنی نور کو اولیاء اللہر حمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے سینوں سے ڈھونڈنا چاہئے۔ اور اسی نور سے اپنے سینوں کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر اچھی بری چیز صحیح فراست (دانائی) سے دریافت ہوجائے۔[1]

حدیث نمبر (۱۳)

وَ قَالَ مُعَاذُبْنُ جَبَلٍ: اعْلَمُو امَاشِئْتُمْ أَنْ تَعْلَمُو افَلَنْ يَأْجُرَ كُمْ بعلمه حتى تعلموا۔

[1] (مالابدمنہ، کتاب الاحسان، ۱۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم جو چاہو علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے علم پر ہرگز اجر نہ دے گا حتیٰ کہ تم عمل کرو۔[1]

حدیث نمبر (۱۴)

مفسر قرآن علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری، قرطبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (الْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَى ابْنِ آدَمَ (. فَهَذَا مِثْلُ علم بلعام وأشباهه، نعوذ بالله منه، ونسأل التَّوْفِيقَ وَالْمَمَاتَ عَلَى التَّحْقِيقِ۔

ترجمہ: اور حدیث طیبہ میں حضور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے: علم دو قسم کے ہیں ایک علم دل میں ہے وہی نفع بخش علم ہے اور ایک علم زبان کا ہے اور وہی ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ پس یہ بلعام اور اس جیسے لوگوں کے علم کی مثال ہے، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور ہم اس سے توفیق اور حق پر موت کی التجا کرتے ہیں۔[2]

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مراد دین علم است کہ متعلق است بکتاب وسنّت۔ وآں دو (۲) قسم است۔ (۱) مبادی (۲) مقاصد۔ مبادی علوم کہ موقوف است معرفتِ کتاب وسنّت بر آں مثل لغتہ ونحوً وصرف وجز آن از علومِ عربیّت ومقصد آں چہ متعلق است باعمال واخلاق وعقائد وایں ہمہ علمِ معاملہ است۔ وعلم مکاشفہ نوریست کہ بعد از سلوک طریق حق صدق معاملت در دل افتد کہ بدان معرفت حقائق اشیاء چنانکہ ہست منکشف گردد ومعرفت ذات وصفات وافعال حق سبحانہ وتعالی رونما ید واین را علم حقیقت وعلم وراثت خوانند بحکم حدیث (من علم بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم) ہر کہ عمل کند بآنچہ دانستہ وخواندہ است از علم ظاہر روزی گرداند وبخشند اوراخدا تعالی علم آنچہ ندانستہ ونہ خواندہ است وکریمہ: (واتقو الله ويعلمكم الله) نیز اشارت بلین معنی است وعلم ظاہر وباطن کہ گویند این معنی دارد ونسبت ہر دو بیکدیگر نسبت تن وجان وپوست ومغز است واحادیث وآیات کہ شان علم وفضیلت آن وارد شدہ شامل ہمہ این اقسام ست بر تفاوت ودرجات آن۔

---

[1] (تفسیر القرطبی، مقدمۃ المؤلف، باب کیفیۃ التعلم والفقہ، ج ۱، ص، ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر قرطبی، ج،۱، ص، ۲۶)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ: ۱۷۵، ج، ۷، ص، ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر قرطبی ج ۴، ص، ۳۷۶)

ترجمہ: (اس سے) مراد دین کا علم ہے جو کتاب و سنت کے متعلق ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک مبادی اور دوسرا مقاصد۔ مبادی علم وہ ہے جس کا انحصار قرآن و سنت کی پہچان پر ہے۔ مثلاً عربی علوم کی لغت نحو صرف اور اس سے متعلقہ دیگر اور مقاصد کا علم وہ علم ہے جو اعمال اخلاق اور عقائد کے متعلق ہیں اور یہ تمام علم معاملہ ہیں اور علم مکاشفہ ایک نور ہے جو طریق حق اور معاملات کے صدق کی منازل طے کرنے کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے اشیاء کی حقیقت جیسے کہ وہ ہیں منکشف ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات۔ صفات اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس کو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (وہ اس پر عمل کرتا ہے جو علم ظاہر سے اس نے حاصل کیا ہے اس کو نعمت سمجھے کیونکہ جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا اس کا علم اسے خداوند تعالیٰ نے بخشا ہے اور سورۃ بقرۃ کی آیت (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تمہیں علم سکھاتا ہے) میں بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور جس کو علم ظاہر و باطن کہتے ہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے اور دونوں (یعنی ظاہر و باطن) کا آپس میں جتنا گہرا تعلق ہے جیسے جسم اور روح یا چھلکا اور مغز اور ان علوم کی شان اور فضیلت کے بارے میں جو احادیث اور آیات ہیں وہ ان تمام مذکورہ اقسام کے فرق اور درجات پر شامل ہیں۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

علمی کہ از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات باقی ماندہ است، دو نوع است، علم احکام و علم اسرار عالمِ وراث کسی است کہ اورا از ہر دو نوع علم سہم بود، نہ آنکہ اورا از یک نوع نصیب بود، نہ از نوع دیگر کہ آن منافی وراثت است، چہ وراثت را از جمیع انواع رکہ مورث نصیب است، نہ از بعض دون بعض۔ وآنکہ اورا از بعض معین نصیب است، داخلِ غرماست کہ نصیب او بہ جنس حق او تعلق گرفتہ است۔

وہمچنین فرمودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام: علماء امتی کانبیآء بنی اسرائیل۔ مراد از علمائی، علماء وارثانند، نہ غرماکہ غیبیں از بعض ترکہ فرا گرفتہ اند، چہ وارث را بہ واسطہ قرب وجنسیت، ہیچو مورث می توان گفت، بخلاف غریم کہ از این علاقہ خالی است۔ پس ہر کہ وراثت نبود، عالم نباشد، مگر آنکہ علم اورا مقید بہ یک نوع سازیم و گوییم کہ عالم علم احکام است مثلاً و عالم مطلق آن بود کہ وارث باشد واز ہر دو نوع علم اورا لنصیب وافر بود۔

[1] (اشعۃ اللمعات، کتاب العلم، مقدمہ، ج، ا، ص، ۱۶۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ترجمہ: واضح ہو کہ جو علم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی و جاری ہے دو قسم کا ہے: (ایک) علم احکام (دوسرا) علم اسرار، اور (انبیاء کی) وراثت کا عالم (کہلانے کا مستحق) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں قسم کے علم سے بہرہ ور ہو، نہ یہ کہ صرف ایک قسم کا علم حاصل ہو اور دوسری قسم سے محروم ہو۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے، کیونکہ وارث کو مورث کے ہر قسم کے ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے، نہ کہ بعض میں حصہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔ اور وہ شخص جس کا حصہ کسی خاص معین تک محدود ہو وہ (وارث نہیں بلکہ) غربا (قرض خواہ) میں داخل ہے، جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے۔ اسی طرح آنحضرت حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔ اور علماء سے مراد علماء وارث ہیں نہ کہ غربا کہ جنہوں نے ترکہ کا بعض حصہ لیا، کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کی وجہ سے بھی مورث کے مانند کہہ سکتے ہیں بخلاف غریم کے کہ وہ اس تعلق سے خالی ہے لہٰذا جو شخص وارث نہیں وہ عالم نہیں، مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کر دیا جائے اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ وہ علم احکام کا عالم ہے اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے وافر حصہ حاصل ہو۔[1]

حضرتِ عالی امام ربانی مجددالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

سوال: پس وجوب معرفت۔ جل شانہ۔ بہ چہ معنی بود؟

جواب: وجوب معرفت بہ آن معنی است کہ ہر چہ شرع بہ آن وارد شدہ است، در معرفت ذات و صفات واجبی۔ جل شانہ۔ شناختن آن واجب است و ہر معرفتی کہ غیر از شریعت مستفاد می گردد، نزد فقیر آن را معرفت خدا گفتن، جرأت است و بہ ظن و تخمین بر حق۔ جل وعلا۔ حکم، کردن (است)۔ (اتقولون علی اللہ مالا تعلمون) (اعراف/۲۸)

مگر از اینجا گفتہ باشد، سراجِ امت و امام ائمہ (امام اعظم کوفی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبحانک ماعبدناک حق عبادتک، ولکن، عرفناک حق معرفتک۔ اگرچہ این قول بر اکثری گران است، اما قابل توجیہِ وجیہ است، زیراکہ حقِ معرفت آن است کہ حق۔ سبحانہ۔ را بہ جمیع آنچہ شریعت بہ آن ناطق گشتہ است، از کمالات و تنزیہات و تقدسیات او تعالیٰ شناختہ شود، چہ ماورای آن از معرفت چیزی نماندہ است، کہ مانع حق معرفت گردد۔

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۸، ج ۱، ص ۵۹۴، مرکز پخش: زاهدان، خیابان خیام، صدیقی، تهران)

سوال: پس خدا تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے؟

جواب: وجوب معرفت اس معنی سے ہے کہ شریعت میں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے۔ اور ہر وہ معرفت جو شریعت کے علاوہ مستفاد ہو اس کو اس فقیر کے نزدیک خدا عزوجل کی معرفت کہنا جرأت سے اور ظن و تخمین سے خدا تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔

أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الأعراف ۲۸)

کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

شائد اسی لئے کہ سراج الامت اور امام الائمہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہا ہو:

"پاک ہے تو ہم نے تیری عبادت جس طرح تیرا حق تھا نہیں کی ہے لیکن جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا ہم نے تجھے پہچان لیا ہے"۔

اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن معقول توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات وغیرہ سے پہچانا جائے۔ کہ ان سے باہر معرفت کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جو کہ حق معرفت کو مانع ہو۔[1]

حدیث نمبر (۱۵)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

ترجمہ: اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور بیشک انبیاء علیہم السلام نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا وہ تو اپنے پیچھے علم ہی کو وارث چھوڑ کر جاتے ہیں تو جس نے یہ علم حاصل کر لیا اس نے دین و سعادت کا مکمل حصہ پا لیا۔[2]

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

ولا یکون الخلیفة الا من جمع المقاصد الثلاثة التی ذکرناها، وحفظ الکتاب والسنة، تدرّب فی قوانین السلوک وتربیة السالکین۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲، ج۲، ص۷۰۷، مرکز پخش: زاهدان، خیابان خیام، صدیقی، تهران)

[2] (مسند امام احمد، ج۵، ص۱۹۶، وسنن الترمذی، رقم: ۲۶۸۲، وسنن ابو داؤد، رقم: ۳۶۴۱، وسنن ابن ماجه، ۲۲۳، وسنن الدارمی، ۳۴۲، ومشکوٰة المصابیح کتاب العلم، رقم: ۲۱۲، ص۳۴، مطبوعه قدیمی کتب خانه کراچی)

ترجمہ: خلیفہ رسول صرف وہ شخص ہو گا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو یاد کیا ہو اور قوانین علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو۔[1]

انبیاء علیہم السلام تین اغراض کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں:

(۱) تصحیح عقائد (۲) تصحیح اعمال (۳) تصحیح اخلاص

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

وقد تکفل بفن الاول اهل الاصول من علماء الامة وقد تکفل بفن الثانی فقهاء الامة فهدی الله بهما کثیرین وقد تکفل بفن الثالث الصوفیة رضوان الله علیهم۔

ترجمہ: پہلا فن تصحیح عقائد کے کفیل علماء اصول ہوئے ہیں، دوسرا فن اعمال کی تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوئے ہیں، تیسرا فن خلوص واحسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوئے ہیں۔[2]

دین میں تصوف کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

والذی نفسی بیده هذا الثالث أدق المقاصد الشریعة مأخذا واعمقها محتدا وهو بالنسبة الی سائر الشرائع بمنزلة الروح من الجسد، وبمنزلة المعنی من اللفظ۔

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن (تصوف) مقاصد شرعیہ کے ماخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے، اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے اور لفظ کے لئے معنی کی ہے۔[3]

حدیث نمبر (۱۶)

وَعَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: الْعِلْمُ عِلْمَانِ: فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَلِکَ حُجَّةُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ. رَوَاہُ الدَّارِمِيُّ۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کے تحت وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ یُحْمَلُ الْأَوَّلُ عَلَى عِلْمِ الْبَاطِنِ، وَالثَّانِي عَلَى عِلْمِ الظَّاهِرِ، لَکِنْ فِیهِ أَنْ لَا یَتَحَقَّقَ شَيْءٌ مِنْ عِلْمِ الْبَاطِنِ إِلَّا بَعْدَ التَّحَقُّقِ بِإِصْلَاحِ الظَّاهِرِ کَمَا أَنَّ عِلْمَ الظَّاهِرِ لَا یَتِمُّ إِلَّا بِإِصْلَاحِ الْبَاطِنِ، وَلِذَا قَالَ الْإِمَامُ مَالِکٌ: مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ

---

[1] (تفهیمات الٰهیه، ج، ۱، ص، ۹، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدهلوی حیدر آباد)

[2] (تفهیمات الٰهیه، ج، ۱، ص، ۸، ۷، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدهلوی حیدر آباد، بحذفٍ)

[3] (تفهیمات الٰهیه، ج، ۱، ص، ۸، ۷، مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدهلوی حیدر آباد)

تَفَسَّقَ، وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ، وَقَالَ أَبُو طَالِبٍ الْمَكِّيُّ: هُمَا عِلْمَانِ أَصْلِيَّانِ لَا يَسْتَغْنِي أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ مُرْتَبِطٌ كُلٌّ مِنْهُمَا بِالْآخَرِ، كَالْجِسْمِ وَالْقَلْبِ لَا يَنْفَكُّ أَحَدٌ عَنْ صَاحِبِهِ۔

حدیث مبارکہ میں پہلے علم سے مراد علمِ باطن ہے، اور دوسرے (علم سے مراد) علمِ ظاہر ہے۔ علمِ باطن میں ثابت قدمی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ظاہر کی اصلاح نہ ہو جیسا کہ علمِ ظاہر کا تام علمِ باطن کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا وہ بے دینی کا شکار ہو گیا، اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف و فقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہو گیا، اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ تحقیق کے مقام پر فائز ہو گیا۔ کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے۔ اور امام ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ علمِ باطن اور علمِ ظاہر یہ دونوں بنیادی علوم ہیں جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، یہ بمنزلہ اسلام اور ایمان کے ہیں، ہر ایک ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جیسا کہ جسم اور قلب دونوں میں سے کوئی ایک صاحب سے جدا نہیں ہو سکتا۔[1]

حدیث نمبر (۱۷)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نااہلوں اور ناقدروں کو علم سکھانے والا سؤر کے گلے میں جواہر، موتی اور سونے کا ہار پہنانے والے کی طرح ہے۔[2]

اس حدیث مبارکہ کے تحت شیخ ابو حفص سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واختلف العلماء في العلم الذي هو فريضة.

قال بعضهم: هو طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفوس وما يفسد الأعمال، لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به. قال الله تعالى: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ} وقال بعضهم: معرفة الخواطر وتفصيلها فريضة، لأن الخواطر هي أصل الفعل ومبدؤه ومنشؤه، بذلك يعلم الفرق بين لمة الملك ولمة الشيطان، فلا يصح الفعل إلا بصحتها، فصار علم ذلك فرضاً۔۔۔۔ (الی ان قال) وقيل: هو طلب علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقيناً، وهذا العلم

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۳۳۴، الناشر: دار الفكر، بيروت-لبنان)
[2] (سنن ابن ماجه، ص ۲۰، قديمي كتب خانه، كراچي)

هو الذي يكتسب بالصحبة و مجالسة الصالحين من العلماء الموقنين و الزهاد المقربين الذين جعلهم الله تعالى من جنوده يسوق الطالبين إليهم ويقويهم بطريقهم ويرشدهم بهم، فهم وراث علم النبي عليه السلام۔

ابو حفص سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں وہ علم جو فرض ہے اس میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ علم الاخلاص ہے اور نفس کو پہچاننا ہے اور ان اعمال کو پہچاننا جو اخلاص کو فاسد کرتے ہیں کیونکہ اخلاص بھی مامور بہ میں سے ہے، جیسے کہ عمل مامور بہ میں سے ہے۔ کیونکہ نفس کا دھوکہ اور اس کا غرور اور اس کی شہوات اخلاص کی بنیادوں کو خراب کر دیتا ہے (وہ اخلاص جو مامورات بہ میں سے ہے) پس اس علم کا حصول فرض ہوا۔۔۔۔ اور کسی نے کہا کہ اس سے مراد علمِ باطن ہے جس سے انسان کو مزید یقین حاصل ہو جاتا ہے جو کہ صالحین، مقربین، زاہدین کی صحبت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور یہی لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل ورثاء ہیں۔ [1]

مسلم شریف کی روایت اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی دعا میں فرماتے تھے:

اللهم اني اعوذبک من نفس لا تشبع و من علم لا ينفع۔

ترجمہ: اے اللہ عزوجل میں اس نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع مند نہ ہو۔

طبرانی نے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا:

كل علم وبال على صاحبه الا من عمل به۔

ہر علم اس کے صاحب پر وبال ہے مگر وہ علم جس پر اس نے عمل کیا

ایک اور مرفوع حدیث میں ہے:

اشد الناس عذابا يوم القيمة لم ينفعه بعلمه۔

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا (عمل نہ کیا)۔ انتهى [2]

حدیث نمبر (۱۸)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

---

[1] (سنن ابن ماجه، ص ۲۰، حاشية ۵)

[2] (لواقح الانوار القدسية في بيان العهود المحمدية، ص ۵۰۹، الحديقة الندية في الطريقة النقشبندية، ص ۴۷، مكتبة الحقيقة، تركيا)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔[2]

حدیث نمبر (۱۹)

عن معاویۃ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔

ترجمہ: حضرت سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا حسد ایمان کو ایسا بگاڑتا ہے، جس طرح ایلوا (اندرائن، تمہ) شہد کو بگاڑتا ہے۔[3]

حدیث نمبر (۲۰)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ قال: ”لا تحاسدوا ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا“۔

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آپس میں حسد نہ کرو، نہ بغض کرو، نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔[4]

حدیث نمبر (۲۱)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ“۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ، باب الحسد، رقم ۴۲۱۰، سنن ابو داؤ، باب فی الحسد، رقم ۴۹۰۳، مسند البزار، رقم ۲۲۱۲، شعب الایمان رقم ۲۱۸۴، معجم ابن عساکر رقم ۱۴۲۱)

[2] (سنن ابن ماجہ، باب الحسد، رقم: ۴۲۱۰، سنن ابو داؤ، باب فی الحسد، رقم: ۴۹۰۳، مسند البزار، رقم: ۲۲۱۲، شعب الایمان، ۲۱۸۴، معجم ابن عساکر، رقم: ۱۴۲۱)

[3] (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، للسیوطی، حرف الحاء، الحدیث ۳۸۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، کنز العمال، رقم الحدیث ۷۴۳۷، ج ۳، ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (صحیح البخاری، کتاب الادب، رقم الحدیث: ۶۰۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا مگر جو صرف اور صرف اس کی رضا کے لئے ہو۔[1]

حدیث نمبر (۲۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ"۔

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔[2]

مذکورہ بالا احادیث کے تحت حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

و کل ما يترتب عليه الفروض الاعيان فهو فرض عين۔

ہر وہ عمل جس پر فرض عین کی ادائیگی مرتب ہوتی ہے وہ فرض عین ہے۔[3]

حدیث نمبر (۲۳)

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال: رسول اللہ ﷺ طلب العلم فریضة علی کل مسلم (و فی روایة: و مسلمة)۔

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔[4]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع والعلم بوحدانيته ونبوة رسوله وكيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عينٍ، وأما بلوغ رتبة الاجتهاد والفتيا ففرض كفايةٍ. قال الأبهري: واختلف في العلم الذي هو فرضٌ وتحزبوا فيه أكثر من عشرين فرقةً، فكان فريقٌ نزل الوجوب على العلم الذي بصدده اهـ. قال الشيخ العارف

---

[1] (سنن النسائی فی کتاب: الجهاد، باب: من غزا یلتمس الاجر و الذکر، ج، ۲، ص، ۵۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، کنز العمال، ج، ۳، ص، ۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (مسلم فی کتاب: البر و الصلة و لاداب، باب تحریم ظلم المسلم و خذله و احتقاره و دمه ماله و عرضه، ج، ۲، ص، ۳۱۷، مطبوعہ قدیمی کتب کانہ کراچی، کنز العمال، ج، ۳، ص، ۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تفسیر مظہری، سورۃ التوبہ، تحت الآیۃ: ۱۲۲، ج، ۳، ص، ۳۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (رواہ ابیہقی فی شعب الایمان، وسنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، و مسند امام اعظم، سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار، ص، ۸۷، مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ شاہ عالم گیٹ لاہور، اشعۃ اللمعات، ج، ۱، ص، ۴۹۹، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور، طریقہ محمدیہ، ج، ۱، ص، ۸۹، مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کانسی روڈ، کوئٹہ)

الرباني السهروردي: اختلف في هذا العلم الذي هو فريضةٌ. قيل: هو علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد الأعمال لأن الإخلاص مأمورٌ به، فصار علمه فرضًا آخر، وقيل: معرفة الخواطر وتفصيلها فريضةٌ لأن الخواطر هي منشأ الفعل، وبذلك يعلم الفرق بين لمة الشيطان ولمة الملك، وقيل: هو طلب علم الحلال حيث كان أكل الحلال واجبًا، وقيل: علم البيع والشراء والنكاح إذا أراد الدخول في شيءٍ منها، وقيام علم الفرائض الخمس، وقيل: هو طلب علم التوحيد بالنظر والاستدلال والنقل، وقيل: هو طلب علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقينًا، وهو الذي يكتسب بصحبة الصالحين والزهاد المقربين، فهم وراث الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين اهـ. فإن قيل: ما الفرض قبل الفرض؟ فقل: العلم قبل العمل، وإن قيل: ما الفرض في الفرض؟ فقل: الإخلاص في العلم والعمل، وإن قيل: ما الفرض بعد العمل؟ فقل: الخوف والرجاء.

شراح نے فرمایا: بندہ کے لیے جس علم کا سیکھنا مراد ہے، جیسے صانع کی معرفت اور اس کی واحدانیت کا علم اور نبوت اور اس کے رسول کا علم اور نماز کا طریقہ، پس ان کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے، اور اجتہاد اور فتویٰ کے مرتبہ کو پہنچنا فرض کفایہ ہے۔ ابہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ علم کہ جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء ۲۰ سے زیادہ جماعتوں میں بٹ گئے، ہر فریق نے اسی علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا جس علم میں وہ فریق خود مشغول تھا۔ اھ۔

شیخ عارف ربانی شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس علم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے: کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخلاص کا علم، اور نفس کی آفتوں اور اعمال کو مفسد کرنے والے امور کی معرفت مراد ہے۔ چونکہ اخلاص امور بہ ہے، چنانچہ اس کا علم ایک دوسرا (مستقل) فرض ہے۔ کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، اور اس کی تفصیل فرض ہے۔ چونکہ خواطر ہی فعل کا منشاء ہے۔ اور اسی سے شیطانی وسوسہ اور فرشتہ کے الہام میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد طلب علم حلال ہے، چونکہ حلال کھانا واجب ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد بیع و شراء اور نکاح کا علم ہے، جب کہ یہ کام سر انجام دینے کا ارادہ ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ علم میراث کا پانچواں حصہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے اس سے مراد علم توحید کو نظر و استدلال اور نقل کے ساتھ طلب کرنا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم باطن کا طلب کرنا ہے یعنی وہ علم کہ جس کے ذریعے بندہ کا اللہ کی ذات پر یقین بڑھتا ہے، یہ وہ علم ہے جو صالحین اور زہاد کی صحبت میں حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ اھ۔ گر یہ سوال کیا جائے کہ فرض سے پہلے کونسا فریضہ ہے؟ تو اس کا جواب ہے

کہ اپنے عمل سے پہلے علم۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرض میں کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے علم و عمل میں اخلاص۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ عمل کے بعد کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے، خوف و رجاء۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرؤف مناوی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اختلف في العلم الذي هو فريضة قيل هو علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد العمل لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به وخدع النفس وغرورها وشهواتها يخرب مباني الإخلاص فصير علمه فرضا وقيل معرفة الخواطر وتفصيل عللها منشأ الفعل وذلک يفرق بين لمة الملک ولمة الشيطان۔ وقيل علم نحو البيع والشراء وقيل علم التوحيد بالنظر والاستدلال والنقل علم الباطن وهو مى[ايزداد به العبد يقينا وهو الذي يكتسب لصحبة الأولياء فهم وراث المصطفى صلى الله عليه وسلم۔

علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر و غرور، اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ و برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ اور کہا گیا ہے کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشوونما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ خرید و فروخت کا علم ہے اور کہا گیا ہے کہ غور فکر اور استدلال کے ذریعے توحید کا علم ہے اور باطنی علم کو منتقل کرنا اور یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے بندہ کا یقین زیادہ ہوتا ہے اور یہ علم وہ ہے جس کو اولیاء کی صحبت سے حاصل کیا جاتا ہے، پس وہ مصطفیٰ ﷺ کے وارث ہیں۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

قيل هو علم الإخلاص بمعرفته آفات النفوس، وما يفسد الأعمال، لأن الإخلاص مأمور به، وقيل: معرفة الخواطر، إذ به يعرف الفرق بين لمة الملک، ولمة الشيطان۔

یعنی کہا گیا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، کیونکہ اس سے فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق کی پہچان ہوتی ہے۔[3]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، ج، ۱، ص، ۴۳۴، مکتبہ رشیدیہ، کوءٹہ)
[2] (فیض القدیر، ج، ۴، ص، ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[3] (شرح مسند ابی حنیفۃ، ص، ۵۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)ی[۸

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وصوفیہ گویند کہ مراد علم اخلاص ومعرفت آفات نفوس وخواطر وتفاصیل آنست۔

یعنی اور صوفیاء کرام فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد اخلاص، نفس کی آفات کی معرفت اور خواطر اور رذائل نفس کی تفصیلات کا علم ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ المشائخ امام شہاب الدین سہروردی لکھتے ہیں:

واختلف في العلماء فی العم الذي هو فريضة۔ قال بعضهم: هو طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد الاعمال، لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به۔ قال الله تعالى: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البينة ۵) فالاخلاص مأمور به، وخدع النفس وغرورها ودسائسها وشهواتها الخفية يخرب مباني الإخلاص المأمور به، فصار علم ذلك فرضاً حيث كان الاخلاص فرضاً، وما لا يصل العبد الى الفرض الا به، فصار فرضاً۔ وقال بعضهم: معرفة الخواطر وتفصيلها فريضة، لان الخواطر هى اصل الفعل مبدؤه ومنشؤه، وبذلك يعلم فرق بين لمة الملك ولمة الشيطان، فلا يصح الفعل الا بصحتها، فصار علم ذلك فرضاً حتى يصح الفعل من العبد لله۔ وقال بعضهم: هو طلب الوقت۔ وقال سهل بن عبد الله: هو طلب علم الحال يعنى حكم حاله الذى بينه وبين الله تعالى فى دنياه وآخرته۔ وقيل: هو طلب علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقيناً، وهذا العلم الذى يكتسب بالصحبة ومجالسة الصالحين من العلماء الموقنين والزهاد المقربين الذين جعلهم الله تعالى من جنوده يسوق الطالبين اليهم ويقويهم بطريقهم ويرشدهم بهم، فهم وارث علم النبى عليه السلام ومنهم من يتعلم علم اليقين۔

ترجمہ: "علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے جیسا کہ عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البينة ۵) "اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نِرے اسی پر عقیدہ لاتے" اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر و غرور، اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشو و نما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے اور فعل کی صحت بغیر اس کی صحت کے نہیں ہو سکتی، پس ایسا علم حاصل کرنا فرض ہو گیا جو بندے کے افعال

[1] (اشعۃ اللمعات، کتاب العلم، ج ۱، ۱۷۳، مکتبہ رشدیہ، کوئٹہ)

کو اللہ کے لیے درست کر سکے۔ بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ وہ علم، علم الوقت ہے جس کی صراحت اس قول سے ہو گی کہ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری رحمتہ علیہ اللہ نے فرمایا کہ علم الوقت یہ ہے کہ علم حال کی طلب کی جائے، یعنی اس سے وہ حکم حال مراد ہے جو دنیا وآخرت میں اس کے اور بندے کے مابین وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کا ارشاد ہے کہ جس علم کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ علم باطن کا طلب کرنا ہے کہ اس سے بندے کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ علم بھی صالحین کی مجالست اور صحبت میں حاصل کیا جا سکتا ہے، یہ صالحین وہ ہیں جو علمائے موقنیں اور زہاد مقربین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر بتایا ہے اور طالبین ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے طریقے پر گامزن ہو کر قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان سے رشد وہدایت پاتے ہیں اور یہی لوگ علم رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں جن سے علم الیقین کو حاصل کیا جا سکتا ہے (علم الیقین کی تعلیم دیتے ہیں)۔"[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں سیدنا شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی، حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۶۱ھ، لکھتے ہیں:

والمراد منه علم المعرفة والقربة۔

"اور اس سے مراد علم معرفت اور قرب الٰہی ہے۔"[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال عالمنا أبو محمد سهل رحمه الله: أراد بذلک علم حال يعني علم حال العبد من مقامه الذي أقيم فيه بأن يعلم أحدكم حاله الذي بينه وبين الله عزّ وجلّ في دنياه وآخرته خاصة فيقوم بأحكام الله تعالى عليه في ذلک۔

ہمارے عالم ابو محمد سہل نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں طلب علم سے مراد علمِ حال ہے یعنی بندہ جس مقام پر ہے اس کے حال کا علم کہ تم میں سے ایک آدمی خاص کر کے اس حالت کا علم رکھے جو کہ دنیا و آخرت میں اس اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے، چنانچہ وہ اس میں ہی احکامِ الٰہی پر چلتا ہے۔[3]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض العارفين (العراقين): معناه طلب علم المعرفة وقيام العبد بحكم ساعته وما يقتضي منه في كل ساعة من نهاره۔

---

[1] (عوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (سر الاسرار ومظہر الانوار فیمایحتاج الیہ الابرار، الفصل الخامس، ص، ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، وعوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، واتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ہو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی عارفین (عراقین) فرماتے ہیں: اس حدیث پاک کا مطلب ہے علمِ معرفت طلب کرنا اور بندے کا اس کی ساعت کے حکم پر قائم رہنا اور دن کی ہر گھڑی میں جو بھی تقاضا ہو، اسے پورا کرنا ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال بعض علماء الشام إنما عنى به طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس ووساوسها ومعرفة مكايد العدو وخدعه وغروره وما يصلح الأعمال ويفسدها فريضة كله من حيث كان الإخلاص في الأعمال فريضة ومن حيث أعلم بعداوة إبليس ثم أمر بمعاداته وذهب إلى هذا القول عبد الرحيم ابن يحيى الأرموي ومن تابعه۔

علمائے شام فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی اس سے مراد علم اخلاص طلب کرنا ہے، نفسانی آفات ووسواس کو پہچاننا، دشمن کی مکاریوں اور دھوکہ دہی سے آگاہ ہونا اور اعمال کو فاسد کرنے والے اور خراب کرنے والے امور سے واقف ہونا، ان کی طلب فرض ہے اس لیے کہ اعمال میں اخلاص اختیار کرنا بھی فرض ہے۔ اور آپ ﷺ ابلیس کی دشمنی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے اس کی عداوت کا حکم دیا۔ عبد الرحیم ابن یحیٰ ارموی اور ان کے تابعین کا یہ فرمان ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال بعض البصريين في معناه: طلب علم القلوب ومعرفة الخواطر وتفصيلها فريضة لأنها رسل الله تعالى إلى العبد ووسواس العدوّ والنفس فيستجيب لله تعالى بتنفيذ ما منه إليه ومنها ابتلاء الله تعالى للعبد واختبار تقتضيه مجاهدة نفسه في نفيها ولأنها أول النية التي هي أول كل عمل وعنها تظهر الأفعال وعلى قدرها تضاعف الأعمال فيحتاج أن يفرق بين لمة الملک ولمة العدوّ وبين خاطر الروح ووسوسة النفس وبين علم اليقين وقوادح العقل ليميز بذلک الأحكام، وهذا عند هؤلاء فريضة وهو مذهب مالک بن دينار وفرقد السنجي وعبد الواحد بن زيد وأتباعهم من النساک وقد كان أستاذهم الحسن البصري يتكلم في ذلک وعنه حملوا علوم القلوب۔

علمائے بصری عالم اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ "علم قلوب کا حصول مراد ہے، اس لیے کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور ان کی تفاصیل سے آگاہ ہونا فرض ہے۔ کیونکہ یہ خیالات بندے کے پاس اللہ کی جانب سے آئیں تو پیغام رساں ہوتے ہیں اور شیطان اور نفس کی طرف جانب سے ہوں تو وسواسہ کہلاتے ہیں۔ پس بندے کو چاہءے کہ کہ اللہ کی جانب سے پیدا ہونے والے خیالات پر لبیک کہے کہ انہی خیلات کے سبب اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے اور اس کا امتحان لیتا ہے اور جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ بندہ شیطانی وسوسوں کو دل سے جھٹک دے، کیونکہ یہ خیالات اس نیت کی ابتدا کا باعث بنتے ہیں جو ہر

---

[1] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، واتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ھو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، واتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ھو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عمل کے شروع میں ہوتی ہے، پھر اس نیت کے مطابق اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق اعمال کا اجر بڑھتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بندہ اچھے اور برے خیالات کے درمیان فرق کرے اور شیطانی، روحانی اور نفسانی خیالات کو پہچانے، علم یقین اور عقلی دلاءل میں فرق کرے تاکہ ان سب کے احکام میں فرق کر سکے کیونکہ ایسا کرنا بندے پر فرض ہے۔ یہ مذہب حضرت سیدنا مالک بن دینار، حضرت سیدنا عبدواحد بن زید اور ان کے ماننے والوں کا ہے۔ ان سب کے استاد حضرت سیدنا حسن بصری ہیں جو اس معاملے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان سب نے انہی سے علوم قلوب حاصل کئے۔"[1]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وعلم الإخلاص داخل في صحة الإسلام إذ لا يكون مسلماً إلا بإخلاص العمل لقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثلاث لا يغلّ عليهن قلب مسلم: إخلاص العمل لله فبدأ به واشترط للإسلام۔

اور اسلام کے درست ہونے میں علم اخلاص داخل ہے کیونکہ کوئی بھی خالص عمل کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین امور ایسے ہیں جن میں ایک مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ اور پھر ان میں سے ایک کا تذکرہ یوں فرمایا: اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا۔[2]

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے آغاز فرمایا اور اس کو اسلام کی شرط قرار دیا۔[3]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واختلف الناس في العلم الذي هو فرض على كل مسلم فتفرقوا فيه أكثر من عشرين فرقة ولا نطيل بنقل التفصيل ولكن حاصله أن كل فريق نزل الوجوب على العلم الذي هو بصدده فقال المتكلمون هو علم الكلام إذ به يدرك التوحيد ويعلم به ذات الله سبحانه وصفاته وقال الفقهاء هو علم الفقه إذ به تعرف الْعِبَادَاتُ وَالْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَمَا يُحَرَّمُ مِنَ الْمُعَامَلَاتِ وما يحل وعنوا به ما يحتاج إليه الآحاد دون الوقائع النادرة وقال المفسرون والمحدثون هو علم الكتاب والسنة إذ بهما يتوصل إلى العلوم كلها وقال المتصوفة المراد به هذا العلم فقال بعضهم هو علم العبد بحاله ومقامه من الله عز وجل وقال بعضهم هو العلم بالإخلاص وآفات النفوس وتمييز لمة الملک من لمة الشيطان وقال بعضهم هو علم الباطن۔

---

[1] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، واتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ھو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (سنن ابو داؤد، فی العلم، باب، ۱۰، وسنن الترمذی، فی العلم، باب ۷، وسنن ابن ماجہ، فی المقدمۃ، بان، ۱۸، المناسک، باب، ۷۶، والترغیب والترھیب، ج، ۱، ص، ۶۱)

[3] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جو علم کہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اس میں لوگوں کا اختلاف ہے اسی بارے میں بیس سے زیادہ فرقے ہو گئے ہیں ہم سب کی تفصیل نہیں لکھتے حاصل اختلاف یہی ہے کہ ہر فرقے نے واجب ہونا اسی علم کا کہا ہے جس کے درپئے وہ خود تھا مثلا کلام علم کی غرض علم کلام ہے اسی لئیے کہ توحید اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات کا علم اسی سے ہوتا ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ وہ علم فقہ ہے اس وجہ سے کہ اس سے عبادت اور حلال اور حرام اور معاملات میں سے جائز ناجائز معلوم ہوتے ہیں اور علم فقہ سے انکی غرض وہ ہے جس کی طرف ہر ایک کو حاجت ہے نہ وہ معاملات جو بہت کم واقع ہوتے ہیں اور مفسر و محدچ فرماتے ہیں کہ وہ علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے انہی دونوں سے دیگر تمام علوم حاصل ہوتے ہیں اور اہل تصوف کہتے ہیں کہ اس سے غرض ہمارا علم ہے پس ان میں سے کچھ یوں کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے حال کا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے کلام کا علم مراد ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ وہ علم اخلاص اور نفس کی آفتوں اور شیطان کے خطروں اور فرشتے کے الہام میں تمیز کرنے کا ہے اور بعض کا ارشاد ہے کہ وہ علم باطن ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فاعلم ان العلوم التی طلبها فرض فی الجملة ثلاثة: علم التوحید ،وعلم السر، واعنی و ما یتعلق بالقلب و مساعیه، وعلم الشریعة و اما حد یجب من کل واحد منها،فالذي یتعین فرضه من علم التوحید ما تعرف به أصول الدین۔۔و اما الذی یتعین فرضه من علم السر معرفة مواجبه و مناهیه، حتی یحصل لک تعظیم اللہ سبحانه و الإخلاص (له) و النیة و سلامة العمل، و اما (مایتعین) من علم الشریعة کل ما یتعین علیک فرض فعله، و جب علیک معرفته لتؤدیه۔

جن علوم کی طلب فرض ہے وہ تین ہیں:

(۱) علم توحید

(۲) علم سر: یعنی جس علم کا تعلق دل اور دل کے متعلقات سے ہے

(۳) علم شریعت

لیکن ان تین علوم سے اتنی مقدار لازم اور ضروری ہے جس لازم وضروری امور کی پوری پوری معرفت ویقین ہو جائے۔ علم توحید سے اتنا ضروری ہے جس سے دین کے اصول معلوم ہو جائیں۔ اور علم سر سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے صفاتی قلب کے اسباب معلوم ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جاءے کہ کس چیز سے دل کو پاک کرنا ضروری ہے تا کہ دل میں میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور تعظیم اور اعمال میں اخلاص پیدا ہو۔ نیز ان امور کو جاننا بھی ضروری ہے جن سے نیت درست رہ سکے۔ اور ظاہری

[1] (احیاءعلوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی، ج، ۱، ص، ۲۹، المکتبة التوفیقیة، القاهر، مصر)

وباطنی اعمال وعبادات، ظاہری وباطنی آفات سے محفوظ رہ سکیں۔اور علم شریعت سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ امور ضروری ہیں۔ تاکہ انہیں ادا کیا جاسکے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَعلم لقلب وَمَعْرِفَة أمراضه من نَحْو حسد وَعجب ورياء قَالَ الْغَزالِيّ فرض عين۔

اور دل اور اس کے امراض کی معرفت کا علم جیسے حسد، اور عجب، اور ریاء امام غزالی فرماتے ہیں فرضِ عین ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حضرت سید مظفر علی شاہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

علمے کہ طلب آں بر کاری مسلمان فریضہ است نزدیک علماء مختلف فیہ است بعضے گفتہ اند علم اخلاص زیراکہ ہمچناں عبادت حق فرض است اخلاص در عبادت ہم فرض است چناچہ علم عمل فرض بود علم اخلاص ہم فرض بود بعضے گویند علم آفات اخلاص است یعنے نفوس کہ ظہور آن مخرب قاعدہ اخلاص است پس علم اخلاص موقوف بود بر علم صفات نفوس وہر چہ واجی برو موقوف بود آن ہم واجب باشد۔

ترجمہ: وہ علم کہ جس کا طلب کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ علم اخلاص مراد ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کی عبادت فرض ہے، عبادت میں اخلاص بھی فرض ہے، چونکہ عمل کے لیے علم فرض ہوتا ہے تو اخلاصِ عمل کے لیے بھی علم فرض ہوتا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ اخلاص کی آفات کا علم مراد ہے، یعنی نفس کی صفات کہ ان کا ظہور اخلاص کی بنیاد کو خراب کر دیتا ہے، پس اخلاص کا علم، نفس کی صفات کے علم پر موقوف ہوتا ہے اور ہر وہ کام جس پر واجب موقوف ہوتا ہے، وہ کام بھی واجب ہوتا ہے۔[3]

حدیث نمبر (۲۴)

وَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: اعْلَمُوا مَا شِئْتُمْ أَنْ تَعْلَمُوا فَلَنْ يَأْجُرَكُمُ بعلمه حتى تعلموا ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم جو چاہو علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے علم پر ہرگز اجر نہ دے گا حتیٰ کہ تم عمل کرو۔[4]

---

[1] (منہاج العابدین، ص، ۶۵،۶۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)
[2] (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج، ۱، ص، ۱۶۴، مکتبۃ امام الشافعی، الریاض، السعودیۃ)
[3] (جواہر غیبی، کنز سوم، ص، ۱۶۲، مکتبہ رحمانیہ، ارگ بازار، قندھار، افغانستان)
[4](تفسیر القرطبی، مقدمۃ المؤلف، باب کیفیۃ التعلم والفقہ، ج، ۱، ص، ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (تفسیر قرطبی، ج،۱، ص، ۲۶)

حدیث نمبر (۲۵)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے اور ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کے لئے آگاہ ہونے کی جگہ ہے۔[1]

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی ہر آیتی از قرآن را ظاہری و باطنی مراد بظاہر انچہ ہمہ اہل زبان می فہمند و باطن انچہ۔ بندگان خاص حق تعالیٰ بران مطلع اند یا مراد بظاہر انچہ بیان می کنند آن را تفسیر و باطن انچہ کشف می نماید۔

پس مطلع ظہر تعلیم عربیت است وعلومیکہ ظاہر معنی قرآن بدان متعلق است و معرفت اسباب نزول وناسخ منسوخ وامثال آن و مطلع بطن ریاضت واتباع ظاہر عمل بمقتضائی آن تزکیہ نفس وتصفیہ قلب وتحلیہ روح و تخلیہ سر کہ بعد از حصول آن بر بطون قرآن اطلاع افتد۔

یعنی قرآن پاک کی ہر آیت کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ظاہر سے وہ مطالب مراد ہیں جنہیں تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور باطن سے وہ اسرار اور رموز مراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آگاہ ہوتے ہیں یا ظاہر سے مراد وہ معانی جو تفسیر سے معلوم ہوتے ہیں اور باطن سے وہ جو تاویل سے منکشف ہوتے ہیں۔

پس ظاہر کا مطلع (آگاہ ہونے کی جگہ) عربیت اور علوم کا سیکھنا ہے جن کے ساتھ قرآن ظاہر معنی تعلق رکھتا ہے اور سباب نزول کی معرفت اور ناسخ و منسوخ وغیرہ اور باطن کا مطلع ریاضت و مجاہدہ یا ظاہر شرع کی اتباع، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، روح کا تجلیہ اور سر کا تخلیہ ہے جس کے حصول کے بعد قرآن کے بطون سے آگاہی نصیب ہوتی ہے۔[2]

---

[1] (رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، رقم: ۲۳۸، ص، ۳۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (اشعۃ اللمعات، ج، ۱، ص، ۱۷۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ) (اشعۃ اللمعات، ج، ۱، ص، ۵۰۷)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ، لکھتے ہیں:

یعنی قرآن کی ہر آیت کی ظاہری مراد بھی ہے اور باطنی بھی، ظاہری مراد اس کا لفظی ترجمہ ہے باطنی مراد اس کا منشاء اور مقصد، یا ظاہر شریعت ہے اور باطن طریقت یا ظاہر احکام ہیں اور باطن اسرار یا ظاہر وہ ہے جس پر سب علماء مطلع ہیں اور باطن وہ جس سے صوفیائے کرام خبردار ہیں۔

یا ظاہر وہ جو نقل سے معلوم ہو باطن وہ جو کشف سے معلوم ہو جیسے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ (التوبة ۱۲۳)

ترجمہ: اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو۔

باطن یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اور اعانت یار سے جہاد کرو۔ نیز فرماتے ہیں قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں چنانچہ اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہوتا ہے یا ظاہر قال سے اور باطن حال سے یا ظاہر نحو سے باطن فنا اور محو سے یا ظاہر کتابوں سے اور باطن کسی کی نظر سے۔[1]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

ولعمري أن الظاهر والباطن علمان لا يستغني أحدهما عن صاحبه بمنزلة الإسلام والإيمان مرتبط كل واحد بالآخر كالجسم والقلب لا ينفک أحدهما عن صاحبه۔

ترجمہ: میری عمر کی قسم! (حقیقت یہ ہے کہ) ظاہر وباطن دو علم ہیں اور جیسے کہ اسلام اور ایمان دونوں لازمی ہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک کا دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہے جس طرح جسم اور دل کا باہم ربط ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔[2]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وعلم الإخلاص داخل في صحة الإسلام إذا لا يكون مسلماً إلا بإخلاص العمل لقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثلاث لا يغلّ عليهن قلب مسلم: إخلاص العمل لله فبدأ به واشترط للإسلام۔

---

[1] (مرآۃ المناجیح، ج ۱، ص ۲۱۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

[2] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج ۱، ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: اور اسلام کے درست ہونے میں علم اخلاص داخل ہے کیونکہ کوئی بھی خالص عمل کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین امور ایسے ہیں جن میں ایک مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ اور پھر ان میں سے ایک کا تذکرہ یوں فرمایا: اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا۔[1]

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے آغاز فرمایا اور اس کو اسلام کی شرط قرار دیا۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

و اختلف الناس في العلم الذي هو فرض على كل مسلم فتفرقوا فيه أكثر من عشرين فرقة و لا نطيل بنقل التفصيل و لكن حاصله أن كل فريق نزل الوجوب على العلم الذي هو بصدده فقال المتكلمون هو علم الكلام إذ به يدرك التوحيد و يعلم به ذات الله سبحانه و صفاته و قال الفقهاء هو علم الفقه إذ به تعرف الْعِبَادَاتُ وَ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ وَ مَا يُحَرَّمُ مِنَ الْمُعَامَلَاتِ و ما يحل و عنوا به ما يحتاج إليه الآحاد دون الوقائع النادرة و قال المفسرون و المحدثون هو علم الكتاب و السنة إذ بهما يتوصل إلى العلوم كلها و قال المتصوفة المراد به هذا العلم فقال بعضهم هو علم العبد بحاله و مقامه من الله عز و جل و قال بعضهم هو العلم بالإخلاص و آفات النفوس و تمييز لمة الملك من لمة الشيطان و قال بعضهم هو علم الباطن۔

ترجمہ: جو علم کہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اس میں لوگوں کا اختلاف ہے اسی بارے میں بیس سے زیادہ فرقے ہو گئے ہیں ہم سب کی تفصیل نہیں لکھتے حاصل اختلاف یہی ہے کہ ہر فرقے نے واجب ہونا اسی علم کا کہا ہے جس کے درپے وہ خود تھا مثلا متکلمین کا کہنا کہ علم کلام ہے اسی لیئے کہ توحید اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات کا علم اسی سے ہوتا ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ وہ علم فقہ ہے اس وجہ سے کہ اس سے عبادت اور حلال اور حرام اور معاملات میں سے جائز ناجائز معلوم ہوتے ہیں اور علم فقہ سے انکی غرض وہ ہے جس کی طرف ہر ایک کو حاجت ہے نہ وہ معاملات جو بہت کم واقع ہوتے ہیں اور مفسر و محدث فرماتے ہیں کہ وہ علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے انہی دونوں سے دیگر تمام علوم حاصل ہوتے ہیں اور اہل تصوف کہتے ہیں کہ اس سے غرض ہمارا علم ہے پس ان میں سے کچھ یوں کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے حال کا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے

---

[1] (سنن ابو داؤد، فی العلم، باب، ۱۰، و سنن الترمذی، فی العلم، باب ۷، و سنن ابن ماجہ، فی المقدمۃ، بان، ۱۸، المناسک، باب، ۷۶، و الترغیب و الترهیب، ج، ۱، ص، ۶۱)

[2] (قوت القلوب، الفصل الحادی و الثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کلام کا علم مراد ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ وہ علم اخلاص اور نفس کی آفتوں اور شیطان کے خطروں اور فرشتے کے الہام میں تمیز کرنے کا ہے اور بعض کا ارشاد ہے کہ وہ علم باطن ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

فاعلم ان العلوم التی طلبها فرض فی الجملة ثلاثة: علم التوحید، وعلم السر، واعنی و ما یتعلق بالقلب و مساعیه، وعلم الشریعة و اما حد یجب من کل واحد منها، فالذي یتعین فرضه من علم التوحید ما تعرف به أصول الدین۔۔ و اما الذی یتعین فرضه من علم السر معرفة مواجبه و مناهیه، حتی یحصل لک تعظیم اللہ سبحانه و الإخلاص (له) و النیة و سلامة العمل، و اما (مایتعین) من علم الشریعة کل ما یتعین علیک فرض فعله، وجب علیک معرفته لتؤدیه۔

ترجمہ: جن علوم کی طلب فرض ہے وہ تین ہیں:

(۱) علم توحید

(۲) علم سر: یعنی جس علم کا تعلق دل اور دل کے متعلقات سے ہے۔

(۳) علم شریعت

لیکن ان تین علوم سے اتنی مقدار لازم اور ضروری ہے جس لازم و ضروری امور کی پوری پوری معرفت و یقین ہو جائے۔ علم توحید سے اتنا ضروری ہے جس سے دین کے اصول معلوم ہو جائیں اور علم سر سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے صفاتی قلب کے اسباب معلوم ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ کس چیز سے دل کو پاک کرنا ضروری ہے تاکہ دل میں میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور تعظیم اور اعمال میں اخلاص پیدا ہو۔ نیز ان امور کو جاننا بھی ضروری ہے جن سے نیت درست رہ سکے۔ اور ظاہری و باطنی اعمال و عبادات، ظاہری و باطنی آفات سے محفوظ رہ سکیں۔۔۔ اور علم شریعت سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ امور ضروری ہیں۔ تاکہ انہیں ادا کیا جا سکے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرءُوف مناوی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۰۳۱ھ، لکھتے ہیں:

وَعلم لقلب وَمَعْرِفَة أمراضه من نَحْو حسد وَعجب ورياء قَالَ الْغَزالِيّ فرض عين۔

ترجمہ: اور دل اور اس کے امراض کی معرفت کا علم جیسے حسد، اور عجب، اور ریاء۔ امام غزالی فرماتے ہیں فرضِ عین ہے۔[3]

---

[1] (احیاء علوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی، ج۱، ص۲۹، المکتبة التوفیقیة، القاهر، مصر)

[2] (منهاج العابدین، ص۲۵، ۲۴، مؤسسة الرسالة، بیروت)

[3] (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج۱، ص۱۶۴، مکتبة امام الشافعی، الریاض، السعودیة)

مذکورہ بالا حدیث کے تحت حضرت سید مظفر علی شاہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

علمے کہ طلب آں بر کاری مسلمان فریضہ است نزدیک علماء مختلف فیہ است بعضے گفتہ اند علم اخلاص زیراکہ ہمچناں عبادت حق فرض است اخلاص در عبادت ہم فرض است چناچہ علم عمل فرض بود علم اخلاص ہم فرض بود بعضے گویند علم آفات اخلاص است یعنے نفوس کہ ظہور آن مخرب قاعدہ اخلاص است پس علم اخلاص موقوف بود بر علم صفات نفوس وہر چہ واجی بر و موقوف بود آن ہم واجب باشد۔

ترجمہ: وہ علم کہ جس کا طلب کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ علم اخلاص مراد ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کی عبادت فرض ہے، عبادت میں اخلاص بھی فرض ہے، چونکہ عمل کے لیے علم فرض ہوتا ہے تو اخلاصِ عمل کے لیے بھی علم فرض ہوتا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ اخلاص کی آفات کا علم مراد ہے، یعنی نفس کی صفات کہ ان کا ظہور اخلاص کی بنیاد کو خراب کر دیتا ہے، پس اخلاص کا علم، نفس کی صفات کے علم پر موقوف ہوتا ہے اور ہر وہ کام جس پر واجب موقوف ہوتا ہے، وہ کام بھی واجب ہوتا ہے۔[1]

قال الإمام ابن القیم رحمه الله: و التحقیق أن جنس الجهاد فرض عین، إما بالقلب و إما باللسان، و إما بالمال، و إما بالید، فعلی کل مسلم أن یجاهد بنوع من هذه الأنواع۔

ترجمہ: امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور تحقیق یہ ہے کہ جنس جہاد فرض عین ہے، وہ قلب کے ساتھ ہو یا زبان کے ساتھ ہو، یا مال کے ساتھ ہو، یا ہاتھ کے ساتھ ہو، تمام مسلمانوں پر لازمی ہے کہ ان اقسام میں سے کسی قسم کے ذریعے جہاد کریں۔[2]

و حمایة الْقَلْب عن فساد الشیطان فرض عین و اجب عَلَی کُلّ عبد مکلف۔

ترجمہ: شیطان کے فساد سے قلب کی حمایت کرنا فرض عین ہے، ہر مکلف بندہ پر واجب ہے۔[3]

خلاصہ

پس جاننا چاہیئے کہ جیسے بدن کی زندگی کا دارومدار غذا پر ہے اسی طرح دل کی زندگی کا دارومدار اعمال صالحہ سے ہے، اور جس طرح بدن کو اگر غذا نہ ملے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح دل میں اگر ایمان نہ ہو تو وہ دل مردہ ہو جاتا ہے، پس جس شخص کو

---

[1] (جواهر غیبی، کنز سوم، ص، ۱۶۲، مکتبہ رحمانیہ، ارگ بازار، قندهار، افغانستان)

[2] (خطب مختارة، ج، ۱، ص، ۲۹۳)

[3] (موارد الظمان، مداخل الشیطان، ج، ۴، ص، ۵۹۵)

طاعات وعبادات مثلاً نماز، روزہ زکوۃ حج وغیرہا کے فوت ہو جانے کا غم اور افسوس نہ ہو اور گناہوں پر ندامت وشرمندگی کے آثار نظر نہ ائیں تو سمجھ لو اس کا دل مردہ ہو چکا ہے اور ایمان کے آثار اس دل میں نہیں ہیں اور اگر طاعات وعبادات کر کے دل خوش ہو اور گناہوں ہو جانے پر غم اور رنج وندامت نہ ہو تو یہ صفت اس بات پر کی علامت ہے کہ دل نور ایمان سے منور ہو چکا ہے۔

لیکن خیال چاہیئے کہ جو نیک اعمال بندہ بجالاتا ہے مگر اس میں اخلاص نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جاندار کی صورت ہو مگر اس میں جان نہ ہو اور وہ اعمال جو اخلاص کے ساتھ ہو اس کی مثال روح اور جان کی سی ہے کہ اس میں جان آگئی، صورت اول میں ایسے اعمال آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے۔

عبودیت اور بندگی کے اندر سچا ہونا یہ ہے کہ غیر اللہ سے نظر اٹھ جائے اور سوائے اپنے رب کے کسی کی طرف التفات نہ ہو اگر بندہ میں یہ صفت موجود ہے تو وہ سچا ہے لیکن اگر اس کی یہ خواہش ہو کہ لوگوں کو میرے نیک اعمال کی خبر ہو جائے اور باطنی حالات کو خاص جو مجھ پر گزرتے ہیں اس کی مخلوق کو خبر ہو اور مختلف طریقوں سے لوگوں پر اس کا اظہار بھی کرتا ہے، تو یہ بندہ سچا اور مخلص نہیں اور اس قسم کی خواہشات اس کے سچے نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ یہی کچھ مذکورہ بیان کردہ احادیث کا خلاصہ ونتیجہ ہے۔

الفصل السابع: اقوال فقہاء در بیان فرضیت علم تصوف

مامور بہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فرض عین　　　(۲) فرض کفایہ

(۱): مامور بہ: اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): فرض عین　　　(۲): فرض کفایہ

فرض عین وہ ہوتا ہے جو مکلف کے بذاتِ خود ادا کرنے سے اس سے ساقط ہوتا ہے۔ مکلف پر فرض عین علوم کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع کے متعلق بعض بنیادی قواعد ذکر کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: وہ چیز جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو پس وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا وسیلہ اور سبب ہو، وہ فرض ہو گا۔ اور جو واجب کی ادائیگی کا وسیلہ ہو، واجب اور جو سنت کی ادائیگی کا وسیلہ ہو گا وہ سنت ہو گا۔

ان قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے ہم بعض ان علوم کو بیان کرتے ہیں جو ہر مکلف پر فرض ہیں۔

(۱): عقائد اہلسنت اور اس کے اجمالی دلائل کو جاننا، تاکہ انسان ملحدین کی تشکیک اور گمراہ کن لوگوں کے مغالطوں سے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(۲): ان مسائل کو جاننا جن کے ذریعہ مکلف فرضی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ادا کر سکے۔

(۳): اور جس شخص کا واسطہ معاملات یعنی خرید و فروخت وغیرہ کے ساتھ ہو اس پر ان احکام کا سیکھنا فرض ہے جن کے ذریعہ حرام سے بچ سکے اور شرعی حدود کا التزام کر سکے۔

(۴): احوال قلب یعنی توکل، خشیت اور رضا وغیرہ کو جاننا کیونکہ مسلمان کو اپنی زندگی میں ان تمام احوال سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۵): تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننا، تاکہ اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرے۔ اور ان اخلاق کو ترک کرنے کیلئے مجاہدۂ نفس کرے کیونکہ مجاہدہ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب سالک تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے ان تمام طریقوں کو بھی جان لے جن میں صوفیائے کرام مشغول رہے۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ يَكُونُ فَرْضَ عَيْنٍ وَهُوَ بِقَدْرِ مَا يَحْتَاجُ لِدِينِهِ. وَفَرْضَ كِفَايَةٍ، وَهُوَ مَا زَادَ عَلَيْهِ لِنَفْعِ غَيْرِهِ. وَمَنْدُوبًا، وَهُوَ التَّبَحُّرُ فِي الْفِقْهِ وَعِلْمِ الْقَلْبِ.

ترجمہ: جان لو کہ علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے (یعنی ہر شخص پر) اور فرض عین اس قدر علم ہے جس کی طرف آدمی اپنے دین کے لیے حاجت مند ہو۔ اور علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہوتا ہے، فرض کفایہ وہ علم ہے جو اپنی حاجت سے زیادہ ہو غیر کے نفع کے لیے ہو۔ اور علم سیکھنا مستحب ہوتا ہے مستحب علم فقہ میں بہت زیادہ وسعت حاصل کرنا ہے، اور علم قلب فرض عین ہے۔[1]

فرض عین اور فرض کفایہ کی تعریف:

أن فرض الكفاية مايكفى فيه اقامة البعض عن الكل ، لأن المقصود حصوله فى نفسه من مجموع المكلفين كتغسيل الميت وتكفينه ورد السلام بخلاف فرض عين لان المطلوب اقامته من كل عين أى من كل ذات مكلفة يعينها فلايكفى فيه فعل البعض عن الباقين۔[2]

ترجمہ: بے شک فرض کفایہ وہ ہوتا ہے کہ جس میں بعض لوگوں کا کل کی جگہ کھڑا کرنا کافی ہو کیونکہ اس صورت میں مقصود اس فرض کا مکلف مسلمانوں سے مجموعی طور حاصل ہونا ہے جس طرح کہ میت کو غسل دینا اور اسے کفن پہنانا اور سلام کا جواب دینا بر خلاف فرض عین کے کیونکہ مطلوب یہاں مکلف مسلمانوں میں سے ہر ایک معین مسلمان کو اس فرض کی ادائیگی کے لئے کھڑا کرنا ہے لہذا اس صورت میں بعض کا فعل باقی افراد کی طرف سے کفایت نہیں کرے گا۔

صفات رزیلہ کا جاننا فرض عین ہے

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

أَنَّ عِلْمَ الْإِخْلَاصِ وَالْعُجْبِ وَالْحَسَدِ وَالرِّيَاءِ فَرْضُ عَيْنٍ، وَمِثْلُهَا غَيْرُهَا مِنْ آفَاتِ النُّفُوسِ: كَالْكِبْرِ وَالشُّحِّ وَالْحِقْدِ وَالْغِشِّ وَالْغَضَبِ وَالْعَدَاوَةِ وَالْبَغْضَاءِ وَالطَّمَعِ وَالْبُخْلِ وَالْبَطَرِ وَالْخُيَلَاءِ وَالْخِيَانَةِ وَالْمُدَاهَنَةِ وَالِاسْتِكْبَارِ عَنْ الْحَقِّ وَالْمَكْرِ وَالْمُخَادَعَةِ وَالْقَسْوَةِ وَطُولِ الْأَمَلِ وَنَحْوِهَا مِمَّا هُوَ مُبَيَّنٌ فِي رُبْعِ الْمُهْلِكَاتِ مِنْ الْإِحْيَاءِ. قَالَ فِيهِ: وَلَا يَنْفَكُّ عَنْهَا بَشَرٌ، فَيَلْزَمُهُ أَنْ يَتَعَلَّمَ مِنْهَا مَا يَرَى نَفْسَهُ مُحْتَاجًا إلَيْهِ، وَإِزَالَتُهَا فَرْضُ عَيْنٍ وَلَا يُمْكِنُ إلَّا بِمَعْرِفَةِ حُدُودِهَا وَأَسْبَابِهَا وَعَلَامَاتِهَا وَعِلَاجِهَا، فَإِنَّ مَنْ لَا يَعْرِفُ الشَّرَّ يَقَعُ فِيهِ۔

---

[1] (الدر المختار، مقدمة، ص ۱۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

[2] (فتاویٰ شامی الجزاء الثانی عشر، ص: ۴۵۶)

ترجمہ: اخلاص، تکبر، حسد ریا اور خود بینی کا علم جاننا فرضِ عین ہے۔ اسی طرح نفس کے دیگر آفات وبلیلات جیسے تکبر ،حسد، کھوٹ، غیض وغضب، عداوت، دشمنی، لالچ، بخل، خیانت، حق سے اعراض، مکر، دھوکا، دل کی سختی اور لمبی امیدیں وغیرہ یہ تمام انسان کیلئے مہلک ہیں اور کوئی انسان ان سے خالی نہیں لہٰذا اس پر لازم ہے کہ ان عیوب سے بچاؤ کا علم حاصل کرے کیونکہ ان کا ازالہ فرضِ عین ہے اور ان عیوب کا ازالہ، ان کی حقیقت، اسباب، علامات اور علاج جانے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ جو شر کو جانتا نہ ہو وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[1]

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی، حنفی، نقشبندی، متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

قَالَ الْعَلَامِيُّ فِي فُصُولِهِ: مِنْ فَرَائِضِ الْإِسْلَامِ تَعَلُّمُهُ مَا يَحْتَاجُ إلَيْهِ الْعَبْدُ فِي إقَامَةِ دِينِهِ وَإِخْلَاصِ عَمَلِهِ لِلّٰہِ تَعَالَى۔

ترجمہ: علامی نے اپنی فصول میں فرمایا: بندہ کو اپنے دین کو قائم کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرنے میں اپنی حاجت کے مطابق علم حاصل کرنا اسلام کے فرائض میں سے ہے۔[2]

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی، حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

وَفِي تَبْيِينِ الْمَحَارِمِ: لَا شَكَّ فِي فَرْضِيَّةِ عِلْمِ الْفَرَائِضِ الْخَمْسِ وَعِلْمِ الْإِخْلَاصِ؛ لِأَنَّ صِحَّةَ الْعَمَلِ مَوْقُوفَةٌ عَلَيْهِ وَعِلْمِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَعِلْمِ الرِّيَاءِ؛ لِأَنَّ الْعَابِدَ مَحْرُومٌ مِنْ ثَوَابِ عَمَلِهِ بِالرِّيَاءِ، وَعِلْمِ الْحَسَدِ وَالْعُجْبِ إذْ هُمَا يَأْكُلَانِ الْعَمَلَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

ترجمہ: اور تبیین المحارم میں ہے: علم اخلاص اور علم فرائض خمس کے فرض ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ عمل کی صحت اس پر موقوف ہے، اور علم حلال، اور علم حرام، اور علم ریاء کے فرض ہونے میں شک نہیں، کیونکہ عبادت گزار ریاء کی وجہ سے اپنے عمل کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، اور علم حسد اور علم عجب کے فرض ہونے میں بھی شک نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں عمل کو اس طرح کھا جاتے ہیں جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔[3]

علم القلب کا حصول فرض عین ہے

علامہ سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۳۱ھ، لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ: وَعِلْمِ الْقَلْبِ) أَيْ عِلْمِ الْأَخْلَاقِ، وَهُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَنْوَاعُ الْفَضَائِلِ وَكَيْفِيَّةُ اكْتِسَابِهَا وَأَنْوَاعُ الرَّذَائِلِ وَكَيْفِيَّةُ اجْتِنَابِهَ۔ وقال فی التعلیم وکذالک یفترض علیه علم احوال القلوب من التوکل والانابة والخشیة والرضاء

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار، مقدمة، ج، ۱، ص، ۱۲۷، دار الکتب العلمیه، بیروت، ردالمحتار علی در المختار، ج، ۱، ص، ۳۲، مطبوعه مکتبه رشیدیه سرکی روڈ، کوئٹه)

[2] (ردالمحتار علی الدر المختار، مقدمة، ج، ۱، ص، ۱۲۵، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[3] (ردالمحتار علی الدر المختار، مقدمة، ج، ۱، ص، ۱۲۶، دار الکتب العلمیه، بیروت)

فانه واقع فی جمیع الاحوال وشرف هذا العلم لا یخفی علی احد ثم قال و کذلک یفترض فی الاخلاق معرفة نحو الجود و البخل و الجرأة و الجبن و الکبر و التواضع و العفة و الاسراف و التقتیر وغیرها فان البخل و الجبن و الکبر و التقتیر حرام ولا یمکن التحرز عنها الا بعلمها وعلم مایضادّها اه و الحاصل أن علم التحرّز عن المحرّم فرض کما استفید من ذلک لا مندوب و الله اعلم۔ ویمکن عطفه علی الفقه فیکون المندوب هو التبحر فیه۔

ترجمہ: علم قلب سے علم اخلاق مراد ہے یعنی جس علم سے انواع فضائل اور ان کے حاصل کرنے کی کیفیت معلوم ہو اور اور اقسام رذائل اور ان سے بچنے کی کیفیت دریافت ہو۔ اور تعلیم متعلم میں ہے کہ اسی طرح فرض ہے علم احوال قلوب چنانچہ توکل اور انابت (اللہ کی طرف رجوع کرنا) اور خوف الٰہی اور رضا، اس واسطے کہ یہ تمام احوال میں واقع ہے اور اس علم کی بزرگی کسی پر مخفی نہیں اور اسی طرح اخلاق میں سخاوت، بخل، تکبر، تواضع، عفت، اسراف (فضول خرچی کرنا) اور کنجوسی وغیرہا کی پہچان فرض ہے اس واسطے کہ بخل، بزدلی، تکبر، کنجوسی حرام ہے اور اس سے بچنا اس کے علم بغیر اور اس کی ضد کے ممکن نہیں۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ حرام سے بچنے کا علم فرض ہے جیسا کہ اس سے معلوم ہوا نہ مستحب۔ واللہ اعلم۔ اور علم قلب کا علم فقہ پر عطف ہونا ممکن ہو تا تو وہ مستحب ہو تا وہ اس میں تبحر حاصل کرنا ہے۔ (مطلب یہ ہوا کہ اصل علم اخلاق فرض ہے اور اس میں تبحر پیدا کرنا مستحب ہے اور اگر تبحر پر عطف کیجئے تو تعلیم متعلم کے مخالف ہو گا یعنی علم اخلاق مستحب ٹھرے گا نہ کہ فرض۔)[1]

شیخ الاسلام امام برہان الاسلام ابراہیم زرنوجی، تلمیذ صاحب ہدایہ، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَكُلُّ مَنْ اشْتَغَلَ بِشَيْءٍ مِنْها يُفْتَرَضُ عَلَيْهِ التَّحَرُّزُ عَنْ الْحَرامِ فِيهِ وَكَذَلِکَ يُفْتَرَضُ عَلَيْهِ عِلْمُ أَحْوالِ الْقَلْبِ مِنَ التَوَكُّلِ وَالْإِنَابَةِ وَالْخَشْيَةِ وَالرِّضَا فَإِنَّهُ وَاقِعٌ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ۔

ترجمہ: جب ایک شخص کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر اتنے علم کا حاصل کرنا فرض ہو جاتا ہے کہ جس کے ذریعے وہ اس فعل میں حرام کے ارتکاب سے بچ سکے۔ نیز ظاہری معاملات کی طرح ہی احوالِ قلب یعنی توکل، توبہ، خوف خدا عزوجل ، رضاء الٰہی عزوجل وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حکم ہے۔ کیونکہ بندے کو مذکورہ قلبی امور سے بھی ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس پر احوال قلب سے متعلق معلومات کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے۔[2]

---

[1] (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، ج، ۱، ص، ۳۱، مکتبہ رشیدیہ، کوءٹہ)

[2] (تعلیم المتعلم، فصل فی ماهیة العلم و الفقه و فضله، ص، ۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی و طریقه محمدیه، ج، ۱، ص، ۹۰، مکتبہ حنفیہ، کانسی روڈ کوءٹہ ، و الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة، الفصل الثانی، فی العلوم المقصودة، ج، ۲، ص، ۱۰۸، ۱۰۷، دار الکتب العلمیه، بیروت)

شیخ الاسلام امام برہان الاسلام ابراہیم زرنوجی، تلمیذ صاحب ہدایہ، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ فِي سَائِرِ الْأَخْلَاقِ نَحْوُ الْجُودِ، وَالْبُخْلِ، وَالْجُبْنِ وَالْجَرَاءَةِ وَالتَّكَبُّرِ، وَالتَّوَاضُعِ، وَالْعِفَّةِ، وَالْإِسْرَافِ، التَّقْتِيرِ، وَغَيْرِهَا فَإِنَّ الْكِبَرَ، وَالْبُخْلَ، وَالْجُبْنَ، وَالْإِسْرَافَ حَرَامٌ وَلَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهَا إِلَّا بِعِلْمِهَا، وَعِلْمِ مَا يُضَادُّهَا فَيُفْتَرَضُ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ عِلْمُهَا۔

ترجمہ: علم جس طرح تقوی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اسی طرح باقی اوصاف مثلاً سخاوت، بخل، بزدلی، بہادری، تکبر، عاجزی، عفّت، کنجوسی اور اسراف وغیرہا کی پہچان اوران میں تمیز کرنے کا ذریعہ بھی علم ہی ہے۔مذکور اخلاق میں سے تکبر، بخل، بزدلی اوراسراف حرام وممنوع ہیں لہذا ان اشیاء کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے آگاہی پر ہی ان اشیاء سے بچا جاسکتا ہے۔پس ہر انسان پر ان اشیاء کے متعلق علم حاصل کرنا فرض ہے۔[1]

مسلمان پر کونسا علم حاصل کرنا فرض ہے

اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ ۲۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث: طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم ومسلمة(ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔) میں عموماً ہر علم مراد ہے یا کوئی علم خاص مقصود ہے؟ اگر خاص مقصود ہے تو وہ کون سا علم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: حدیث: طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم ومسلمة۔

(ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔)[2]

کہ بوجہ کثرت طرق وتعدّد مخارج حدیث حسن ہے اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلبِ علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم واشمل واعلٰی واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنّی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یابدعتی، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائل نماز یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا

[1] (تعلیم المتعلم، فصل فی ماهیة العلم والفقه وفضله، ص،، وطریقه محمدیه، ج۱، ص۹۰، مکتبه حنفیه، کانسی روڈ کوئٹه، والحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة، الفصل الثانی، فی العلوم المقصودة، ج۲، ص۱۰۸، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[2] (کنز العمال، حدیث ۲۸۶۵۲، مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۰/ ۱۳۱) (الجامع الصغیر، حرف الطاء، حدیث ۵۲۶۴، دار الکتب العلمیة بیروت، ۲/ ۳۲۵)

کر سکے، پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع و شراء، مزارع پر مسائل زراعت، موجر و متاجر پر مسائل اجارہ، وعلٰی ہذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انہیں میں سے ہیں مسائل حلال و حرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص و توکل وغیرہا اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریاو عُجب وحسد وغیرہا اور اُن کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یونہی بعینہ ریاء سے نماز پڑھنے والا ان ہی مصیبتوں میں گرفتار ہے: **نسئل اللہ العفو و العافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔) تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔

علامہ مناوی تیسیر میں زیر حدیث مذکور لکھتے ہیں:

ارادبہ مالامندوحۃ لہ عن تعلمہ کمعرفۃ الصانع ونبوۃ رسلہ وکیفیۃ الصّلٰوۃ ونحوھا فان تعلمہ فرض عین۔

ترجمہ: اس سے وہ علم مراد ہے جس کے سیکھنے سے کوئی چارہ نہیں، جیسے صانع کی پہچان، رسولوں کی نبوت، کیفیت نماز اور اس جیسے دوسرے مسائل کی معرفت، کیونکہ ان باتوں کا سیکھنا فرض عین ہے۔[1]

حضرت علامہ بلخی نے تحریر فرمایا ہے:

و اما العلم الدنی الذی یسمون اھلھا بالصوفیۃ الکرام علیہم الرحمۃ فھو فرض عین لان ثمراتھا تصفیۃ القلب عن اشتغال بغیر اللہ تعالیٰ و اتصافہ بدوام الحضور و تزکیۃ النفس عن رذائل الاخلاق من العجب و الکبر و الحسد و حب الدنیا و الکسل فی الطاعات وغیرھا۔ (قال بہ القاضی ثناء اللہ الفانی فتی علیہ الرحمۃ فی تفسیر المظھری و ارشاد الطالبین و تصانیفہ الاخریٰ قال بہ الغزالی علیہ الرحمۃ ایضا۔ و قال بہ المجدد علیہ الرحمۃ و الشیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ ایضا۔

ترجمہ: علم لدنی (جس کے اہل صوفیہ کرام نام سے موسوم ہوتے ہیں کا) حصول ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں دل ماسوا اللہ تعالٰی (سوا اللہ) سے صاف ہو کر دوام حضور سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور نفس برے اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے۔ مثلاً خود پسندی، تکبر، دنیا کی محبت، اطاعت میں سستی وغیرہ۔ (یہی بات قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، تفسیر مظہری میں اور ارشاد الطالبین اور اپنی دیگر تصانیف میں ارشاد فرمائی، اور یہی بات امام غزالی نے حضرت مجدد الف ثانی نے اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ نے فرمائی۔)[2]

---

[1] (التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۱۱۵، فتاوی رضویہ، ج، ۲۳، ص، ۶۲۳، ۶۲۴، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاھور)

[2] (شرح اربعین بلخی، ص ۱۰ تا ۱۲، ھدایت السالکین، ص ۲۵۵)

علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ فرضیتِ علم تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکذالک یفترض علیہ علم احوال القلب من التوکل والانابۃ والخشیۃ والرضیٰ فانہ واقع فی جمیع الاحوال وشرف ھذا العلم لا یخفی علی احد۔

ترجمہ: اور اسی طرح علم احوال قلب کا حصول فرض ہے اور اس میں توکل، انابت اور رضا شامل ہیں اور یہ تمام احوال میں واقع ہوتے ہیں اس اس علم کی عظمت کسی پر مخفی نہیں۔[1]

علامہ عبد الغنی النابلسی الحنفی لکھتے ہیں:

وکذالک یفترض علیہ ای علی المسلم علم احوال القلب وما یعتریہ من الاخلاق الجمیلۃ التحرز عن ضدھا بتعلیمھا من التوکل علی اللہ تعالیٰ والانابۃ ای الرجوع الیہ سبحانہ والخشیۃ منہ سبحانہ والرضاء عنہ تعالیٰ فی کل افعالہ واحکامہ فانہ ای ذالک المسلم واقع مدۃ عمرہ فی جمیع الاحوال القلبیۃ المذکورۃ وقال بعد اسطر فان الکبر والبخل والجبن والاسراف حرام بلا خلاف ولا یمکن التحرز عنھا بطریق الاکتساب الا بعلمھا وعلم ما یضادھا انتھی بلفظہ۔

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علم احوال قلب اور علم اس چیز کا جو شامل ہو قلب کی طرف اخلاق جمیلہ سے اور اپنے آپ کو بچانا اخلاق رذیلہ سے اور ان سب کے حصول کا سبب توکل علی اللہ اور انابت اور رجوع الی اللہ اور خوف اور خشیت اور رضا اللہ جل شانہ سے تمام افعال و احکام میں اس لئے کہ مؤمن تمام عمر انہی احوال قلبی میں گرفتار ہوتا ہے۔ حدیقۃ الندیۃ کے مؤلف چند سطور بعد لکھتے ہیں: کبر اور بخل اور بزدلی اور اسراف علماء کے اتفاق سے حرام ہیں مگر اپنے آپ کو بچانا ان سب سے، کسب کے ذریعے ممکن نہیں سوائے علم احوال قلب کے حصول کے۔[2]

علامہ شیخ اسمٰعیل الحقی فرماتے ہیں:

والنوع الثانی علم السر وھو مایتعلق بالقلب ومساعیہ فیفترض علی المؤمن علم احوال القلب من التوکل والانابت والخشیۃ والرضی فانہ واقع فی جمیع الاحوال واجتناب الحرص والغضب والکبر والحسد والعجب والریاء وغیر ذالک۔

---

[1] (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ۱:۳۱)

[2] (الحدیقۃ الندیۃ، ج ۱ ص ۲۳۲)

ترجمہ: علم کی دوسری قسم کو علمِ سِر کہا جاتا ہے جو کہ قلب اور اس کے احوال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور یہ علم فرض ہے ہر مؤمن مسلمان پر، جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، رضا قضا پر، اور اپنے آپ کو بچانا ہے حرص، غصہ، تکبر، حسد، عجب اور ریاکاری وغیرہ سے۔[1]

حضرت شیخ الشیوخ حافظ امام جلال الدین سیوطی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۹۱۱ھ، لکھتے ہیں:

وَأَمَّا عِلْمُ الْقَلْبِ وَمَعْرِفَةُ أَمْرَاضِهِ مِنَ الْحَسَدِ, وَالْعُجْبِ, وَالرِّيَاءِ وَنَحْوِهَا, فَقَالَ الْغَزَالِيُّ: إِنَّهَا فَرْضُ عَيْنٍ۔

ترجمہ: حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی کے مطابق علم قلب اور حسد، ریا، کینہ، خود بینی، غرور، انانیت وغیرہ جیسے امراض کی معرفت، فرضِ عین ہے۔[2]

خاتمۃ المتاخرین شیخ ابو بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و قال شارح المحرر خاتمة المتأخرين الشيخ ابو بكر رحمه الله تعالىٰ فيه و اما علم الباطن كالعلم بامراض القلب من الحسد و الحرص و العجب و الرياء و الكبر و الحقد و البخل و ما يتولد منها و العلم بحدودها و علاجها و العلم بتحصيل اضدادها من الرضاء بالقضاء و القناعة و تحقير النفس و الاخلاص و التواضع و الصفاء و السخاء فقد قال الإمام الغزالي و المتولي و البغوي و شيخه القاضي حسين و غيرهم من كبار اصحابنا انه من فروض الاعيان, انتهىٰ۔

علم باطن جیسے دل کی بیماریوں یعنی حسد، حرص، عجب، ریا، کبر، حقد، بخل، اور وہ بیماریاں جو ان سے پیدا ہوتی ہیں ان کی حدود کو جاننا اور اس کے علاج کو جاننا اور ان بیماریوں کی ضدوں کا علم جیسے رضا بالقضاء، قناعت، تحقیر نفس (نفس کو ذلیل کرنا) اخلاص، عاجزی، صفا، سخاوت، امام غزالی اور امام بغوی قاضی حسین وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان (مذکورہ) بیماریوں اور انکی ضدوں کا علم فرض عین ہے۔ انتہیٰ[3]

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال الشيخ علاؤ الدين الحنفى فى الدر المختار و اعلم ان تعلم العلم يكون فرض عين فرض كفاية و مندوب و هو تبحر فى علم الفقه وعلم القلب, انتهى۔ قلت اى التبحر فى علم القلب كما يستفاد من العطف و اما اصل علم القلب فهو فرض عين وقال الشيخ العالم المحقق طاهر ابن سلام ابن قاسم الانصارى الخوارزمى رحمه الله تعالى فى جواهر الفقه و اما علم القلب فهو علم ذوقى و وجدانى لا يمضع تحت السنة الاقلام و لا تحيط به الدفاتر و الاوهام وهو بمقابلة العلم الظاهر بمنزلة الثمر للشجر و الشرف للشجر لكن لا انتفاع الا بثمره انتهى وقال العلامة محمد افندى البركلى الحنفى فى الطريقة المحمدية و اقبح العجب العجب بالرأى الخطأ فيفرح به ويصر عليه و لا يسمع نصح

---

[1] (تفسیر روح البیان، ص ۵۳۶، ج۳، تفسیر سورۃ توبہ آیۃ ۲۲)

[2] (الأشباه والنظائر، للسيوطي، ج ۱، ص ۶۱۴، ص ۵۰۴، تصوف کے حقائق ص ۲۶)

[3] (الحديقة الندية فى الطريقة النقشبندية، ص ۴۱، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركيا) (تحفئه نقشبنديه، ص ۴۳)

ناصح بل ينظر الى غيره بعين الاستجهال قال الله تعالى افمن زين له سوء عمله فراه حسنا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا وجميع اهل البدع والضلال انما اصروا عليها لعجبهم بآرائهم وعلاج هذا العجب اعسروا صعب اذ صاحبه يظنه علما لا جهلا ونعمة لا نقمة وصحة لا مرضا فلا يطلب العلاج ولا يصغى الى الاطباء وهم علماء اهل السنة والجماعة انتهى قلت والمراد بقوله وهم علماء اهل السنة والجماعة فى معرض بيان اطباء القلوب علماء الاخرة الذين اذا رؤا ذكر الله ولا يشقى جليسهم وهم الاولياء الجامعون للعلم الظاهر والباطن والشريعة والحقيقة اكابر الشيوخ من اهل المعرفة والرسوخ والا فالعالم باعلم الظاهر فقط وهو من اهل السنة والجماعة لا يقدر فى الاغلب على علاج قلبه فكيف لغيره وقد قيل طبيب يداوى الناس وهو عليل وهذا امر وصل الى حد البداهة بالتجربة والمشاهدة والله الموفق وقال خاتمة المتأخرين العلامة الشيخ حسن الشرنبلالى الحنفى رحمه الله فى شرحه الكبير على امداد الفتاح المسمى بنور الايضاح ومراقى الفلاح شرطت الطهارة الشرعية ليصير العبد اهلا للعبودية والقيام بخدمة الربوبية ولا ينفعه ذلك حقيقتا الا باخلاص الطوية وتطهيرها عن الادناس المعنوية اذ هى اضر من النجاسة الحقيقة كالغل والغش والحقد والبغض والحسد ويصلح قلبه ليصلح به سائر الجسد فيطهر قلبه عما سوى الله تعالى الكونين كون الدنيا والآخرة بقطع العلائق عن جملة الخلائق وما تطمح اليه النفوس فلا يقصد الا الله تعالى بعبده لاستحقاقه العبادة لذاته تعالى وامتثال امره ملاحظا جلالته وكبريائه لا رغبة فى جنة ولا رهبة من نار بل لانه تعالى من حقه ان يعبد كما قال سبحانه وتعالى وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون فيخلص الطاعة له ثم يسأله حاجته الدينية والدنيوية اظهار اللفاقة والاضطرار الى المولى الغنى عن كل شىء بعد تطهير لسانه من اللغو فضلا عن الكذب والغيبة والنميمة والبهتان وتربيته بالتقديس والتهليل والتسبيح وتلاوة القرآن لعله ان يتصف ببعض صفات العبودية اذ هى الوفاء بالعهود والحفظ للحدود والرضاء بالموجود والصبر على المفقود فتكون فرد الفرد ولا يسترقك شىء من الدنيا ولا يميلك شىء من الهوى قال الحسن البصرى رحمه الله تعالى ونفعنا ببركته رب مستور سبه شهوة قد عرى من ستره والهتكا صاحب الشهوة عبد فاذا ملك الشهوة اضحى ملكا انتهى بحروفه۔

میں کہتا ہوں (مؤلف کتاب) وسعت علم سے مراد قلب ہے اور یہ بات شیخ کی عبارت میں عطف سے مستفاد و معلوم ہے (اس لیے کہ آپ اس کے بعد فرماتے ہیں) اور علم قلب پس وہ فرض عین ہے۔

شیخ محقق طاہر خوارزمی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کا قول

عالم محقق شیخ طاہر خوارزمی رحمہ اللہ "جواہر فقہ" میں فرماتے ہیں: لیکن علم قلب پس وہ ذوقی ووجدانی علم ہے جو قلموں کی زبانوں سے لکھا نہیں جاتا اور نہ ہی دفاتر اور اوہام کا احاطہ کر سکتی ہیں، علم باطن، علم ظاہر کے مقابلے میں بمنزلہ میوہ مقابلہ درخت کے ہے اہمیت درخت کو ہے لیکن میوہ کے بغیر اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ انتھی۔

علامہ محمد آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

علامہ محمد آفندی برکلی حنفی رحمہ اللہ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں: غرور میں سب سے بڑا غرور و کبر اپنی خطاء اور رائے پر غرور کرنا اور پھر اس پر خوش ہونا اور اس پر اصرار کرنا اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت ورہنمائی کو نہ سننا بلکہ غیر کو جاہل سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام بدعتیوں اور گمراہ لوگوں نے اپنے برے عمل پر اصرار کیا اور یہ اصرار ان کا اپنی رائے کے تکبر و غرور کی وجہ سے تھا اور اس غرور کا علاج انتہائید شوار وسخت ہے۔ اس لئے کہ ایسا مغرور اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے اور اپنے غرور کو مکروہ سمجھنے کے بجائے نعمت، اور بیماری کی بجائے صحت سمجھتا ہے تو وہ اس بیماری کا علاج نہیں کرتا نہ ہی طبیبوں کی بات سنتا ہے۔ طبیب علماء اہلسنت وجماعت ہیں۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی مراد دلوں کے طبیب و علماء آخرت علماء ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ عزوجل یاد آجائے اور ان کے ہم نشین کبھی بدبخت نہیں ہوتے اور یہ علماء ظاہر و باطن حقیقت وشریعت کے جامع ہوتے ہیں نہ کہ صرف علم ظاہر کا عالم جو اکثر اپنے دل کے علاج پر قادر نہیں ہوتا، تو دوسروں کے لئے کیسے معالج بن سکتا ہے۔

یہ مشائخ (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ یہ بات مشاہدہ وتجربہ سے ثابت ہے کہ بسا اوقات لوگوں کا علاج کرتے ہیں لیکن خود بیمار ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ شیخ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

حضرت شیخ حسن شرنبلالی رحمہ اللہ "نور الایضاح" کی شرح "مراقی الفلاح" میں فرماتے ہیں: کہ طہارت شرعیہ شرط ہے، تاکہ بندہ عبادت کرنے کا اہل ہو جائے اور عبادت کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اخلاص نصیب نہ ہو اور جب تک پوشیدہ نجاستوں، مثلاً کینہ، فریب، بغض، حسد، ریاکاری وغیرہ سے پاکی حاصل نہ ہو۔ طریقت میں پہلے دل کی اصلاح ہوتی ہے تاکہ تمام جسم کی اصلاح ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں (کی محبت) سے دل پاک ہو جاتا ہے اور (کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب) تمام مخلوق اور جس چیز کی طرف نفس میلان وخواہش کرتا ہے، اس سے تعلق قطع ہو جائے۔ تو پھر انسان صرف خدا تعالیٰ کا قصد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اسی کے لئے کرتا ہے، وہ ذات مستحق عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کے جلال و بڑائی کی رعایت کرتے ہوئے اس کا حکم بجالاتا ہے، وہ شخص عبادت اس لئے نہیں کرتا کہ اس کو جنت ملے اور نہ ہی جہنم کی آگ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے (بلکہ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ) خدا تعالیٰ بہت بلند وبالا ذات والا ہے، اس خالق کی عبادت کرنا اس کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶)

میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

اس لئے وہ عبادت اخلاص نیت کے ساتھ کرتا ہے اور پھر جب وہ خدا تعالیٰ سے دنیوی یا دینی حاجت کے بارے میں سوال کرتا ہے تو اپنی محتاجی کے اظہار اور اپنے مولیٰ کے قرب کی طرف بے چینی کا اظہار کرنے کی غرض سے کرتا ہے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہو گی جب زبان فضول باتوں سے پاک ہو جائے چہ جائے کہ جھوٹ وغیبت وبہتان سے پاک ہو اس کی تربیت، تسبیح و تہلیل اور قرآن پاک کی تلاوت پر مرتب ہو، ممکن ہے کہ مذکور شخص عبدیت کی بعض صفات کے ساتھ متصف ہو جائے، اس لئے کہ عبدیت، عہد وپیمان کے وفا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے، راضی رہنے، جو پاس نہ ہو اس پر صبر کرنے کا نام ہے تو فرد الفرد ولی بن جائے گا کوئی شے پوشیدہ وہ مجہول نہیں ہو گی اور پھر تمہیں نفس کی خواہش کی طرف کوئی شئے مائل نہ کر سکے گی۔[1]

ونقل الشیخ ابراھیم الحلبی فی شرحه الکبیر علی المنیة قصیدة الشیخ شرف الدین اسمعیل ابن المقری فی الوعظ تائیة۔

تصلی بلاقلب صلوٰة بمثلها	یکون الفتی مستوجبا للعقوبة
تظل وقد اتممها غیر عالم	تزید احتیاطا رکعة بعد رکعة
فویلک تدری تناجیه معرضا	وبین یدی من تنحنی غیر مخبت
تخاطبه ایاک نعبد مقبلا	علی غیره فیها لغیر ضرورة لی
ولو ردمن ناجاک للغیر طرفه	تمیزت من غیظ علیه وغیرة
اما تستحی من مالک الملک ان یری	صدودک عنه یا قلیل المروة

انتھی۔

حضرت شیخ ابراہیم جلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول

حضرت شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح کبیر"(منیۃ کی شرح) شیخ شرف الدین اسمٰعیل ابن مقری کا ایک قصیدہ نقل فرمایا:

تصلی بلاقلب صلوٰة بمثلها	یکون الفتی مستوجبا للعقوبة

ترجمہ: تو دلی توجہ کے بغیر نماز پڑھتا ہے اس قسم کی نماز بندے کیلئے عذاب کا باعث بنتی ہے۔

---

[1] (الحدیقة الندیة فی الطریقة النقشبندیة، ص ۴۱ تا ۴۳، المکتبة الحقیقة، استانبول، ترکیا)

فویلک تدری من تناجیه معرضا   وبین یدی من تنتحنی غیر مخبت

افسوس ہے تجھ پر تجھے معلوم ہے کہ تو کس ذات پر اعراض (بغیر توجہ) کی مناجات کرتا ہے۔

حالانکہ جو شخص اس ذات کے حضور (نماز میں، بغیر عذر) کے گلہ صاف کرے عاجزی کرنے والا نہیں ہوتا۔

ولو ردمن ناجاک للغیر طرفه   تمیزت من غیظ علیه وغیرة

اور جس نے تجھے نجات دی اگر وہ تجھے اپنے سے دور کر دے تو تو غصہ و غیرت سے اس پر پھٹ پڑتا ہے۔

اما تستحی من مالک الملک ان یری   صدودک عنه یا قلیل المروة

کیا تجھے مالک الملک سے شرم نہیں آتی کہ وہ دیکھ لے گا۔ تیرے اعراض کا اس سے اے کم مروت و محبت والے۔

قلت وقد جرت العادة وجربت بان التطهیر من النجاسات المعنویة وادناس الطویة والحضور والخشوع فی الصلوٰة وسائر العبادات بمشهد ان تعبد الله کانک تراه المعبر عنه بمقام الاحسان لا یتیسر فی الغالب الاکثر الا بالسلوک علی ید شیخ عالم کامل خبیر بعلاج هذه الامراض وحکمة معاملاتها علما وذوقا وتجربة بل لو حفظ المبتلی هذه العلل کتبا متعددة لا یستغنی بها عن تربیة مثل هذا الشیخ لیخرجه من رعونات نفسه الامارة ودسائسها الخفیة کما نشاهده فی کثیر من۔۔۔ المبتلین بها والتجربیات والمشاهدات تلتحق بالیقینیات القطعیات وقد قال الله تعالی بل الانسان علی نفسه بصیرة۔

میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کی یہ بات عادت اور تجربہ سے ثابت ہے کہ باطنی نجاسات پاکی حاصل کرنا تمام عبادات اور نماز میں حضور و عاجزی اس وقت حاصل ہو گی کہ تم خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اس کیفیت کو مقام احسان کہتے ہیں اور یہ کیفیت (اکثر طور پر) صرف ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو عالم کامل مذکورہ بیماریوں کے علاج پر خبر دار ہو، اگر کوئی شخص ان بیماریوں کے علاج پر بہت ساری کتابیں یاد کر لے تب بھی شیخ کامل کی تربیت سے مستغنیٰ (بے پرواہ) نہیں ہو سکتا (شیخ کی تربیت اس لئے ضروری ہے) تاکہ بندہ نفس امارہ کی رعونت اور خفیہ فریب سے بچ نکل سکے حالانکہ بہت سارے فقہی علماء ظواہر نفس امارہ کی خفیہ فریب میں مبتلا ہیں۔ مشاہدات و تجربات، قطعی یقینیات کے ساتھ جا کر ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (القیامة ۱۴)

ترجمہ: بلکہ انسان خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے۔

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی رحمہ اللہ حدیقۃ الندیہ میں لکھتے ہیں:

و قد شهد بوجوب تعلم علم البطان من الكتب المعتمدة كتحفة المحتاج للشيخ المحقق المتبحر الشهاب ابن حجر الهيتمی المكی رحمہ اللہ تعالیٰ فانه قال فی كتاب السير منها و يجب على من لم يرزق قلبا سليما ان يتعلم ادوية امراض القلب من كبر و عجب، و رياء و نحوها كما يجب لكن كفاية تعلم علم الطب انتهى قلت و المفهوم من هذا النص ان تعلم ادوية امراض القلب من الفروض العينية۔

ترجمہ: شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ الحدیقۃ الندیہ میں فرماتے ہیں:

بہت ساری معتبر کتابوں میں علم باطن کے حاصل کرنے کو واجب قرار دیا مثلاً "تحفہ المحتاج" میں شیخ محقق متبحر شیخ شہاب ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قلب سلیم کی دولت عطا نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ دل کی بیماریوں کی دوائیوں کا علم حاصل کرے۔ جیسے علم طب کا حاصل کرنا واجب ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ علم طب کا وجوب علی الکفایہ ہے جب کہ علم باطن ایسا نہیں۔ میں کہتا ہوں صاحب کتاب کے مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ دل کی بیماریوں کی ادویات کا علم فرض عین ہے۔[1]

امام ابی العباس احمد بن محمد علی بن حجر المکی الہیتمی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا: يَتَعَيَّنُ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ أَرَادَ الْخَلَاصَ مِنْ وَرْطَةِ الْكِبْرِ وَثَمَرَتِهِ الْقَبِيحَةِ إِذْ هُوَ مِنَ الْمُهْلِكَاتِ وَلَا يَخْلُو أَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ، وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَهِيَ لَا تُمْكِنُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنِّي، بَلْ بِالْمُعَالَجَةِ بِاسْتِعْمَالِ أَدْوِيَتِهِ النَّافِعَةِ فِي إِزَالَتِهِ مِنْ أَصْلِهِ۔

ترجمہ: ہر انسان تکبر اور اس کے بُرے نتائج سے چھٹکارا چاہتا ہے کیونکہ یہ مہلکات یعنی ہلاکت میں ڈالنے والی بیماریوں میں سے ہے، حالانکہ اس سے کوئی انسان پاک نہیں، اور اس کا ازالہ فرضِ عین ہے، جو صرف تمنا اور خواہش سے نہ ہو گا بلکہ مفید ادویہ کے استعمال سے اسے جڑ سے ختم کرنا ضروری ہے۔[2]

محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ تویجری لکھتے ہیں:

و الكبر من الكبائر المهلكات، و لا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه، و إزالته فرض عين۔

تکبر ہلاک کرنے والے کبیرہ گناہوں میں سے ہے، مخلوق میں سے کوءی ایک بھی اس سے خالی نہیں ہے، اور اس کا ازالہ فرض عین ہے۔[3]

---

[1] (الحديقة الندية، ص ٢٦، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركيه)

[2] (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبر و العجب و الخيلاء، ج، ١، ص، ١٢٠، دار الكتب العلميه، بيروت)

[3] (موسوعة فقه القلوب، آفة الكبر، ج، ٣، ص، ٣١١٤)

علاء الدین عابدین، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وقد تظاهرت نصوص الشرع والإجماع على تحريم الحسد، واحتقار المسلمين، وإرادة المكروه بهم، والكبر والعجب والرياء والنفاق، وجملة الخبائث من أعمال القلوب، بل السمع والبصر والفؤاد، كل ذلك كان عنه مسؤولاً، مما يدخل تحت الاختيار۔

ترجمہ: حسد کرنا، اور مسلمانوں کو حقیر جاننا' ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرنا' تکبر' خود پسندی' ریاء نفاق اور دل سے متعلقہ جملہ اعمال قبیحہ کی حرمت پر اجماع ہے، اور اس پر شرعی نصوص ظاہر ہیں، بلکہ سمع وبصر اور دل میں سے ہر ایک سے ان کے اختیاری اعمال کی باز پرس ہو گی۔[1]

[1] (الهداية العلائية، ص، ۵ ۱ ۳، الموسوعة اليوسفية فى بيان ادلة الصوفية، الجزء الاول، ص، ۲۵، ۲۴)

الفصل الثامن: جن فقہاء نے علم تصوف کو واجب کہا

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وتعلم علم الظاهر لا يغني عن استفادته كما ثبت ذلك عن كثير من العلماء الاكابر المتقدمين۔

صرف ظاہری علم (علم دین) علم باطن کے حاصل کرنے سے انسان کو مستغنی (بے پرواہ) نہیں کرتا اکثر متقدمین ومتاخرین علماء سے مذکورہ بات ہے (کہ صرف علم ظاہر نجات کے لیے بغیر علم باطن کافی نہیں)۔[1]

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقد شهد بوجوب تعلم علم الباطن كثير من الكتب المعتمدة كتحفة المحتاج للشيخ المحقق المتبحر الشهاب ابن حجر الهيتمي المكي رحمه الله تعالى فانه قال في كتاب السير منها ويجب على من لم يرزق قلبا سليما ان يتعلم ادوية امراض القلب من كبر وعجب ورياء ونحوها كما يجب لكن كفاية تعلم علم الطب انتهى قلت والمفهوم من هذا النص ان تعلم ادوية امراض القلب من الفروض العينية۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بہت ساری معتبر کتابوں میں علم باطن کے حاصل کرنے کو واجب قرار دیا مثلاً "تحفہ المحتاج" میں شیخ محقق متبحر شیخ شہاب ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قلب سلیم کی دولت عطا نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ دل کی بیماریوں (جیسے کبر، ریاء عبادت میں سستی وغیرہ) کی دوائیوں کا علم حاصل کرے۔ جیسے علم طب کا حاصل کرنا واجب ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ علم طب کا وجوب علی الکفایہ ہے (محلے یا قریہ میں اگر ایک شخص طبیب ہے تو سب سے وجوب ساقط ہو گا) جبکہ علم باطن ایسا نہیں (علم باطن سب کے لیے یکساں واجب ہے ایک شخص کے حاصل کرنے سے دوسروں کے ذمہ سے اس کا وجوب ساقط نہ ہو گا) انتہی۔ میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کے مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ دل کی بیماریوں کی ادویات کا علم فرض عین ہے۔[2]

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال الخطيب الشربيني من الشافعية في شرح الغاية وتنقسم الطهارة الى واجب ومسنون ثم الواجب ينقسم الى واجب بدني وقلبي فالقلبي كالحسد والعجب والرياء والكبر قال الغزالي رحمه الله تعالى معرفة حدودها واسبابها وطبها وعلاجها فرض انتهى۔ وقال شارح المحرر خاتمة المتأخرين الشيخ ابو بكر رحمه الله فيه واما علم الباطن كالعلم بامراض القلب من الحسد والحرص والعجب والرياء والكبر والحقد والبخل وما يتولد منها والعلم بحدودها وعلاجها والعلم بتحصيل اضدادها من الرضاء بالقضاء والقناعة وتحقير النفس والاخلاص والتواضع

---

[1] (الحديقة الندية في الطريقة النقشبندية، ص ۲۵، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركيا، تحفه نقشبنديه، ص ۴۱)

[2] (الحديقة الندية في الطريقة النقشبندية، ص ۴۲، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركيا، تحفۂ نقشبنديه، ص ۴۲)

والصفاء والسخاء فقد قال الامام الغزالی والمتولی والبغوی وشیخه القاضی حسین وغیرهم من کبار اصحابنا انه فروض الاعیان انتهی۔

خطیب شربینی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح "الغائیہ" میں فرماتے ہیں: طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ واجب و مسنون (سنّت) پھر واجب کی دو قسمیں ہیں واجب بدنی اور واجب قلبی واجب طہارت، حسد، عجب، ریاء، کبر، دنیا کی محبت، عبادت میں سستی، جیسی بیماریوں سے پاکی حاصل کرنا ہے۔

الفصل التاسع: اقوالِ صوفیاء در فرضیت علم تصوف

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

واعلم: ان العلم الذی طلبه فرض لازم لکل مکلف ثلاثة انواع:

الاول: علم التوحید والذی یتعین علیک منه هو مقدار ماتعرف به اصول الدین وقواعد العقائد کافیة فیه۔

والثانی: علم السر وهو مایتعلق بالقلب ومساعیه من مواجبه مناهیه۔

والثالث: علم العبادات الظاهرة المتعلقة بالابدان والاموال ثم ان من الله علیک بعلم ماوجب علیک علمه وعمل ماوجب علیک ترکه فقد ادیت ماوجبه الله تعالی علیه وصرت من العلماء العالمین۔ وبالله التوفیق۔

ترجمہ: اور جان تو: وہ علم جس کا سیکھنا ہر مکلف (مسلمان) فرض ہے تین قسم پر ہے:

(۱) علم توحید مگر اس قدر کہ اصولِ دین معلوم ہو جائیں اور صولِ عقائد جو دین میں کافی ہوں۔

(۲) علم سر یعنی قلب اور اس کے مساعی اور امر و نواہی کے متعلق علم۔

(۳) علم عبادات ظاہرہ جو بدن اور مال سے متعلق ہوں بعد ازاں اگر اللہ کے فضل سے اتنا ہو جائے کہ واجبی علم سیکھ لو اور جو عمل واجب ہیں ان پر عمل کرلو اور جن چیزوں کا ترک ضروری ہے انہیں ترک کر دو تو تم عالم با عمل ہوں گئے۔ وباللہ التوفیق۔[1]

عارف باللہ سیدی شیخ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی، نابلسی، حنفی، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۴۳ھ، وغیرہ لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْمُجَاهَدَةَ فِي النَّفْسِ عِبَادَةٌ وَلَا تَحْصُلُ لِأَحَدٍ إِلَّا بِالْعِلْمِ وَهِيَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ۔

ترجمہ: بے شک مجاہدہ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اور یہ ہر ایک پر فرض ہے۔[2]

حضرت شیخ فرید الدین عطار، نیشاپوری، متوفی ۶۲۷ھ، لکھتے ہیں:

وگفت: اگر طلب علم فریضہ است طلب معلوم فریضہ تر۔

ترجمہ: شیخ المشائخ ابو علی دقاق نے فرمایا: جس طرح علم کی طلب فرض ہے اسی طرح معلوم کی طلب بھی فرض عین ہے۔[3]

---

[1] (روضۃ الطالبین وعمدۃ السالکین، ص ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (حدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۲، ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، وبریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ، ج ۱، ص ۲۵۳، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کوئٹہ)

[3] (تذکرۃ الاولیاء، ص ۵۶۷، ایران)

حضرت شیخ الشیوخ حافظ امام جلال الدین سیوطی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۱۱ھ، لکھتے ہیں:

وَأَمَّا عِلْمُ الْقَلْبِ وَمَعْرِفَةُ أَمْرَاضِهِ مِنْ الْحَسَدِ، وَالْعُجْبِ، وَالرِّيَاءِ وَنَحْوِهَا، فَقَالَ الْغَزَالِيُّ: إنَّهَا فَرْضُ عَيْنٍ۔

ترجمہ: حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی کے مطابق علم قلب اور حسد، ریا، کینہ، خود بینی، غرور، انانیت وغیرہ جیسے امراض کی معرفت، فرضِ عین ہے۔[1]

تصفیہ قلب فرض عین ہے:

علامہ شیخ یوسف خطار محمد لکھتے ہیں:

فتصفية القلب و مداواته من اهم الفراءض العينية و اهم الواجبات الربانية، و قد دل على ذلک ماجاء في الكتاب و السنة و اقوال العلماء و الفقهاء۔

ترجمہ: پس قلب کا تصفیہ کرنا اور اس کی مداوات اہم ترین فرضِ عین میں سے ہے اور اہم ترین واجباتِ ربانیہ میں سے ہے، اور تحقیق اس پر قرآنِ مجید میں اور احادیثِ مبارکہ میں اور علماء اور فقہاء کے اقوال میں دلیلیں ہے۔[2]

حضور سیدی شیخ عبد القادر عیسی، قادری، شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

فتنقية القلب، وتهذيب النفس، من أهم الفرائض العينية وأوجب الأوامر الإلهية، بدليل ما ورد في الكتاب والسنة وأقوال العلماء...كل الأحاديث التي وردت في النهي عن الحقد والكبر والرياء والحسد... وأيضاً الأحاديث الآمرة بالتحلي بالأخلاق الحسنة والمعاملة الطيبة فلتراجع في مواضعها۔

ترجمہ: دل کا تصفیہ اور نفس کا مہذب بنانا اہم ترین فرض عین اور ماموراتِ الٰہیہ میں سے واجب ترین ہے، اس پر قرآن مجید اور آحادیث مبارکہ اور علماء کرام کے اقوال سے بہت ساری دلیلیں ہیں۔۔۔۔وہ تمام حدیثیں جو حسد، تکبر، خود بینی اور ریا سے اجتناب پر وارد ہیں۔۔اور وہ تمام حدیثیں جو نفس کو اچھے اخلاق کے ساتھ مزین کرنے اور اچھا معاملہ کرنے کے بارے میں آئی ہیں، یہ تمام صفات قلب اور نفس کی تہذیت کے فرضِ عین ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[3]

حضور سیدی شیخ یوسف خطار محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و الكبر من امراض القلوب وهو وحده يكفى لدخول النار بدليل قول النبى ﷺ۔

---

[1] (الأشباه والنظائر للسيوطي، ج، ۱، ص، ۲۱۶، ص، ۵۰۴، تصوف کے حقائق ص ۲۶)

[2] (الموسوعة اليوسفية فى بيان ادلة الصوفية، الجزء الاول، ص، ۲۱)

[3] (حقائق عن التصوف، ص، ۱۵)

ترجمہ: اور تکبر امراض قلوب میں سے ہے اور یہ ایک ہی دوزخ میں دخول کے لیے کافی ہے اس پر نبی کریم ﷺ کا (درج ذیل یہ) ارشاد دلیل ہے۔[1]

سید السالکین زبدۃ العارفین مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری، قدس سرہ، متوفی، ۷۸۲ھ، لکھتے ہیں:

شمس الدین شرفہ اللہ تعالیٰ فی الدارین بدانند کہ مبتدی را بعد صحت توبہ باجماع ‘ میانخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ فریضہ است کہ بیری بخۃ وفراش ونشیب طریقت کدستہ مستوو قیم الحال کستۃ و قہر جلال ولطف جمال دیدہ۔

ترجمہ: اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو دونوں جہاں میں مشرف بنائے، تمہیں معلوم ہو کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے کہ تکمیل توبہ کے بعد فرض ہے ایسا پیر پختہ تلاش کرے جو نشیب وفراش راہ سے آگاہ‘ صاحب حال ومقام ہو صفات جلالی کے قہر وغضب اور صفات جمالی کے لطف وکرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔[2]

شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی، حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۶۱ھ، لکھتے ہیں:

والکلمۃ التی فی افواہ الرجال الواصلین نزلت فی اللوح الاکبر بلسان القدس بلاواسطۃ فی القربۃ، فکل شیء یرجع الی اصلہ، ولذلک طلب اھل التلقین فرض بحیاۃ القلب کما قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔ والمراد منہ علم المعرفۃ والقربۃ والبواقی من العلوم الظاہرۃ لایحتاج الیھا الا مایؤدی بھا الفرائض کما قال الامام الغزالی علیہ الرحمۃ: (الوافر)

حیاۃ القلب علم فادخرہ	وموت القلب جہل فاجتنبہ
وخیر مرادک التقوی فزدہ	کفاک بماوعظتک فاتّعظہ

جو کلمہ واصلین کی زبان پر جاری ہے وہ لوح اکبر سے بلاواسطہ زبان قدرت کے ذریعے قربت میں نازل ہوا ہے۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی لئے اہل تلقین (مرشد کامل) کی تلاش فرض ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کلّ مسلم ومسلمۃ۔

علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

حدیث پاک میں علم سے مراد علم معرفت و قربت ہے۔ باقی علوم ظاہرہ کی ضرورت اتنی ہے کہ انسان فرائض کو بجالا سکے۔

---

[1] (الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، ص، ۲۵)

[2] (مکتوبات صدی فارسی، ص ۳۲، خدابخش اورنیٹل لائبریری پٹنہ)

جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حیاۃ القلب علم فادخرہ　　　وموت القلب جھل فاجتنبہ
وخیر مرادک التقوی فزدہ　　　کفاک بما وعظتک فاتّعظہ

ترجمہ: دل کی زندگی علم ہے اسے ذخیرہ کرلے۔ اور دل کی موت جہالت ہے اس سے دامن بچالے، تیری بہترین مراد تقویٰ ہے اس میں اور اضافہ کر۔ میری یہ نصیحت تیرے لئے کافی ہے پس اسے پلے باندھ لے۔[1]

سید السالکین زبدۃ العارفین مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری، قدس سرہ، متوفی ۷۸۲ھ، لکھتے ہیں:

(ارشاد شیخ ہے) طایفہ صوفیہ اس چیز کی طرف مشغول کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ دعوت مندوب ہے واجب نہیں، یعنی لابدیات اور ضروریات کو غیر لابدیات اور غیر ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔ کیونکہ لابدیات اور ضروریات غیر لابدیات اور غیر ضروریات سے زیادہ اہم ہے تو جب تک لابدیات اور ضروریات سے فارغ نہ ہولیں، فضولیات جو کہ غیر اہم ہیں، اسکی جانب مشغول نہیں ہوتے ہیں۔

یوں سمجھو کہ جس شخص کے ذمہ فرض عین ہو وہ فرض کفایہ کی ادائیگی میں لگا رہے، اور یہ دعویٰ کرے کہ اس فرض کفایہ کی مشغولی سے میرا مقصود اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ کتنی بڑی حماقت اس شخص کی ہوگی کہ جس کے کپڑوں میں سانپ اور بچھو گھس آئے ہوں بجائے اس کے کہ وہ اس مارڈالے وہ پنکھا طلب کرے کہ دوسروں پر سے مکھیاں ہنکائے۔ تو یہ صحیح اور درست ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا دوسروں کی اصلاح کی طلب میں ہو، ایسا شخص نادان ہی ہے۔ جس شخص پر اپنے آپ کو درست کرنیکی اہمیت ہے وہ جب تک خود کو راہ راست پر لانے سے فارغ نہیں ہوتا دوسروں کو راہ راست پر لانے میں مشغول نہ ہو۔ اگر ایسا کرے گا تو یہ صریح نادانی ہوگی اور خود کو ہلاک کرنے والا ہوگا۔[2]

شیخ عبد القادر عیسی قادری شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال الطیبي: (لا ینبغي للعالم - ولو تبحر في العلم حتی صار واحد أھل زمانہ - أن یقتنع بما علمہ، وإنما الواجب علیہ الاجتماع بأھل الطریق لیدلوہ علی الطریق المستقیم، حتی یکون ممن یحدثھم الحق في سرائرھم من شدۃ صفاء باطنھم، ویخلّص من الأدناس، وأن یجتنب ما شاب علمہ من کدورات الھوی وحظوظ نفسہ الأمارۃ بالسوء، حتی یستعد لفیضان العلوم اللدنیۃ علی قلبہ، والاقتباس من مشکاۃ أنوار النبوۃ، ولا یتیسر ذلک عادۃ إلا علی ید شیخ کامل عالم بعلاج أمراض النفوس، وتطھیرھا من النجاسات المعنویۃ، وحکمۃ معاملا اعلماً وذوقاً، لیخرجہ من رعونات نفسہ الأمارۃ بالسوء ودسائسھا الخفیۃ. فقد أجمع أھل الطریق علی وجوب اتخاذ الإنسان شیخاًلہ، یرشدہ إلی زوال

[1] (سر الاسرار ومظھر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار، الفصل الخامس، ص، ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (سرّ الاسرار، ص، ۱۰۲)
[2] (شرح آداب المریدین، ص، ۱۸۵)

تلک الصفات التي تمنعه من دخول حضرة الله بقلبه، لیصح حضوره وخشوعه في سائر العبادات، من باب ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب، ولا شک أن علاج أمراض الباطن واجب، فیجب علی کل من غلبت علیه الأمراض أن یطلب شیخاً یخرِجه من کل ورطة، وإن لم یجد في بلده- أو إقلیمه وجب علیه السفر إلیه)۔

علامہ محدث طیبی فرماتے ہیں کہ کوئی عالم علم میں کتنا ہی متبحر اور یکتائے زمانہ ہو، اس کے لئے صرف اپنے علم پر قناعت کرنا اور اسے کافی سمجھنا مناسب نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ اہل طریقت کی مصاحبت اختیار کرے تاکہ وہ اس کی راہ حق کی طرف رہنمائی کریں اور اس کا تزکیہ فرمائیں تاکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جو صفائے باطن کے باعث خلوتوں میں الہامات سے نوازے جاتے ہیں نیز عالم کے لئے ضروری ہے کہ علم کے سبب خواہشات کی کدورتوں اور نفس امّارہ کے فروغ سے اجتناب کرے تاکہ اس کے دل پر علم لدنیہ کا فیضان ہو اور وہ انوار نبوت کے مصدر و مشکوٰۃ (سینہ رسول) سے کسبِ فیض کریں۔ اور یہ چیز کسی ایسے شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کئے بغیر ممکن نہیں جو امراض نفسانی کے ازالے، باطنی نجاستوں کی تطہیر اور علم و ذوق سے معاملات کی حکمت کو جانتا ہو۔ اہل طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسا شیخ پکڑنا ہر انسان پر واجب ہے جو حضرت باری میں حضوری و تقرب سے مانع رذیلہ اوصاف کے ازالے کے لئے اس کی رہنمائی کر سکے۔ تاکہ تمام عبادات میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع حاصل ہو جو ہر واجب کے اتمام کے لئے ضروری ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ امراض باطن کا علاج واجب ہے لہذا جس کسی پر بھی ان امراض کا غلبہ ہے اسے چاہیے کہ کسی ایسے شیخ کو تلاش کرے جو اسے گردابِ ہلاکت سے نکالے اگر ایسا شیخ اسے اپنے ملک میں نہ ملے تو اس کی تلاش میں سفر کرنا واجب ہے۔[1]

شیخ عبد القادر عیسی قادری شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حکمها: تزکیة النفس فرض عین کما سبق أن بینا ذلک ولا تتم إلا بالمجاهدة ومن هنا کانت المجاهدة فرض عین من باب: (ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب)۔

ترجمہ: مجاہدہ کا حکم: جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تزکیہ نفس فرض عین ہے اور نفس کا تزکیہ مجاہدے کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا مجاہدہ بھی فرض عین ہوا۔ کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

وان اردت علم احوال القلب فانظر الی الاحیاء وغیره من مصنفاتی۔ وهذا العلم فرض عین۔

---

1 ("تنویر القلوب" للعلامة الشیخ أمین الکردي الشافعي، ص، ۴۵، ۴۴، حقائق عن التصوف، ص، ۳۰، تصوف کی حقائق، ص ۴۴)
2 (حقائق عن التصوف، ۵۸)

ترجمہ: اگر تُو احوالِ قلب کے متعلق علم کا ارادہ رکھتا ہے تو احیاء العُلُوم اور ہماری دیگر تصانیف کا مطالعہ کر۔ کیونکہ کیفیاتِ قلب سے آگاہی حاصل کرنا تو فرضِ عین ہے۔[1]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

الاخلاص هو فرائض الدين وبه يتم الايمان للمؤمن ,وهو معروف فى شريعة مسلمين، وهو لباب الاعمال ,ومنال ذى الجلال,والعمل بغير الاخلاص, كالجوز بلا لباب,والجسم بلا روح,وكالشجر بلا ثمار,وكالغيم بلا مطر, وكالمولود بلا نسب وكا لبذر بلا نبت لا يصلح الا للدفن بين القبور,والشجر بلا ثمار لا يصلح لال للحرق بالنار والغيم بلا مطر لا يتنفع به من البشر,والمولود بلا نسب لا يدفع اليه عند الميراث ذرة من المتا ع۔

ترجمہ: اخلاص یہ دین کا فرض ہے، اور اخلاص کے سبب مومنین کا ایمان پورا ہوتا ہے، اور اخلاص مسلمانوں کی شریعت میں معروف ہے، اور اخلاص اعمال کا مغز ہے، اخلاص ذی جلال (اللہ تعالیٰ) کو پانے کی جگہ ہے، اور عمل اخلاص کے بغیر ایسے ہے جیسے اخروٹ بغیر مغز کے، اور جسم بغیر روح کے، اور درخت بغیر پھل کے، اور بادل بغیر بارش کے، اور بچہ بغیر نسب کے، اور بیج بغیر اگنے کے، اور اخروٹ بغیر مغز کے بچوں کے کھیلنے کی ہی صلاحیت رکھتا ہے، اور جسم بغیر روح کے قبر میں دفن ہونے کی ہی صلاحیت رکھتا ہے، اور درخت بغیر پھل کے آگ میں جلانے ہی کی صلاحیت رکھتا ہے، اور بادل بغیر بارش کے اس سے کوئی انسان نفع حاصل نہیں کر سکتا، اور بچہ بغیر نسب کے اس کو میراث کے وقت سامان میں سے ایک ذرہ بھی نہیں دیا جاتا۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

قال حجة الإسلام الإمام الغزالي بعد أن اختبر طريق التصوف، ولمس نتائجه، وذاق ثمراته: (الدخول مع الصوفية فرض عين، إذ لا يخلو أحد من عيب إلا الأنبياء عليهم الصلاة والسلام)۔

ترجمہ: حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی نے فرمایا کہ تصوف کو آزمانے اس کے نتائج کو چھونے اور ثمرات کو چکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ صوفیاء کے ساتھ طریقت میں داخل ہونا فرض عین ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان عیوب سے خالی نہیں اور ان عیوب کا ازالہ صوفیاء کے پاس ممکن ہے۔[3]

شیخ عبد القادر عیسی، قادری، شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال الشيخ عبد الغني النابلسي رحمه الله: (المجاهدة في النفس عبادة ولا تحصل لأحد إلا بالعلم، وهي. فرض عين على كل مكلف)۔

---

[1] (ایھا الولد (مجموعۃ الرسائل امام غزالی)، ص، ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (علم القلوب، باب صفة الاخلاص وطبقات المخلصين بالقلب، ص ۱۳۷، المکتبۃ السیفیۃ تحصیل باڑہ علاقہ منڈیکس کھجوری پشاور)

[3] (النصرة النبوية" على هامش شرح الرائية للفاسي، ص، ۲۶)) تصوف کے حقائق، ص ۳۰)

ترجمہ: شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجاہدہ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اگر مجاہدہ فرض عین ہے تو اس مجاہدہ کا علم بھی ہر مکلف پر فرضِ عین ہے۔[1]

قال الإمام حجة الإسلام أبو حامد الغزالي رحمه الله تعالى: (الدخول مع الصوفية فرض عين، إذ لا يخلو أحد من عيب أو مرض إلا الأنبياء عليهم السلام)۔

ترجمہ: حجۃ الاسلام امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انبیاء اکرام کے علاوہ کوئی بھی ظاہری و باطنی عیوب و امراض سے خالی نہیں لہٰذا ان عیوب و امراض کے ازالے کے لیے صوفیاء کرام کے ہمراہ طریقت میں ہونا فرضِ عین ہے۔[2]

عبد اللہ بن ضیف اللہ الرحیلي، لکھتے ہیں:

ولا يتكلم في الإخلاص، ولا يحذر من الرياء، وهذا عليه فرض عين؛ لأن في إهماله هلاكَهُ۔

ترجمہ: اور وہ اخلاص میں کلام نہیں کرتا، اور رنہ یاء سے بچتا ہے، حالانکہ یہ اس پر فرض عین ہیں، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے میں اس کی ہلاکت ہے۔[3]

مجدي الهلالي، لکھتے ہیں:

أن إصلاح النفس فرض عين۔

ترجمہ: بے شک نفس کی اصلاح فرض عین ہے۔[4]

علم حاصل کرنے کا حکم اور علم کی اقسام

شیخ عبد القادر عیسی قادری، شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حكم تعلم العلم: ينقسم العلم من حيث حكمه الشرعي إلى ثلاثة أقسام:

١- مأمور به. ٢- منهي عنه. ٣- مندوب إليه أ- العلوم المأمور بها: وهي صنفان: الصنف الأول: فرض عين، وهو ما لا يسقط عن المكلف إلا بقيامه به بنفسه. لا بد قبل تعداد العلوم المفروضة على المكلف فرض عين من أن نثبت بعض القواعد الأساسية في هذا الموضوع منها قاعدة: (ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب) ومنها قاعدة: (العلم تابع للمعلوم). فالعلم الذي يتوصل به إلى إقامة الفرض يكون فرضاً والعلم الذي يتوصل به إلى إقامة الواجب يكون واجباً، والعلم الذي يتوصل به إلى إقامة السنة يكون سنة. وبناء على هذه القواعد نعدد بعض العلوم المفروضة فرض عين على كل مكلف: ١- تعلم عقيدة أهل السنة والجماعة مع الاستدلال الإجمالي على كل مسألة من مسائل الإيمانيات،

---

[1] (حقائق عن التصوف، ص، ۵۸)
[2] (شرح الحکم "لابن عجیبة، ج، ص، ۷، حقاءق عن التصوف، ص، ۳۱)
[3] (طریقک الی الاخلاص والفقه فی الدین، ج، ۱، ص، ۱۷، دار الاندلس، الخضراء)
[4] (طوق النجاة، ج، ۱، ص، ۲۸)

للخروج من ربقة التقليد، وللحفاظ على إيمانه أمام تشكيك الملحدين ومغالطات الضالين.٢- تعلم ما يستطيع به المكلف أداء المفروض عليه من العبادات كالصلاة والزكاة والحج والصوم...

٣- من تعاطى شيئاً من المعاملات كالبيوع والإجارة والنكاح والطلاق... يفترض عليه تعلم ما يتمكن معه من تجنب الحرام والتزام حدود الشرع.٤- تعلم أحوال القلب من التوكل والخشية والرضا لأن المسلم واقع طيلة عمره في جميع الأحوال القلبية.٥- تعلم جميع الأخلاق الحسنة والسيئة كي يطبق الحسنة كالتوكل على الله والرضا عنه والتسليم له والتواضع والحلم... إلخ، ويجتنب السيئة كالكبر والغرور والبخل والحسد والحقد والرياء... إلخ ومن ثم يجاهد نفسه على تركها، إذ إن المجاهدة فرض على كل مكلف ولا يمكن حصولها إلا بمعرفة الأخلاق المذمومة والممدوحة، ومعرفة طرق المجاهدات التي اشتغل السادة الصوفية، ولهذا قال أبو الحسن الشاذلي: (من مات ولم يتغلغل في علمنا هذا مات مصراً على الكبائر وهو لا يشعر) مع العلم أن الكبائر والفواحش منها ظاهرة كالزنا وشرب الخمر، ومنها باطنة قلبية كالكبر والنفاق... ولهذ نهانا الله عنهما جميعاً بقوله: {ولا تقربوا الفواحِش ما ظَهر منها وما بطَن} [الأنعام: ١٥١] ويتوب مرتكب الفواحش الظاهرة لاطلاعه على ضررها، وأما الفواحش الباطنة فقد يعيش دهراً طويلاً ولا يفكر بالتوبة منها لجهله بحكمها أو لعدم شعوره بها_الصنف الثاني: فرض كفاية، وهو ما إذا قام به البعض سقط التكليف عن الباقين، وإذا لم يقم به أحد فالكل آثمون. والعلوم المفروضة كفائياً هي ما يتوقف عليها صلاح الأمة، كالتعمق في علم الفقه زيادة على مقدار الحاجة [ولذلک لا بد في كل بلد من مفْتٍ يكون مرجعاً للناس، في امور دينهم، يقوم بهذا الفرض الكفائي ويسقط الإثم عن الناس]، وكذلک علم التفسير والحديث، وأصول الفقه، وأصول الاعتقاد. وكذلک علم الحساب والطب والصناعة وعلم السلاح لإعداد العدة.. إلخ. ب- العلوم المنهي عنها:١- فمنها الخوض في دراسة المذاهب الضالة والأفكار المشككة والعقائد الزائغة لا بنية الرد عليها ودفع خطرها. أما تعلمها لبيان زيغها ورد شبهاتها تصحيحاً للعقائد وذوداً عن الدين فهو فرض كفاية.٢- علم التنجيم لمعرفة مكان المسروق ومواضع الكنوز ومكان الضالة ونحو ذلک مما يزعمونه، وهو من الكهانة، وقد كذبهم الشرع وحرم تصديقهم. أما تعلم علم النجوم للدراسات العلمية ولمعرفة مواقيت الصلاة والقِبلة فلا بأس به.٣- علم السحر، إذا تعلمه للاحتراز عنه فيجوز ذلک كما قيل:

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه　　　ومن لم يعرف الشر فإنه يقع فيه

ج - العلوم المندوب إليها: ومنها معرفة فضائل الأعمال البدنية والقلبية، ومعرفة النوافل والسنن والمكروهات، ومعرفة فروض الكفاية، والتعمق في علوم الفقه وفروعها والعقائد وأدلتها التفصيلية... إلخ

خاتمة: تبين مما سبق حكم العلم وأهميته في دين الله تعالى، وأن موقف السادة الصوفية من العلم أمر واضح لا يحتاج إلى تدليل، فهم أهل العلوم والمعارف وأرباب القلوب المشرقة والأرواح المنطلقة، وأهل التحقق بالإيمان والإسلام والإحسان. فبعد أن حصلوا العلوم العينية عمدوا إلى تطبيق العلم على العمل، وقاموا بإصلاح القلب وتزكية النفس وصدق التوجه إلى الله تعالى، ولهذا أكرمهم الله تعالى بالرضا والرضوان والمعرفة والغفران.

ترجمہ: علم سیکھنے کا حکم: شرعی احکام کی روشنی میں علم کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ماموارت ۲۔ منہیات ۳۔ مستحبات

ماموارت کی دو قسمیں ہیں فرض عین، فرض کفایہ، فرض عین۔ فرض عین اس فرض کو کہتے ہیں جو مکلّف (عاقل و بالغ) بذات خود ادا کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا۔ فرائض کے متعدد علوم فرض عین ہیں جن کے ذکر کرنے سے قبل چند بنیادی قواعد کا ذکر کیا جانا ضروری ہے۔ جس کے بغیر واجب تام نہ ہوتا ہو، وہ خود بھی واجب ہے۔ علم معلوم کا تابع ہوتا ہے لہٰذا وہ علم جس کے ذریعے فرض کی ادائیگی تک رسائی ہوتی ہے۔ اس علم کا حاصل کرنا فرض ہے جس علم کے ذریعے واجب قائم کرنے تک رسائی ہوتی ہے۔ اس کا حاصل کرنا واجب واجب ہے اور جس علم کے ذریعے سنت قائم کرنے تک رسائی ہوتی ہے اس کا حاصل کرنا سنت ہے۔

ان قواعد کی روشنی میں بعض فرض عین کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) اہل سنت والجماعت کے عقائد کا دلائل اجمالیہ سے جاننا فرض عین ہے تاکہ بندہ ایمان میں تقلید کے پھندے سے نکل جائے اور ملحدوں کے شکوک و شبہات اور گمراہوں کے مغالطوں کے سامنے اپنے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(۲) فرض عبادت کا علم سیکھنا فرض عین ہے جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، حج وغیرہ۔

(۳) خرید و فروخت اور تجارت سے متعلقہ لوگوں کے لئے تجارت میں حلال و حرام اور حدودِ شرعیہ کا علم حاصل کرنا اور ازدواجی زندگی سے متعلقہ لوگوں کے لئے نکاح، طلاق اور دیگر حدود شرعیہ کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔

(۴) احوالِ قلب کا علم حاصل کرنا جیسے توکل، خشیت، رضا وغیرہ کیونکہ انسان کو ساری زندگی قلب کے احوال و کیفیات سے واسطہ رہتا ہے۔

(۵) اچھے اور بُرے اخلاق کا علم حاصل کرنا تاکہ اچھے اخلاق کی متابعت کی جا سکے جیسے تکبر، بخل، کینہ، حسد، ریا وغیرہ۔ نفس کو ان بُرے اخلاق سے بچانے کے لئے مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ ایسا مجاہدہ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے اور یہ مجاہدہ اس وقت تک ممکن نہیں جبتک اچھے برے اخلاق اور مجاہدے کے طریقہ کار کو نہ جان لیا جائے۔

اسی بناء پر شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا جو علم طریقت میں داخل ہوئے بغیر مر جائے وہ کبیرہ گناہوں پر مصر مرتا ہے۔ کبیرہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری جیسے زنا، شراب اور قتل وغیرہ، دوسرے باطنی جیسے تکبر، نفاق وغیرہ۔ اللہ نے ہمیں دونوں سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (سورۃ انعام: ۱۵۱)

اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

ظاہری گناہوں کا مرتکب توبہ کر لیتا ہے کیونکہ ان کے ضرر پر مطلع ہونا آسان ہے مگر باطنی برائیوں سے توبہ کرنا مشکل ہے کیونکہ ان کا شعور اور احساس نہیں ہو پاتا۔ اس لئے کہ لوگ ان کے احکام و تفصیلان سے لاعلم ہوتے ہیں۔

فرض کفایہ: یہ مامورات کی دوسری قسم ہے۔ اسے فرض کفایہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فرض سب پر ہوتا ہے مگر کچھ لوگوں کی ادائیگی سے دوسروں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر اسے کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گناہگار ہوتے ہیں۔ وہ علوم جن کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، وہ یہ ہیں جن پر امت کی صلاح کا دارومدار ہے جیسے عمیق علمِ فقہ حاصل کرنا اور ذاتی ضروریات سے بڑھ کر فقہ میں مہارت حاصل کرنا۔ اسی طرح علمِ حدیث، اصول فقہ، علم تفسیر، اصولِ اعتقاد، علمِ حساب، علم طب، صنعت کاری اور آلات حرب بنانے کا علم وغیرہ کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

منہیات: وہ علوم جن کے حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہ ہیں:

(۱) گمراہ مذاہب، شکوک و شبہات میں ڈالنے والے غلط عقائد کا پڑھنا، ان میں بلا مقصد غور خوص کرنا وغیرہ البتہ ان کے رد کے لئے ان کا پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

(۲) چوری کی جگہ، دفینہ کی جگہ، کھوئی ہوئی یا بھٹکی ہوئی چیز کو معلوم کرنے کے لئے علم نجوم کا حاصل کرنا منع ہے کیونکہ یہ کاہنوں کا علم ہے اور شریعت نے کاہنوں کی تکذیب کی ہے، ان کی تصدیق کو حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اوقاتِ صلوٰۃ اور سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لئے اور علم میں اضافہ کے لئے اس علم کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) جادو سیکھنا سکھانا حرام ہے البتہ جادو سے بچنے کے لئے جادو سیکھنا جائز ہے کیونکہ شر سے بچنے کے لئے شر کے جاننے کی اجازت ہے جو شر کے متعلق جانتا نہ ہو اس کا شر میں مبتلا ہو جانے کا احتمال رہتا ہے۔

مستحبات: ان میں قلب و بدن کے اعمال کے فضائل کا جاننا، سنت، نوافل اور مکروہات کا جاننا، فرض کفایہ کا جاننا، علم فقہ میں گہرائی حاصل کرنا، فقہی جزئیات کا جاننا اور اہلسنت کے عقائد کا تفصیلی دلائل سے جاننا شامل ہے۔ گذشتہ سے علم کے احکام اور اہمیت کا پتہ چلا۔ صوفیاء کا علم میں مقام سب پر واضح ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ صوفیاء علم و معرفت، روشن قلوب اور منور روحوں والے ہیں۔ وہ جسم و بدن کے علائق سے آزاد، حقیقی طور پر اسلام ایمان اور احسان والے ہیں۔ یہ فرائض سے آگاہی کے

بعد عمل سے علم کی تطبیق کرتے ہیں۔دل کی اصلاح اور تزکیہ نفس میں مصروف رہتے ہیں، اللہ کی طرف صدق و اخلاص کے ساتھ متوجہ رہتے ہیں اور اس بناء پر اللہ کی طرف سے رضاو خوشنودی اور معرفت و مغفرت سے نوازے جاتے ہیں۔[1]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۲۲۵ھ، لکھتے ہیں:

طلب طریقت وسعی کردن برائے تحصیل کمالات باطنہ واجب است چراکہ حق تعالیٰ میفرماید یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ۱۰۲)

یعنی اے مسلمانوں پرہیز کیند از نامرضیات خدا کمال پرہیزگاری یعنی در ظاہر و باطن چیزے خلاف مرضی خدا تعالیٰ نباشد از عقائد و اخلاق بکمال تقویٰ وامر برائے وجوب میباشد و کمال تقویٰ بدون ولایت صورت نہ بندد چنانچہ ذکر کردہ شد رزائل نفس احد و حقد و کبر وریآء وسمعہ و عجب ومنت وغیر آن کہ حرمت آن از کتاب وسنت واجماع ثابت است تاکہ زائل نشود چگونہ صورت بندد و این متعلق است بفنائے نفس و ترک خاصی کہ تقویٰ عبارت ازان است و معبر است بصلاح جد کہ ثمرہ صلاح قلب است چنانچہ در حدیث مذکور شدہ اند وآنرا صوفیہ فنای قلب گویند ولایت عبارت از فنائے نفس است صوفیان رحمۃ اللہ علیہ گفتہ اند کہ راہے کہ ما در صدد آنیم ہمگی ہفت گام است یعنی فنائے لطائف خمسہ عالم امر قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ، فنائے نفس و تصفیہ لطیفہ قالبیہ کہ عبارت از اصلاح جد است و تقویٰ بکثرت نوافل تعلق ندارد و تقویٰ عبارت است از اتیان واجبات و پرہیز کردن از منہیات ادائے فرائض وواجبات بدون اخلاص ہیچ اعتبار ندارد قال اللہ تعالیٰ فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین۔ وپرہیز از منہیات بدون فنائے نفس صورت نمی بندد، پس تحصیل کمالات ولایت از فرائض آمدہ۔ لیکن چوں حصول ولایت امرے است وہبی مقدور نیست و تکلیف بقدر طاقت است ولہٰذا حق تعالیٰ فرمودہ (**فاتقو اللہ ما استطعتم**) پرہیز کنید از نامرضیات خدا ہر قدر کہ توانید پس حکم کردہ می شود بداں کہ بذل یعنی کوشش کردن و تبلیغ در تحصیل آں واجب است۔ دیگر آنکہ چناچہ ولایت را مراتب غیر متناہی است چنانچہ سعدی گفتہ:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد و تشنہ مستقی دریا ہمچناں باقی

---

[1] (حقائق عن التصوف، ۵۵تا ۵۷)

ہم چنیں تقویٰ ہم مراتب غیر متناہی وار در رسول ﷺ خدا فرمود (ان اعلمکم و اتقاکم باللہ انا) ہر قدر مرد مراتب قرب الٰہی ترقی می کند خوف وخشیت بروے غالب میشود متقی تر می شود (ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم) وچوں تقویٰ بے نہایت آمد پس سعی در ترقی مقامات قرب و تحصیل تقویٰ دائماً واجب گشتہ۔ وطلب زیادت علم باطنی از فرائض آمدہ قال اللہ تعالیٰ (وقل رب زدنی علما) یعنی بگوا ے محمد کہ الٰہی علم من زیادہ کن۔ وقناعت از مراتب قرب حرام است بر کامل چناچہ حرام است بر ناقص

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ می فرمایند:

در راہ خدا جملہ ادب باید بود   تا جان باقی است در طلب باید بود

دریا دریا اگر بکامت ریزند   کم باید کرد و خشک لب باید بود

مولوی روم فرمایند:

اے برادر بے نہایت در گہے است   ہر بروے می رسی بروے مالیست

حضرت خواجہ باقی باللہ می فرمایند:

ہر جا کہ ترشیخ تو بینیم   دارا لعطشیم و تشنہ کامیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمود (لا ابرح ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا) یعنی ہمیشہ باشم در سفر تا کہ برسم جائیکہ دریائے شور وشیریں جمع می شوند کہ آں مکان حضرت خضر بتعلیم الٰہی معلوم شدہ بود وچوں موسیٰ علیہ السلام با خضر ملاقی شدند (ھل اتبعک علی ان تعلمین مما علمت رشدا) گفت کہ آیا متابعت کنم من ترا برائے آنکہ بیا موزی مرا آنچہ خدا ترا علم دادہ است۔

مسئلہ: چوں طلب کمالات باطنی از واجبات آمدہ پس تلاش پیر کامل مکمل ہم از ضروریات گشتہ کہ وصول بخدا بے توسل پیر کامل مکمل بس قلیل است وبسیار۔

مولوی روم می فرمایند:

نفس رانکشد بغیر از ظل پیر   دامن آں نفس کش محکم بگیر

ترجمہ: باطنی کمالات کے حصول کیلئے طریقت کے طلب کی کوشش کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ۱۰۲)

ترجمہ:اے ایمان والو!ان اشیاء سے پرہیز کرو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

کمال تقویٰ یہ ہے کہ ظاہر وباطن مین کوئی بھی امر حتیٰ کہ عقائد واخلاق میں بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی خلاف نہ ہو اور امر برائے وجوب ہوتا ہے اور کمال تقویٰ کا ولایت کے بغیر امکان نہیں۔جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ نفس کی بری عادتیں مثلاً حسد، کینہ، تکبر، ریاکاری، طلب شہرت، خود پسندی اور احسان جتلانا وغیرہ جن کے بارے میں قرآن وحدیث اور اجماع سے واضح ثابت ہو چکا ہے۔جب تک یہ بری باتیں زائل نہیں ہوتیں کامل تقویٰ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔یہ فنائے نفس اور ترک معاصی سے مربوط ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔اور اس کو جسم کی اصلاح سے تعبیر کرتے ہیں جس کا ثمرہ قلب کی اصلاح ہے۔جس طرح حدیث شریف میں مذکور ہوا اور صوفیہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔اور ولایت کا حاصل ہونا فنائے نفس سے ہے۔صوفیہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا کہ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں وہ صرف سات قدم ہے۔جو فنائے لطائف خمسہ عالم امر یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی، اور فنائے نفس اور لطیفہ قالبی کی صفائی ہے۔جس سے مراد جسم کی اصلاح ہے تقویٰ کا تعلق نوافل کی زیادتی سے نہیں بلکہ تقویٰ سے مراد واجبات کی ادائیگی اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، سے پرہیز کرنا ہے۔فرائض اور واجبات کا ادا کرنا اخلاص کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (الزمر ۲)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو خالص کرتے ہوئے۔

اس کیلئے اطاعت کو اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز فنائے نفس کے بغیر ممکن نہیں پس کمالات ولایت کا حاصل کرنا فرض میں سے ہے۔لیکن چونکہ ولایت کا حاصل ہونا خدا کی عنایت ہے اپنے اختیار کی بات نہیں اور (شرع میں) تکلیف انسانی اختیار کے مطابق ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن ۱۶)

"یعنی جہاں تک تم سے ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچو"۔

اسی لیے حکم دیا گیا کہ اپنی طرف سے کوشش کرنا اور ہاتھ پاؤں ہلانا واجب ہے دوسرے یہ کہ جسطرح ولایت کے غیر متناہی (بے انتہا) ہیں۔

جیسے شیخ سعدی فرماتے ہیں:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں　　　　بمیرد و تشنہ مستسقی دریا ہمچناں باقی

نہ تو اس کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کا کلام ختم ہوتا ہے پھر بھی پیاسا پیاس سے مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے۔

اسی طرح تقویٰ کے بھی مراتب غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے سب سے زیادہ جاننے والا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ ہر وہ شخص جو مراتب الٰہی میں ترقی کرتا ہے اس پر خوف اور خشیت غالب رہتا ہے اور وہ زیادہ پرہیز گار رہتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳)

اللہ کے نزدیک وہ زیادہ عزت والا ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔

اور جب تقویٰ کی کوئی انتہا نہیں تو قرب کے مقامات کیلئے کوشش کرنا اور دائمی تقویٰ حاصل کرنا واجب ہو گیا۔ اور باطنی علم کی زیادتی چاہنا فرض ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ ۱۱۴)

یعنی اے محمد ﷺ کہہ کہ اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور قرب کے مقامات پر قناعت کرنا کامل اور ناقص دونوں پر حرام ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

در راہ خدا جملہ ادب باید بود　　　　تا جان باقی است در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند　　　　کم باید کرد و خشک لب باید بود

ترجمہ: خدا کی راہ میں سراپا ادب بن جانا چاہئے جب تک جان باقی ہے اس کی طلب کرتے رہنا چاہئے اگر (کامیابی کے) دریاؤں کے دریا بھی حلق میں انڈیل دیئے جائیں تو اس کو بھی کم سمجھ کر اپنے آپ کو پیاسا سمجھنا چاہیے۔

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے برادر بے نہایت در گہے است　　　　ہر بروے می رسی بروے مالیست

ترجمہ: "اے بھائی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے حد و بے انتہا ہے جس مرتبہ پر تو پہنچے اس پر اکتفا نہ کر بلکہ اس مرتبہ سے آگے ترقی کرنے کی کوشش کر"۔

قطب الارشاد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر جا کہ ترشیخ تو بینیم　　　دارا لعطشیم و تشنہ کامیم

ترجمہ: جس جگہ تیرا جلوہ دکھائی دیتا ہے وہ مقام پیاس کا گھر بن جاتا ہے اور ہماری پیاس بڑھ جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (الکھف ٦٠)

یعنی میں مسلسل سفر کروں گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچوں جہاں نمکین اور میٹھے دریا آپس میں ملتے ہیں۔

کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا وہ حضرت خضر علیہ السلام کا ٹھکانہ ہے (جہاں ان کی ملاقات ہوگی) اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو انھوں نے کہا:

هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکھف ٦٦)

یعنی کیا میں آپ کے ساتھ چلوں تاکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم سکھایا وہ آپ مجھ کو بھی سکھادیں۔

مسئلہ: جب کمالات باطنی کا طلب کرنا واجبات میں سے ہے تو پھر پیر کامل و مکمل کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ پیر کامل و مکمل کے وسیلہ کے بغیر خدا تک رسائی نہایت قلیل اور کمیاب ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر　　　دامن آن نفس کش محکم بگیر

ترجمہ: پیر کی مدد کے بغیر نفس کو مارا نہیں جاسکتا اس لئے اس نفس کو مارنے والے (پیر کامل) کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔[1]

علم تین ہیں

حضرت داتا گنج بخش، ابو الحسن علی بن عثمان جلابی، ہجویری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

محمد بن الفضل البلخی گوید، رحمۃ اللہ العُلومُ ثَلاثَۃٌ: علمٌ مِنَ اللہ، و علمٌ مَعَ اللہ، و علمٌ باللہ: علم باللہ علم معرفت است کہ ھمہ اولیای او، او را بدو دانستھاند و تا تعریف و تعرف او نبود ایشان وی را ندانستند؛ از آنچہ ھمہ اسباب اکتساب مطلق از حقتعالی منقطع است و علم بندہ مر معرفت حق را علت نگردد؛ کہ

---

[1] (ارشاد الطالبین، ص، ۲۳، ۲۱، حکیم عبد المجید احمد سیفی، لاہور)

علت معرفت وی تعالی وتقدس هم هدایت واعلام وی بود وعلم من الله علم شریعت بود که آن از وی بمافرمان وتکلیف است وعلم مع الله علم مقامات طریق حق وبیان درجت اولیا بود. پس معرفت بی پذیرفت شریعت درست نیاید وبرزش شریعت بی اظهار مقامات راست نیاید. العلمُ حیاةُ القلبِ مِنَ الجهلِ و نورُ العَینِ منَ الظُّلمَةِ: وابو علی ثقفی رحمۃاللہ علیہ گوید علم زندگی دل است از مرگ جهل ونور چشم یقین از ظلمت کفر وهرکه را علم معرفت نیست دلش بجهل مرده است وهرکه را علم شریعت نیست دلش بنادانی بیمار است. پس دل کفار مرده باشد که بخداوند تعالی جاهلاند ودل اهل غفلت بیمار؛ که بفرماهای وی جاهلاند. مَنِ اکْتَفی بِالکَلامِ مِنَ العلمِ دونِ الزُّهدِ تَزَنْدَقَ و مَن اکْتَفی بالفِقْهِ: ابو بکر وراق ترمذی گوید، رحمۃاللہ علیہ. دونَ الوَرَعِ تَفَسَّقَ هرکه از علم توحید بعبارت بسنده کند واز اضداد آن روی نگرداند زندیق شود وهرکه بعلم شریعت وفقه بی ورع بسنده کند فاسق گردد ومراد اندر این آن است که بی معاملت ومجاهدت تجرید توحید جبر باشد، وموحد جبری قول وقدری فعل باشد تا روش وی اندر میان جبر وقدر درست آید واین حقیقت آن است که آن پیر گفت، پس هرکه بی معاملت بعبارت، آن بسنده کند زندیق شود. التوّحیدُ دونَ الجبرِ و فوقَ القَدَرِ: رحمۃاللہ علیہ امافقه را شرط احتیاط وتقوی باشد، هرکه برُخَص وتأویلات وتعلق شُبهات مشغول گردد وبدون مذهب بگرد مجتهدان گردد مر آسانی را، زود که بفسق درافتد واین جمله از غفلت پدیدار آید۔

ترجمہ: محمد بن فضل البلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم تین ہیں:

(۱)علم من اللہ (۲)علم مع اللہ (۳)اور علم باللہ

علم باللہ علم معرفت ہے جس کے ذریعہ سب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے باری تعالیٰ کو جانا جب تک اس علم کو مخصوص طریقوں سے سکھایا نہ جائے اس وقت تک اس کے ذریعے خدا کو نہیں جانا جاسکتا کیونکہ اس علم کے بغیر خدا کو پانے کا کوئی دوسرا ذریعہ موجود نہیں اور بندہ کا علم معرفت حق کے لئے علت اور سبب نہیں بلکہ اس کی معرفت بھی خدا ہی کی ہدایت اور توفیق سے ہے۔ اور علم من اللہ علم شریعت ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا اور اس کا مکلف بنایا گیا ہے اور علم مع اللہ مقامات طریق حق اور درجات اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بیان سے متعلق ہے۔ الغرض معرفت بغیر

شریعت درست نہیں ہوتی اور شریعت کی کار فرمائی اظہار مقامات کے بغیر صحیح نہیں اترتی۔ حضرت ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”علم دل کی حیات ہے۔ مرگ جہالت سے اور آنکھ کا نور ایمان ہے کفر کی ظلمت و تاریکی سے“ جس کو علم معرفت نہیں اس کا دل جہالت کے ہاتھوں مر چکا ہے اور جس کو علم شریعت نہیں اس کا دل نادانہ کے مرض میں مبتلا ہے کفار کا دل مردہ ہوتا ہے کیونکہ وہ معرفت خداوندی سے محروم ہیں۔ اہل غفلت کا دل بیمار ہوتا ہے کیونکہ وہ باری تعالیٰ کے احکام سے بابلد ہیں۔

حضرت ابو بکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس نے علمی گفتگو کو بغیر زہد اختیار کئے کافی سمجھا وہ بے دین ہوا اور جس نے فقہ کو بغیر تقویٰ کے اپنایا فاسق ہوا“۔

جو علم توحید کا زبانی علمبر دار ہو اور اس کی ضد یعنی شرک وغیرہ سے دستبر دار نہ ہو زندقہ کا مرتکب ہے اور جو علم شریعت و فقہ کو بغیر عمل حاصل کرے فاسق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل اور مجاہدہ کے بغیر محض توحید جبر ہے اور موحد قول کے اعتبار سے جبری اور فعل کی رو سے قدری ہوتا ہے تاکہ اس کی روش جبر اور قدر کے بین بین درست رہے۔

اس چیز کی حقیقت یہی ہے جو ان بزرگ (یعنی حضرت ابو بکر وراق ترمذی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ:

توحید جبر کے نیچے اور قدر سے اوپر ہے“ جو کوئی علم توحید کو بغیر عمل محض زبانی پسند کرتا ہے اور اس کے مخالف افکار یعنی شرک وغیرہ سے منہ نہیں پھرتا زندیق ہو جاتا ہے فقہ کے لئے احتیاط اور تقویٰ ضروری ہے اور جو کوئی بغیر تقویٰ و پرہیز گاری صرف علم فقہ و شریعت کو کافی سمجھے اور رخصتوں، تاویلات اور شبہات کے تعلق میں ڈوب جائے یا بغیر کسی اصول کے محض اپنی سہولت کے لئے اجتہاد کرنے والوں کے گرد گھومنا شروع کر دے وہ بہت جلد فسق وبدکاری کا شکار ہو جاتا ہے۔[1]

علامہ شیخ سلیمان جمل، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۲۰۴ھ، لکھتے ہیں:

والدین الذی لایقبل التغیر ھو التوحید والاخلاص للہ والایمان بما جاءت بہ جمیع الرسل علیھم السلام۔

ترجمہ: دین وہ چیز ہے جو تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آئے۔[2]

اہل سنت وجماعت کا مدار شریعت وطریقت پر ہے

حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا گنتے ہیں۔[3]

---

1 (کشف المحجوب، باب اثبات العلم، ص، ۱۸، کتابخانہ ملی، ایران)

2 (تفسیر جمل، سورۃ المائدۃ: ۴۸، ج، ۲، ص، ۲۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

3 (تحفہ اثنا عشریہ، ج، ۲، ص، ۲۳۷، دلائل السلوک، ص، ۱۷، مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور)

علامہ محمد نور بخش توکلی کے نزدیک تصوف واجب ہے۔

علم باطن کا شرف حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے قصّہ سے ظاہر ہے جہاں آپ (حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام) حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الكهف ٦٦)

ترجمہ: اس شرط پر کہ تم مجھے سکھادوگے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم شریعت کی طرح علم حقیقت کی طلب بھی واجب ہے۔ ایجاد انسان سے مقصود معرفت الٰہی ہے ایمان حقیقی اسی معرفت سے وابستہ ہے یہ معرفت اہل باطن کی خدمت میں حاصل ہوسکتی ہے۔[1]

حضور سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی کا قول

وقد قال الامام العارف المتضلع من علوم الشريعة والحقيقة الشيخ عبد الوهاب الشعراني في كتابه مشارق الانوار القدسية في العهود المحمدية وقد اجمع اهل الطريق على وجوب اتخاذ الانسان له شيخا يرشده الى زوال تلك الصفات التي تمنعه حضرة الله تعالى بقلبه لتصح صلوته من باب ما لا يتم الواجب الا به فهو واجب ولا شك ان علاج امراض الباطن من حب الدنيا والكبر والعجب والرياء والحقد والحسد والغل والنفاق كله واجب كما تشهد له الاحاديث الواردة في تحريم هذه الامور والتوعد بالعقاب عليها فعلم ان كل من لم يتخذ له شيخا يرشده الى الخروج عن هذه الصفات فهو عاص لله تعالى ولرسوله ﷺ لانه لا يهتدى لطريق العلاج بغير شيخ ولو حفظ الف كتاب في العلم فهو كمن يحفظ كتابا في الطب ولا يعرف تنزل الدواء على الداء فكل من سمعه وهو يدرس في الكتاب يقول انه طبيب عظيم ومن راه حين يسئل عن اسم المرض وكيفية ازالته قال انه جاهل فاتخذ لك يا اخي شيخا واقبل نصحي واياك ان تقول طرق الصوفية لم يات بها كتاب ولا سنة فانه كفر فانها كلها اخلاق محمدية سداها ولحمتها منها انتهى۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ اپنی کتاب "انوار القدسيه في العهود المحمديه" میں فرمایا کہ اس بات پر اہل طریقت کا اجماع واتفاق ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ ایسے شیخ کی بیعت کرے جو اس کی تربیت کرتا رہے یہاں تک کہ اس سے وہ تمام صفات زائل ہو جائیں جو خدا تعالیٰ کے قلبی ذکر میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں تاکہ انسان کی نماز درست ہو جائے۔

---

[1] (مشائخ نقشبندیہ ص 482)

قاعدہ کلیہ

جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ باطنی بیماریاں مثلاً دنیا کی محبت، تکبر، ریاکاری، حسد، وغیرہ کا علاج کرنا واجب اور ان بیماریوں کے حرام ہونے اور ان کے ارتکاب کرنے والے کو عذاب ہونے پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے بھی کوئی شیخ نہ پکڑا (تا کہ وہ اس کو ان بیماریوں سے نکلنے کی رہنمائی کرے) وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہوا اس لئے کہ شیخ کے بغیر کوئی ان بیماریوں کے علاج کے درست طریقہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اگر کسی نے اس علم میں ہزار کتابیں یاد کر لیں تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے علم طب میں ایک کتاب یاد کی ہو لیکن دوا کے بیماری پر اثر انداز ہونے کو نہیں جانتا اس نے جو کچھ کتاب میں پڑھا ہے اس کا ہی درس دیتا ہے اور اپنے آپ کو بہت بڑا طبیب سمجھتا ہے اگر کوئی اس سے بیماری کا نام اور اس بیمار کو دور کرنے کی کیفیت پوچھے تو وہ اس کو جاہل کہہ دے گا۔

طریقت کا انکار کفر ہے

اور یہ بات کہنے سے بچو کہ صوفیہ کے طریقے قرآن وسنت سے ثابت نہیں (بلکہ من گھڑت ہیں) کیونکہ یہ بات کہنا کفر ہے اس لئے کہ صوفیہ کے طریقے تمام کے تمام اخلاق محمدیہ ہی تو ہیں۔ انتھی

ریاکاری اور نیک عمل پر فخر کے خاتمے کی دوا

وقال العارف المذکور فی کتاب آخر له مسمی بالجواهر والدرر الصغری وسئلت عن الدواء الذی اذا استعمله العبد زال عنه الریاء والاعجاب باعماله فقلت دواءه الاکثار من ذکر اللہ تعالی حتی یتجلی فی قلبه التوحید الحقیقی ویری اعماله خلقا اللہ تعالی وحده جملة واحدة لیس للعبد فیها غیر النسبة فهناک لا یصیر عنده ریاء ولا اعجاب ولا تکبر علی احد من العصاة لان العبد لا یرائی قط بعمل غیره ولا یعجب فیه بنفسه ولا یحصل عنده دعوی فقیل فهل له دواء غیر التوحید من الاعمال فقلت لا اعلم له دواء اسرع من التوحید وهو الذی وضعه جمیع اهل الطریقة للمریدین فطووا به الطریق وقد اخطأ ذلک طائفة العباد الذین اشغلوا نفوسهم بتلاوة القرآن والصلوٰة والصیام وماتوا علی ریائهم ورؤیة اعمالهم ولم یخلصوا فی شیء منها کما یشهد لذلک حدیث العابد الذی یقول له الحق سبحانه وتعالی ادخل الجنة برحمتی فیقول یا رب بل بعملی وذلک لعدم فهمهم للقرآن فان الفهم یتوقف علی جلاء القلب فحکم الذکر کالحصی للنحاس المصدی وحکم غیره کالصابون فافهم انتهی۔

امام علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "جواهر والدرر الصغری" میں ہے کہ مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا وہ کون سی دوا ہے جس کے استعمال کرنے سے انسان سے ریاکاری، نیک عمل پر فخر کرنا زائل ہو جائے۔

میں نے جواباً کہا اس کی دوا خدا تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ہے تاکہ دل حقیقی توحید کے ساتھ منوّر ہو جائے اور اپنے نیک عمل کو خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ سمجھے۔ اپنا ان اعمال میں کوئی عمل دخل نہ سمجھے تو پھر اس کے اندر ریاکاری اور عمل پر فخر کرنا ،اپنے آپ کو گناہ گاروں سے افضل سمجھنا باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ (اس وقت) بندہ نیک عمل صرف خدا تعالیٰ کیلئے کرتا ہے اور غیر خدا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس عمل میں اپنی بڑائی سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کے ہاں (عمل نیک پر) کوئی دعویٰ باقی رہتا ہے پھر اس نے مجھ سے کہا (کہ ان بیماریوں کا) توحید حقیقی کے علاوہ بھی کوئی علاج ہے میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ توحید کے علاوہ بھی ریاکاری کی کوئی زیادہ تیز دوا ہو اور کثرت ذکر قلبی کے ساتھ ریا کو ختم کرنے کا طریقہ تمام صوفیا اکرام کا مریدوں کے لیے وضع کیا ہوا طریقہ ہے اور انہوں نے ذکرِ قلبی کے ساتھ ہی راستے کو طے کیا ہے۔ عابدوں کا وہ گروہ خطا پر ہے جنھوں نے اپنے آپ کو قرآن پاک کی تلاوت نماز روزہ میں مشغول رکھا اور اپنے اعمال کی ریاکاری کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے انہوں نے عبادت میں ذرہ بھر بھی اخلاص نہیں کیا۔

حدیث اس بات پر بھی گواہ ہے حضور علیہ الصوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

حدیث: العابد الذی یقعول لہ الحق سبحانہ و تعالیٰ ادخل الجنتہ بر حمتی فیقول یا رب بل بعمل۔

ترجمہ: ایک عبادت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا تو وہ عابد کہے گا اے اللہ (میں تیری رحمت کے سبب جنت میں داخل نہیں ہوتا بلکہ) اپنے عمل کے ذریعے داخل ہونا۔

یہ بات اس سے قرآن پاک کو نہ سمجھنے کی بنا پر صادر ہوگی کیونکہ قرآن کا سمجھنا دل کے منور ہونے پر موقوف ہے تو ذکر کی مثال (قوت میں) پتھر کی اس شدید ضرب کی ہے جس سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں اور ذکر قلبی کے علاوہ دوسرے اوراد و تلاوت کی مثال صابن کی ہے اس مثال سے تو سمجھ جا۔ انتھی (علامہ امام شعرانی کی عبارت اختتام پذیر ہوئی)۔

فقیہ صاحب کرامت کب ہوگا؟

وقال العارف المذکور فی کتاب آخر لہ مسمی بالاجوبۃ المرضیۃ عن الفقھاء والصوفیۃ وقد کان الشیخ عز الدین ابن عبد السلام یقول قبل ان یجتمع بالشیخ ابی الحسن الشاذلی وھل ثم طریق یقرب الی اللہ تعالی غیر ما بایدینا من الفقہ فلما اجتمع بالشیخ ابی الحسن الشاذلی اقر لطریق القوم بقولہ من ادل دلیل علی صحۃ طریق القوم و ان اھلھا قعدوا علی القواعد وقعد غیرھم علی الرسوم ما یقع علی ایدی القوم من الکرامات والخوارق ولم یقع علی ید فقیہ کرامۃ ولو بلغ فی العلم ما بلغ الا ان یتبع طریقھم انتھی فکان رضی اللہ عنہ ممن جمع بین الطریقین انتھی۔

امام عبد الوہاب شعرانی کی ایک اور کتاب (جس کا نام) "الاجوبة المرضية عن الفقهاء و الصوفية" ہے۔ اس کتاب میں آپ فرماتے ہیں حضرت شیخ عزالدین ابن عبد السلام شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت اختیار کرنے سے پہلے کہتے تھے کہ فقہ کے علاوہ (جو ہمارے پاس ہے) کوئی طریقہ بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے لیکن آپ نے جب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس اختیار کی تو انہوں صوفیہ کے طریقوں کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا کہ طریقت اور اہل طریقت کے قوائد وضوابط (شریعت) پر مبنی ہونے اور غیروں کا محض رسوم پر ہونے کی بڑی دلیل صوفیہ کے ہاتھوں پر خوارق وکرامات کا واقع ہونا ہے جب تک کسی فقیہ نے صوفیہ کے طریقوں کی پیروی نہیں کی اس وقت تک اس کے ہاتھ سے کبھی بھی کرامت واقع نہیں ہوئی اگرچہ وہ علم میں بہت بڑے درجہ پر فائز ہو۔ انتہیٰ۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا ارشاد

وقال فيه ايضا وكان الامام احمد ابن حنبل رضى الله عنه يقول لولده عبد الله يا ولدى عليك بالحديث واياك ومجالسة هؤلاء الذين سموا انفسهم صوفية فانهم ربما كان احدهم جاهلا باحكام دينه فلما صحب ابا حمزة البغدادى وعرف احوال القوم كان يقول لولده يا ولدى عليك بمجالسة هؤلاء القوم فانهم زادوا علينا بكثرة العلم والمراقبة والخشية والزهد وعلو الهمة انتهى وفيه ايضا بعد عبارة يسيرة وبلغنا ان الامام الشافعى رضى الله عنه كان يجالس الصوفية كثيرا ويقول يحتاج الفقيه الى معرفة اصطلاح الصوفية ليفيدوه من العلم مالم يكن عنده انتهى وقال ايضا فيه فلا يقال لو كان علاج هذه الامراض الباطنة واجبا لوضع الائمة من الصحابة والتابعين والمجتهدين فى ذلك كتبا ولم نر لهم كتابا فى مثل ذلك لانا نقول ان هذه الامراض التى حدثت فينا لم تكن فى اهل عصرهم ولو كانت فيهم لاستنبط المجتهدون فى ذلك ادوية وكتبا وخلصوا الناس من الرياء والنفاق كما فعلوا ذلك فى مسائل الفقه بل ذلك كان اولى لما هم عليه من كثرة الخشية والخوف من الله تعالى ومراعاتهم الانفاس مع الله تعالى ولا يقول عاقل قط ان احدا من الائمة يرى فى احد كبرا او عجبا او رياء او حسدا او نفاقا ويقره عليه ابدا بل كان يستنبط له الدواء من الكتاب والسنة ليخرجه من اثم تلك الكبائر فقد بان لك انه يجب على كل من غلب عليه مرض من امراض الباطنة من عجب او كبر او رياء او غير ذلك ان يطلب له شيخا يخرجه من تلك الورطة وان لم يجده فى بلده او اقليمه وجب عليه السفر اليه وان من رزقه الله تعالى سلامة الباطن من الامراض كالائمة المجتهدين وكمل اتباعهم لا يحتاج الى شيخ لان هذا قد عمل بما علم على وجه الاخلاص وذلك هو حقيقة الصوفى قال الامام القشيرى واول ما حدث ظهور هذه الامراض الباطنة او اخر المائة الثالثة من الهجرة لقوله صلى الله عليه وآله وسلم خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم فمن شهد له رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بالخيرية فقد حاز رتبة الكمال انتهى ملخصا۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو فرمایا کرتے تھے کہ تم پر حدیث کا علم حاصل کرنا ضروری اور تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے جن کو

صوفیہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی جاہل ضرور ہوتے ہیں لیکن جب انہوں ابو حمزہ بغدادی کی مجلس اختیار کی اور صوفیہ کرام کے احوال و کیفیات کو پہچانا تو اپنے بیٹے کو کہتے تھے اے بیٹے! تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ لوگ ہم سے علم میں مراقبہ میں، خدا تعالیٰ سے خوف دنیا سے بے پرواہ ہونے میں، اور بلند ہمت ہونے میں زیادہ ہیں۔انتھی

اور اسی کتاب میں کچھ آگے جاکر فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی صوفیہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ بہت زیادہ بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ فقیہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ صوفیہ کرام کی اصلاح کو جانے تاکہ اس کو وہ علم حاصل ہو جو اس کے پاس نہیں۔انتہی۔

اعتراض

کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اگر باطنی بیماری کا علاج ضروری ہوتا تو صحابہ کرام تابعین اور مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی اس موضوع پر کوئی کتاب لکھتے، حالانکہ ہم نے اس قسم کی انکی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔

جواب:

میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کہ یہ بیماریاں ہم میں پیدا ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ بیماریاں نہیں تھیں اگر تھیں بھی تو مجتہدین نے ان کی دواؤں کو اور اس موضوع پر کتابوں کو مہیا کیا اور لوگوں کو ریا، نفاق سے خلاصی عطا کی۔ بلکہ یہ حضرات تو سب سے زیادہ صوفیہ تھے اس لئے کہ ان لوگوں میں۔اللہ تعالیٰ کی خشیت و خوف سب سے زیادہ تھا اور اپنی جانوں میں خدا تعالیٰ کی زیادہ مراعت کرتے تھے کوئی عقلمند شخص یہ ہر گز نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ یا تابعین یا مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے فلاں متکبر تھا یا ریا کار یا حسد کرنے والا یا نفاق والا تھا اور نہ ہی انہوں نے اس چیز کا اقرار کیا بلکہ انہوں نے تو ان بیماریوں کی دوا قرآن و سنت سے حاصل کی تھی تاکہ وہ ان کبیرہ گناہوں سے بچ نکل سکیں۔ بس صرف اتنی بات ہے کہ جس شخص پر باطنی بیماریوں میں سے کوئی بیماری غالب آجائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی شیخ کامل کو تلاش کرے کہ وہ شیخ اُس کو اِس سخت کیچڑ سے باہر نکال دے۔ ایسا شخص اگر شیخ کامل کو اپنے شہر یا صوبے میں نہ پائے تو اس شخص پر شیخ کی طرف سفر کرنا واجب ہے اور جس شخص کو خدا تعالیٰ نے باطنی بیماریوں سے سلامتی عطا کی ہو اور حضور علیہ الصلوۃ و السلام کی مکمل پیروی کرتا ہو جیسے ائمہ مجتہدین تو وہ شخص شیخ کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس نے اپنے علم پر علی وجہ الاخلاص عمل کیا اور یہی صوفی کی حقیقت ہے (جو اس میں موجود ہے)۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، باطنی بیماریاں تیسری صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔

بہترین زمانوں یا صدیوں میں میرا زمانہ یا صدی ہے پھر ان لوگوں کا جو میرے زمانے کے لوگوں کے قریب زمانے کے ہوں۔(تابعین) پھر ان لوگوں کا جن کا زمانہ ان کے (تابعین) زمانے کے قریب ہو (تبع تابعین)۔

تو جس شخص کے خیر پر ہونے کی خود حضور ﷺ گواہی دیں بے شک اس نے رتبہ کمال کو حاصل کیا۔ انتھیٰ ملخصًا۔

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ سے صوفیاء کے بارے میں سوال

وفی الاجوبۃ المرضیۃ ما نصہ وکان الامام الشافعی و الامام احمد رضی اللہ عنھما یترددان الی مجالس الصوفیۃ ویحضران معھم فی مجالس ذکرھم فقیل لھما مالکما تترددان الی مثل ھؤلاء الجھال فقالا ان ھؤلاء عندھم رأس الامر کلہ وھو تقوی اللہ عزوجل و معرفتہ ذکرہ ابن ایمن فی رسالتہ انتھی۔

اور "اجوبۃ المرضیۃ" میں ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثرت سے صوفیہ کرام کی مجالس کو اختیار کرتے تھے اور ان کے ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے تو ان دونوں اماموں سے کسی نے سوال کیا کہ تمہیں کیا ہوا کہ ان جاہلوں کی مجلسوں کو اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام کا تمام معاملہ ان لوگوں کے پاس ہے اور وہ معاملہ خدا تعالیٰ کا تقویٰ اور اس کی معرفت ہے۔ یہ بات ابن ایمن نے اپنے رسالہ میں ذکر کی ہے۔ انتھیٰ

ایسا فقیہ جو سلوک کو حاصل نہ کرے خشک روٹی کی مانند ہے

وفی مشارق الانوار القدسیۃ فی العھود المحمدیۃ للامام العارف الشعرانی قدس سرہ النورانی اخذ علینا العھد العام من رسول اللہ ﷺ ان لا نغتر بحفظ العلم الذی یطلب منا العمل بہ من غیر عمل کما علیہ غالب الناس الیوم وما ھکذا کان السلف الصالح رضی اللہ عنھم ثم قال ویحتاج من یرید العمل ھذا العھد الی سلوک علی ید شیخ لیرقیہ الی درجات المراقبۃ للہ تعالی والخوف من عذابہ کما کان علیہ العلماء العاملون وسمعت شیخنا شیخ الاسلام زکریا رحمہ اللہ تعالی یقول کل فقیہ لا یجتمع بالقوم فھو کالخبز الجاف بلا ادام وسمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالی یقول لا یکمل طالب العلم الا باجتماع علی احد من اشیاخ الطریق لیخرجہ عن رعونات النفوس ومن حضرات تلبیس النفس ومن لم یجتمع علی اھل الطریق فمن لازمہ التلبیس غالبا ودعوی العمل بما علم وکل من نسبہ الی قلۃ العمل اقام لہ الادلۃ التی لا تمشی عند اللہ تعالی ومن شک فی قولی ھذا فلیجرب فاسلک یا اخی علی ید شیخ والزم خدمتہ واصبر علی جفائہ لک وتغرباتہ علیک فان الذی یرید ان یطلعک علیہ امر نفیس لا یقابل بالاعراض الدنیویۃ فان للعلم ریاسۃ عظیمۃ وللنفس فیہ دسائس فربما خفیت علی مشائخ العلم فضلا عن الطلبۃ واللہ یھدی من یشاء الی

صراط مستقیم روی مسلم وغیرہ ان رسول اللہ ﷺ کان یقول فی دعائہ اللھم انی اعوذ بک من نفس لا تشبع ومن علم لا ینفع وروی الطبرانی مرفوعا کل علم وبال علی صاحبہ الا من عمل بہ وفی روایۃ ایضا مرفوعا اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ تعالی بعلمہ انتھی ملخصا۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "مشارق الانوار القدسیۃ فی العھود المحمدیۃ" میں ہے کہ ہم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس عہد عام کی خلاف ورزی کی ہے کہ ہم اس علم کے درپے نہ ہونگے جو ہم سے عمل کا مطالبہ کرے اور ہم اس پر عمل نہ کریں اور آج اکثر لوگوں کا یہی حال ہے (کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے) پھر فرماتے ہیں کہ جو حضور ﷺ کے اس عہد پر عمل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر منازل سلوک طے کرے تاکہ اسے خدا کی طرف توجہ کرنے اور اس کے عذاب سے ڈرنے کے مراتب حاصل ہو سکیں جیسے کہ عمل کرنے والے علماء تھے ۔میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، ہر فقیہ (علم فقہ کا عالم) جو سلوک کو حاصل نہیں کرتا اس خشک روٹی کی طرح ہے جس میں کوئی سالن نہ ہو۔میں نے ہمارے سردار علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طالب علم، علم حاصل کرنے میں اس وقت تک کامل طالب علم نہیں ہو سکتا جب تک کسی شیخ طریقت کی صحبت اختیار نہیں کرتا، تاکہ وہ نفس کی رعونت وفریب سے نکل سکے اور جو طالب علم، علم کے ساتھ اہل طریقت میں سے کسی شیخ کی صحبت اختیار نہیں کرتا وہ بسا اوقات نفس کی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے علم پر عمل کرنے کا دعویدار ہو جاتا ہے اور۔خود کو بہت کم بے عمل سمجھتا ہے اور اس کے ذہن میں ایسے دلائل قائم ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور جس کو میری اس بات میں شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھ لے، تو اے میرے بھائی! کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر اور اس کی خدمت کو لازم پکڑ اس کے جفا پر صبر کر اس لئے کہ جو شخص تجھے کسی بہترین شے پر مطلع (خبردار) کرنا چاہتا ہو تو وہ تجھے دنیاوی اغراض ومقاصد کی طرف متوجہ نہیں کرے گا کیونکہ علم ایک بہت بڑی برتری ہے، اور نفس کا اس میں مکر وفریب کے ساتھ عمل دخل ہوتا ہے اور بسا اوقات مشائخ پر بھی علم پوشیدہ رہتا ہے، طلباء کی تو بات ہی کیا اور خدا ہی جس کو چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے۔

مسلم شریف کی روایت اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی دعا میں فرماتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من نفس لا تشبع ومن علم لا ینفع۔

ترجمہ: اے اللہ عزوجل میں اس نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع مند نہ ہو۔

طبرانی نے اس حدیث کو مرفوعًا روایت کیا:

کل علم وبال علی صاحبہ الا من عمل بہ۔

ہر علم اس کے صاحب پر وبال ہے مگر وہ علم جس پر اس نے عمل کیا۔

ایک اور مرفوع حدیث میں ہے:

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ بعلمہ۔

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے سخت عذاب (اس عالم کو ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا (عمل نہ کیا)۔انتہیٰ

سالک اور عابد کا فرق

و قال فیہ لم یفرح احد من اھل اللہ تعالی بشیء من امور الدنیا و الآخرۃ و تساوی عندھم نسبۃ ذلک الیھم و سلبہ عنھم لان احدا منھم لا یشھد لہ ملکا مع اللہ تعالی فی الدارین وھذا الامر لا تذوقہ یا اخی الا بالسلوک علی ید شیخ ناصح و ان اردت العمل بذلک المشھد النفیس فاطلب لک شیخا یرشدک الیہ و الا فلا سبیل لک الی ذلک و لو عبدت اللہ تعالی بعبادۃ الثقلین و من ھنا افترق السالکون و العابدون فربما مکث العابد یعبد ربہ علی علۃ خمسمائۃ سنۃ و السالک یخرج عن العلۃ من اول قدم یضعہ فی الطریق لان بدایۃ الطریقۃ التوحید للہ تعالی فی الملک ثم الفعل ثم الوجود و العابد لا یذوق لھذہ الثلاث طعما فو اللہ لقد فاز من کان لہ شیخ و خسر من لم یتخذ لہ شیخا او اتخذہ و لم یسمع لنصحہ انتھی ملخصا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے کبھی کوئی ولی دنیاوی واخروی نعمتوں پر خوش نہیں ہوئے انکا ہونا نہ ہونا ان کے ہاں برابر ہے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا وآخرت میں کسی شئے کا مالک نہیں سمجھتے تو اے میرے بھائی !تو اس نفیس وعمدہ شہد کو (کسی شیخ کامل سے تعلیم سلوک حاصل کئے بغیر) نہیں چکھ سکتا۔اوراگر تو اس کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی ایسا شیخ تلاش کر جو تجھے اس کی طرف رہنمائی کرتا رہے ورنہ تیرے لئے اس نفیس شہد تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اگرچہ جن وانس کی عبادت بھی کرلے اور یہاں سے سالک اور عابد میں فرق واضح ہوا،عابد ایک بیماری کو دور کرنے کیلئے پانچ سو سال عبادت میں مشغول رہنے کے باوجود اس سے نکل نہیں سکتا،جبکہ بسا اوقات سالک طریقت میں پہلا قدم رکھتے ہی اس بیماری سے نکل جاتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا طریقہ پہلے ملک سے شروع ہوتا ہے پھر فعل سے اور پھر وجود سے اور عابد ان تینوں میں سے کسی سے بھی کچھ مزہ نہیں چکھ سکتا۔

تو خدا کی قسم وہ شخص کامیاب ہوا جس کا کوئی شیخ ہے اور وہ نقصان و خسارے میں رہا جس نے کوئی شیخ نہیں پکڑا یا شیخ کو تو پکڑا لیکن اس کی نصیحت کو نہ سنا۔انتھیٰ

صوفیاء کے ہاں قربِ خداوندی کا بہترین طریقہ اپنے وجود کی نفی ہے

قال بعض اکابر شرح الحکم العطائیة قال حضرۃ الخواجة بهاء الدین النقشبند قدس سرہ اقرب الطرق عندنا نفی الوجود وان کان الصلوٰۃ والصیام طریقا الی الوصول الی حضرۃ الاحدیة لکن لا یتم الوصول بها الا بنفی الوجود فلذلک کان السالک یجد من المدد فی الفاقات ما لا یجدہ فی الصوم والصلوٰۃ لانها تنفی وجود السالک وتضمحل معها اوصافه ویصیر عبدا خالصا لمولاہ وتحفه حینئذ الطافه فاجعلها لک ایها السالک خلعة یوم اعیادک والق الحبیب بها یوم الزیارۃ ولا تلتفت الی سائر اورادک انتهی۔

"حکم عطائیہ" کی شرح کرتے ہوئے بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدّس سرہ فرماتے ہیں کہ "ہمارے ہاں قربِ خداوندی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے وجود کی نفی کی جائے اگرچہ نماز روزے بھی خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع وطریقے ہیں لیکن ان کے ساتھ رسائی مکمل نہیں ہوتی۔ مکمل رسائی اپنے وجود کی نفی کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور طریقت کے ذریعے سالک کے وجود کی نفی اور طریقت کے زریعے سالک اپنے اوصاف میں کمزوری محسوس کرتا رہتا ہے اور اپنے مولیٰ کا بندہ خالص بن جاتا ہے خدا تعالیٰ اس وقت پوری طرح لطف وکرم فرماتا ہے۔

اے سالک! اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے قیامت کے دن کیلئے ایک بہترین سامان مہیا کیا ہے (مراد طریقت ہے)اور خدا تعالیٰ کے دیدار اسے مشرف ہونے کا بہترین ساتھی و معاون ہے،اور طریقت میں اپنے تمام اوراد (طریقت کے اوراد کے علاوہ) کی طرف التفات نہ کر۔انتہیٰ(یہاں تک عبارت اختتام پذیر ہوئی)۔

بیعت کی اقسام اور حکم

وقد قیل وجودک ذنب لا یقاس به ذنب قال الشیخ العلامة المتبحر فی علوم الشریعة والحقیقة الشهاب ابن حجر المکی رحمه اللہ تعالی وناهیک به احاطة وحجة وثقة ولا التفات الی من یتعصب علیه من بعض متعصبی الحنابلة فی خاتمة الفتاوی من المسائل المنثورۃ والاخذ عن مشائخ متعددین یختلف الحال فیه بین من یرید التبرک ومن یرید التربیة والسلوک فالاول یاخذ ممن شاء اذ لا حجر علیه واما الثانی فیتعین علیه علی مصطلح القوم السالمین من المحذور واللوم حشرنا اللہ تعالی فی زمرتهم ان لا یبتدی الا بمن جذبه الیه حاله قهرا علیه بحیث اضمحلت نفسه بقاهر حال ذلک الشیخ المحق وتخلت له عن شهواتها وارادتها فحینئذ یتعین علیه الاستمساک بهدیه والدخول تحت جمیع اوامرہ ورسومه حتی یصیر کالمیت بین یدی الغاسل یقلبه کیف یشاء فان لم یجذبه حال

شیخ کذلک فلیتحر اورع المشائخ واعرفهم بقوانین الشریعة والحقیقة ویدخل تحت اشارته ورسومه کذلک ومن ظفر بشیخ بالوصف الاول او الثانی فحرام علیه ان یترکه انتهی۔

کسی نے کہا کہ تیرا وجود ہی گناہ ہے۔ اس پر اور گناہ نہ ڈال۔ علامہ متبحر فی العلوم الشریعہ والحقیقہ شیخ شہاب ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ متعدد مشائخ عظام کے بیعت کرنے میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ تو بیعت کرنے سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں بعض تربیت و سلوک کے منزل طے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں پہلا شخص جس سے چاہے بیعت کرلے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور دوسرا شخص۔ پس اس پر اس قوم (صوفیاء کرام) کی اصطلاحات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے (جو ممنوعات و ملامت سے محفوظ وسالم ہیں) زمرے میں شمار فرمائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت تک بیعت کرنے میں۔ جلدی نہ کرے جب تک کسی شخص کے حال کی کشش اس کو اپنی طرف کھینچ نہ لائے۔ یوں کہ مرید کا نفس شیخ کی پرکشش حالت سے مضمحل (مدھم) ہوجائے پھر اس شیخ کی رہنمائی حاصل کرنا اور ان کے تمام اوامر ورسومات (رسومات طریقت) سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ مرید میت کی طرح ہوجائے۔ غسل دینے والے کے ہاتھ میں کہ غسل دینے والا جیسے چاہے الٹا سیدھا کرتا ہے (اس طرح شیخ کے حضور بھی میت کی طرح اپنے تمام تر اختیارات ختم کرنا ہوں گے) اور اگر اپنے شیخ کے ساتھ مذکورہ حالت مرید کو حاصل نہ ہو تو مشائخ کی ورع (شبہات سے پرہیز کرنا) کے بارے میں غور کرے اور شریعت و حقیقت کے قوانین کا علم حاصل کرے پھر شیخ کے اشارہ و رسوم کو تسلیم کرے اور جو مرید ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوجائے تو اس پر شیخ کا چھوڑنا حرام ہے۔ انتھیٰ (شیخ شہاب ابنِ حجر کی عبارت اختتام پذیر ہوئی)۔

وقال الشیخ الاکبر قدس سرہ نور فی کتابه الامر المحکم المربوط ویجب علی الشیخ اذا رای شیخا آخر فوقه ان ینصح نفسه ویلزم خدمة ذلک الشیخ الآخر هو وتلامذته فانه صلاح فی حقه وحق اصحابه ومتی لم یفعل هذا فلیس بمنصف ولا ناصح نفسه ولا صاحب همة بل هو ساقط الهمة ضعیفها بل ربما هو محب فی الریاسة والتقدم وهذا فی طریق اللہ تعالی نقص الا تری محمدا ﷺ قال لو کان موسی حیا ما وسعه الا ان یتبعنی والیاس وعیسی تحت حکم شریعة محمد ﷺ فهکذا ینبغی ان یکون شیوخ هذه الطریقة انتهی وقال الشیخ الشعرانی قدس سرہ فی المنن الکبری ثم انی اذا رایت احدهم اعرف منی بالطریق تلمذت له ولو کنت مأذونا لی قبل ذلک من شیخ آخر لان المقامات لیس لها حد یقف علیه العبد انتهی۔

شیخ اکبر نے اپنی کتاب "الامر المحکم المربوط" میں فرمایا:

شیخ اور اس کے تمام شاگردوں پر واجب ہے کہ جب کسی دوسرے ایسے شیخ کو دیکھ لے جو اس سے مرتبہ میں فوق ہو یہ کہ اس کی خدمت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ شیخ اور اس کے شاگردوں کے حق میں اصلاح ہے اور اگر اس کی خدمت و بیعت کو لازم نہ

پکڑے تو وہ منصف (انصاف ور) نہیں اور نہ ہی وہ ہمت والا ہے بلکہ بزدل ہے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں ناقص ہے کیا تو نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے فرمایا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے اور اگر حضرت الیاس و عیسیٰ علیہم السلام ہوتے تو شریعت محمدی کے احکام پر عمل پیرا ہوتے تو اسی طرح طریقت کے مشائخ کیلئے بھی ضروری ہے (کہ اپنے سے مرتبہ میں اگر کوئی فوق شیخ ہو تو اس کی خدمت کو لازم پکڑے اور اس سے طلب فیض کرے)۔انتھیٰ

مِنن کبریٰ میں امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں پھر جب بھی میں نے طریقت میں اپنے سے طریقت کو زیادہ جاننے والا دیکھا تو میں نے اس کی شاگردی اختیار کی اگرچہ مجھے دوسرے شیخ سے خلافت و اجازت بھی حاصل کیوں نہ ہو کیونکہ معرفت کے مقامات میں کوئی ایسی حد و انتہا نہیں کہ بندہ وہاں رک جائے۔(اور آگے نہ بڑھ سکے)انتھیٰ

قلت اذا وجب علی الشیخ لزوم خدمة الشیخ الاکمل منه و کان حال الشیوخ التلمذ لمن هو اعرف منهم بالطریق و لو کانوا مأذونین من شیخ آخر فما تقول فیمن لم یشم رائحة من اسرار الطریق او شم و هو ناقص منحط عن ذروة التحقیق فاذعن یا اخی و سلم نفسک لهؤلاء الفریق لتفوز بالتصدیق و الذوق الصافی الانیق و الله ولی التوفیق و اعلم ان الله سبحانه و تعالی انما خلق الخلق لطاعته و عبادته کما قال تعالی و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون و افضل العبادات ما یوصل الی الله تعالی و هو السلوک فی طریق التوحید و لا بد لذلک من مرشد کامل و استاذ فاضل لما انه طریق غیب غیر محسوس مبنی علی مخالفات النفوس الا تری ان کثیرا من الاطباء یعجزون عن تمرضهم عن علاج نفوسهم لخفاء دسائسها علی صاحبها و هی اعدی اعدائه فی ثیاب اصدق اصدقائه و لهذا ورد المؤمن مرآت المؤمن فباستعانته بنافذ نظر اخیه المؤمن الحاذق یتسلط علی دسائسها لکن مع التسلیم الصادق و لهذا قال اهل الله الکمل من لم یکن له شیخ فشیخه الشیطان فان طریق الله سبحانه و تعالی لما کان فی غایة الشرف و العزة لکونه موصلا الی اعز المطالب خف بالقواطع و المهلکات من کل جانب فاذا عرفت هذه الورطات المهلکة لا جرم ان السالک یحتاج الی المرشد الکامل و الشیخ الفاضل یحفظ المریدین عن المهالک و یرشدهم الی المسالک فلا یسلکه الا مرید مقدم صادق بارشاد دلیل کامل و استاذ حاذق فاذا صح توجه المرید الی الله تعالی و صدق فی قصده فالله سبحانه و تعالی یوصله الی شیخ ناصح ینهضه حاله و لحظه و ینفعه مقاله و لفظه کما هو حال سیدی و استاذی القطب الربانی و العالم الصمدانی و سلالة نسل العثمانی سلطان العارفین ضیاء الدین الراکع الساجد المجاهد ابی البهاء حضرة مولانا الشیخ خالد النقشبندی اطال الله بقاءه و جعله له و صرفه عما سواه و جمع شملنا برؤیاه و نعمه بالنظر الیه حین یلقاه و عامل بفضله من و بعدله من عاداه آمین۔

میں کہتا ہوں (صاحبِ کتاب) کہ جب ایک شیخ پر دوسرے (اس سے کامل) شیخ کی خدمت واجب ہے اور مشائخ عظام کا طریقہ بھی یہی تھا تو اس شخص کے بارے میں تم کیا کہو گے جس نے طریقت کے اسرار کی ہوا بھی نہیں پائی یا پائی تو ہے لیکن وہ ناقص اور تحقیق کی رفعت (بلندی) سے گری ہوئی ہو، تو اے میرے بھائی! تو اسرارِ طریقت کا قصد کر اور اپنے نفس کو اصحابِ

طریقت کے سپرد کردے تاکہ تو تصدیق اور خالص ذوق کے مرتبہ پر فائز ہو جائے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو صرف اپنی ہی طاعت وعبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ: میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

تمام عبادات میں سے وہ عبادت افضل واعلیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے اور وہ توحید کی دنیا میں سلوک وطریقت ہے۔ سلوک کے لئے مرشدِ کامل اور استاذ فاضل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ طریقت غیب کا ایک راستہ ہے اور غیر محسوس چیز ہے اور اس کی بنیاد نفس کی مخالفت پر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بہت سارے طبیب نفس کی بیماری کے علاج سے عاجز ہوتے ہیں ،کیونکہ نفس کے خفیہ فریب اس کے صاحب پر مخفی ہوتے ہیں اور نفس ہی دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن بھی ہے اور سب سے بڑا دوست بھی۔ اسی لئے وارد ہوا ہے کہ مومن، مومن کا (آئینہ) شیشہ ہے جس کی مدد سے مومن کامل دوسرے مومن کے نفس کے خفیہ فریب پر تسلط کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ کسی مرد کامل کی طرف تسلیم ہونے کے بعد حاصل ہوگا۔ اسی لئے بزرگانِ دین اور اہل اللہ حضرات نے کہا کہ جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ انتہائی شرافت اور عزت والا ہے۔ اس لئے کہ یہ راستہ انتہائی اہم مقاصد ومطالب تک پہنچاتا ہے تو یہ راستہ رکاوٹوں اور ہلاک کرنے والی چیزوں کے ساتھ پوشیدہ اور بند ہے جب تم نے ہلاکت کے اس گڑھے کا علم حاصل کر لیا تو یہ بات یقینی وضروری ہے کہ سالک مرشدِ کامل فاضل کا محتاج ہے شیخ کامل اپنے مریدین کو ہلاکت کے راستے سے بچاتا ہے تو مرید صادق جب شیخ کامل کی دلیل پر سلوک طے کرتا ہے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو جائے اور اپنے قصد وارادہ میں سچا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی حالت کا لحاظ فرماتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیخ کی گفتگو اور لفظ سے اس کو فیض پہنچاتا ہے یہی کیفیت ہمارے سردار ومرشد قطب ربانی، عالم صمدانی، چشم وچراغِ خاندانِ عثمانی سلطان العارفین ضیاؤالدین حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی (اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے) کی ہے۔

وقد قال الشیخ نجم الدین الکبری قدس سرہ کما ان المطرقة والسندان والمنفخ والفحم وغیرھا من الآلات اذا اجتمعت ولم یکن ثمة استاذ یضع الاشیاء فی محالها لا یتحقق وجود شیء کذلک لا تتصغی مرآة قلب المرید بدون ربط القلب مع الشیخ وترک الاعتراض ودوام الرضا بما قدر من السد والفتح والقبض والبسط ملاحظا قوله تعالی عسی ان تکرهوا شیئا وهو خیر لکم ومتحققا بان اللہ تعالی ارحم بالعبد من الوالدة بولدها واعلم بمصلحة العبد من نفسه والشیخ اعرف بمصالح المرید انتهی ومتی صار المقبل علی اللہ تعالی من الخلق اجنبیا ومن آفات نفسه بریا

ومن الملاحظات نقيا ودام فی السر مع اللہ تعالی مناجاته يسمى عند ذلک عارفا فبقدر الاجنبية عن نفسه تزداد له المعرفة لما ورد اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک وقد قیل شعر:

اتوق نفسک لاتامن غوائلها   فالنفس اخبث من سبعين شيطانا

نصرنا اللہ تعالی علیها وعلى الشياطين الجنية والانسية وازال عنا الحجب الآفاقية والانفسية بنصر منه وفتح قريب انه القريب المجيب۔

شیخ نجم الدین قدس سرہ فرماتے ہیں جب ہتھوڑا، روئی دھننے کا ڈنڈا لوہار کی دھونکنی اور کوئلہ وغیرہ آلات جمع کئے جائیں لیکن وہاں ماہر استاذ نہ ہو کہ ان آلات کو اپنے اپنے محل میں استعمال کرے (اس وقت تک) کوئی چیز بھی نہیں بن سکتی، اسی طرح مرید کے دل کا آئینہ کسی شیخ کامل کے ساتھ قلبی رابطہ کے بغیر صاف وشفاف نہیں ہو سکتا اور صفائی آئینہ اس وقت ہو گی کہ شیخ پر اعتراض نہ کرے۔ حالت قبض وبسط تمام حالات میں دوام رضا ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ (البقرۃ ۲۱۶)

ترجمہ: تم بہت سی چیزوں کو برا سمجھو گے حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ پر اس کے ماں باپ سے زیادہ مہربان اور بندہ کے بارے میں ماں باپ سے زیادہ جاننے والا بھی ہے اور (مخلوق میں) شیخ مرید کے مصالح وفوائد کو زیادہ جاننے والا ہے۔ انتہی (شیخ نجم الدین قدس سرہ کی عبارت مکمل ہوئی)۔

اور جب مرید کی توجہ مخلوق سے خالق کی طرف ہو جائے اور مخلوق اس کو اجنبی محسوس ہونے لگیں اور نفس کی آفات سے بری ہو جائے اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات دوام پکڑ جائیں تو اس وقت اس مرید کو عارف کہا جاتا ہے، تو جتنا اپنے نفس سے اجنبی ہوتا جائے گا اس قدر اس کی معرفت میں زیادتی ہوتی جائے گی۔

کیونکہ کہا جاتا ہے کہ تمہارے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دائیں بائیں کے درمیان ہے، جیسے ایک شاعر نے کہا:

اتوق نفسک لاتامن من غوائیها   فالنفس اخبث من سبعين شيطانا

ترجمہ: "کیا تم اس نفس کی حفاظت کرتے ہو؟ جس کی مصیبتوں سے تم کبھی بھی امن وحفاظت میں نہیں رہ سکتے۔ نفس ستّر شیطانوں سے بھی زیادہ خبیث ہے"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نفس وشیطان پر کامیابی عطا فرمائے اور ہم سے آفاقی وانفسی پردے دور کر دے۔[1]

[1] (الحدیقة الندیة فی الطریقة النقشبندیة، ص ۲۷ تا ۴۱، المکتبة الحقیقة، استانبول، ترکیا، تحفئہ نقشبندیہ، ص ۴۴ تا ۶۰)

امام بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الی ان قال بعد ذالک فی صفحة ١١) واما العلم الدنی الذی یسمون اهلها بالصوفية الکرام علیہ الرحمۃ فهو فرض عين لان ثمراتها تصفية القلب عن اشتغال بغير اللّٰہ تعالیٰ واتصافه بدوام الحضور وتزكية النفس عن رذائل الاخلاق من العجب والكبر والحسد وحب الدنيا والكسل فی الطاعات وغيرها۔ قال به القاضی ثناء اللّٰہ الفانی فتی علیہ الرحمۃ فی تفسير المظهری وارشاد الطالبين وتصانيفه الاخرىٰ قال به الغزالی علیہ الرحمۃ ايضا۔ وقال به المجدد علیہ الرحمۃ والشيخ عبد الحق علیہ الرحمۃ ايضا۔

ترجمہ: اس کے بعد صفحہ ۱۱ پر رقم طراز ہیں کہ علم لدنی جس کے حاملین صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہیں، تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں قلب ماسویٰ اللہ سے صاف ہو جاتا ہے اور دوام حضور سے متصف ہو جاتا ہے اور نفس اخلاق رذیلہ سے صاف ہوتا ہے جیسا کہ عجب تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی وغیرہا۔ تصوف کی فرضیت پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری اور ارشاد الطالبین وغیرہما کتابوں میں تصریح فرمائی ہے۔

امام غزالی، امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھی اس پر اقوال موجود ہیں۔[1]

قدوۃ المحققین محبوب سبحانی حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ مکتوبات شریف، جلد ا مکتوب ۲۱۹ (صفحہ ۱۲۷-۸) پر فرماتے ہیں کہ علم باطن کے حکیم حاذق (کامل مکمل مشائخ) کی صحبت برائے کسب کمالات باطنیہ حاضر ہونا فرض عین ہے۔

سراج العارفین میں لکھا ہے:

واما حکمه فهو الوجوب العينى على كل مكلف و ذالک لانه كما يجب علم ما يصلح الظاهر كذالک يجب علم ما يصلح الباطن۔[2]

ترجمہ: شارع کی طرف سے تصوف کا حصول وجوب عینی ہے، جیسے کہ مکلف پر علم اصلاح ظاہر واجب ہے، اسی طرح علم اصلاح باطن بھی واجب ہے۔

---

[1] (شرح اربعين بلخى، هدايت السالكين، ص، 323)

[2] (سراج العارفين شرح منهاج العابدين، ص ١)

ایقاظ الھمم میں ہے:

وحکم شارع فیه فقال الغزالی علیه الرحمة انه فرض عین اذلا یخلو احد من عیب او مرض الا الانبیاء علیهم السلام قال الشاذلی من لم یتشغل فی علمنا هذا مات مصراً علی الکبائر و هو لا یشعر و حیث کان فرض عین یجب السفر الی من یأخذه عنه۔ اذا عرف بالتربیة و اشتهر الدواء علی یده۔

ترجمہ: شارع کا حکم امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق کے مطابق فرض عین ہے، اس لئے کہ کوئی بھی فرد انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عیوب و امراض باطنیہ سے خالی نہیں ہے۔ امام شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ہمارے علم میں کوشش نہ کرے اور وہ باطنی امراض اور گناہوں پہ اصرار اور استمرار رکھے اور بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے گا، تو یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اور اسے خبر بھی نہیں ہو گی۔ پس جب علم تصوف فرض عین ہوا تو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا انسان پر واجب ہے۔ اور سفر اس شیخ کی طرف واجب ہے جو کہ تربیت میں اور امراض باطن کے دفع کرنے میں مشہور ہو۔[1]

الحاج فقیر اللہ صاحب نے قطب الارشاد میں لکھا ہے:

و لا شک ان علم عیوب النفس و ازالتها الداخل فی علم الاخلاق و التصوف فرض عین فیکون اهم۔

ترجمہ: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نفس کے عیوب کا علم رکھنا اور انہیں دور کرنا، یہ داخل ہے علم الاخلاق اور تصوف میں جو کہ فرض عین ہے اور یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔[2]

توحید کے بعد فرض دو قسم کے ہیں

اسی طرح علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء علوم فرماتے ہیں:

و اعلم ان الفرض بعد التوحید نوعان احدهما ما یکون فرضاً علی العبد بحکم الاسلام و هو علم المعاملة القلبیة و اصلاح الباطن لازدیاد انوار النفسیة و ازالة الاخلاق الردیة و اثبات الشمائل المرضیة و ثانیهما فیهما ما هو فرض علیه عند تجدد الحادثة کدخول وقت الصلوة و الصوم و الحج و الزکوة و غیرها و اما العبد اذا اسلم فی وقت لم تجب علیه فیه هذه الاشیاء فلیس علیه ان یعلمها بفرض ادراک لانه لم یدرک وقتها و انما یکون الفرض علیه حینئذ علم المعاملات القلبیة فلو وجد برهة ای وقتاً من الزمان بعد الاسلام و فراغاً و لم یشتغل فی تحصیل علم المعاملة القلبیة کان تارکاً للفرض مسؤلاً عنه یوم القیامة۔

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ، توحید کے بعد فرض دو قسم کے ہیں۔ پہلا فرض مؤمن پر اسلام کے بعد جو فرض ہے وہ عبارت ہے علم معاملات قلبی اور اصلاح باطن سے تاکہ انوار نفسانی زیادہ ہو جائیں اور اخلاق ردیہ دور ہو جائیں اور شمائل مرضیہ حاصل ہو

---

1 (الفتوحات الالٰهیه، شرح مباحث اصلیه مشهور به ایقاظ الهمم، ص ۱۲۶، ج۲)

2 (قطب الارشاد، ص ۲۱۷)

جائیں۔ دوسرا فرض وہ ہے جو وقت کے تجدد کے ساتھ انسان کے اوپر فرض ہو جاتا ہے، مثلاً نماز کے وقت کا داخل ہونا، رمضان المبارک کے مہینے کا داخل ہونا، یا حج کے مہینوں کا داخل ہونا، وغیرہ۔ اگر ایک شخص ایسے وقت اسلام سے مشرف ہوا اور اس کے اوپر یہ چیزیں واجب نہیں تھیں تو اس پر لازم نہیں ہے کہ اس فرض کو حاصل کرلے اس لئے کہ اس نے اس وقت کو پایا نہیں، لیکن اس پر اس وقت فرض یہ ہے کہ یہ علم معاملاتِ قلبی حاصل کرلے۔ اگر اس کو اسلام لانے کے بعد تھوڑا سا وقت ملا اور فراغت ملی لیکن اس نے اپنے آپ کو مشغول نہ رکھا حصولِ علمِ معاملاتِ قلبی (تصوف) میں، تو یہ آدمی فرض کا تارک ہوا اور روزِ قیامت اس سے پوچھا جائے گا۔[1]

حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے:

فالمشائخ هم الطريق الى الله عز و جلّ و الأدلاء عليه و الباب الذى يدخل منه اليه, فلابد لكل مريد للهِ عز و جلّ من شيخ على ما بينا۔

"مشائخ کرام ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور رہنما ہیں، اور یہی وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر انسان خدا تک پہنچتا ہے، لہٰذا ہر مرید کے لئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے۔"[2]

اعمال صالحہ کی اقسام

علماء و مشائخ نے اعمال صالحہ کی دو اقسام بیان کی ہیں:

(۱) جن کا تعلق اعضائے جسمانی سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ، اور

(۲) وہ جن کا تعلق قلب و نفس سے ہے۔ دونوں اقسام پر عمل کرنا ضروری اور مامور بہ ہے، نصوص قرآنی سے ثابت ہے ہیں۔

اور اسی طرح اعمال سیئہ کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) جن کا تعلق جسمانی اعضاء سے ہے، مثلاً چوری، قتل، زنا، وغیرہ... اور

(۲) جن کا تعلق قلب و نفس سے ہے۔ جیسے عجب، حسد، حقد، حبِ دنیا، حبِ جاہ، شہوت، ریاء کاری، وغیرہ۔

---

[1] (اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين ص ۱۳۵، جلد ۱)

[2] (غنية الطالبين، ج ۲، ص ۱۶۲، مكتبه خاور، لاهور)

قرآن و احادیث نے دونوں اقسام کے اعمال کی تشریح کی ہے جو حرام و ناجائز ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصول اربعین میں اخلاق (حسنہ و سیئہ) کی تفصیل تحریر کی ہے، امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں (وغیر ذالک) کی تشریح میں اخلاق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سلسلے اور شیخ کا مقصد اصلی

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوب ۶۳ (دفتر دوم صفحہ ۱۷۵) میں لکھتے ہیں:

"جان لو کہ مقصد اصلی سلاسل سے اللہ تعالیٰ ہے اور شیخ وصول الی اللہ کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایک مرشد سے مرید ہے مگر اپنی کامیابی کسی دوسرے پیر سے دیکھتا ہے جب اس کی صحبت میں جاتا ہے تو اس کا قلب جاری و ذاکر ہو جاتا ہے، تو اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ اس پیر سے مرید ہو جائے اور اپنے پیر کی اجازت کے بغیر ہو جائے، اگرچہ وہ پیر حیات ہو البتہ مرشد اول کا انکار نہ کرے اور بے ادبی سے بچے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ مرشد اول حیات ہو اور اگر مرشد وفات پاجائیں تو اب کسی دوسرے کامل و مکمل سے بیعت بالکل لازمی ہے اور بہت ضروری ہے تاکہ تربیت جاری رہ سکے۔"

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی نقشبندی رحمہ اللہ "الحدیقة الندیة فی الطریقة النقشبندیة" میں لکھتے ہیں:

وتعلم علم الظاهر لا یغنی عن استفادته کما ثبت ذلک عن کثیر من العلماء الاکابر المتقدمین۔

یعنی صرف ظاہری علم (علمِ دین) علم باطن کے حاصل کرنے سے انسان کو مستغنی نہیں کرتا، اکثر متقدمین ومتأخرین علماء سے مذکورہ بات ہے: کہ صرف علم ظاہر نجات لئے بغیر علم باطن کافی نہیں)۔[1]

وفی التاجة الکبری للشیخ العالم العارف المحقق تاج الدین الهندی الحنفی النقشبندی تنزیل مکة المشرقة المدفون بها قدس سره، اعلم ان مکافاة بعض حقوق الشیک لا تیسر الا برعایة حسن الادب فالتعظیم لمشائخ الطریقة من معظمات حقوقهم والاهمال عین التقصیر والخسران لان له نسبة الابوة المعنویة انتهی قلت وهذه النسبة عند اهل المحبة الالهیة اشرف فی نسبة الابوة الظاهریة وهی التی جعلت بلال الحبشی وسلمان الفارسی وصهیب الرومی رضی اللہ عنهم فی اهل البیت وأبعدعنها ابو طالب ولم تنفعه نسبة العمومة التی هی اقرب الانساب الاهلیة لما حجبته المشیئة الالهیة والی هذه النسبة اشار سلطان العاشقین الشیخ شرف الدین عمر ابن الفارض قدس سره الفائض بقوله:

نسب اقرب فی شرع الهوی
بیننا من نسب من ابوی

[1] (الحدیقة الندیة فی الطریقة النقشبندیة، الباب الاول، ص ۴۰، المکتبة الحقیقة، استنبول، ترکیة)

شیخ عارف محقق تاج الدین ہندی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، تاجۃ الکبریٰ میں رقمطراز ہیں کہ جاننا چاہیے کہ شیخ کے بعض حقوق کی بجا آوری تب ہی ممکن ہے کہ حسن ادب کی رعایت کی جائے اور مشائخ طریقت کی تعظیم شیخ کے بڑے حقوق میں سے ہے اور حسن ادب کی رعایت نہ کرنا عین نقصان و تقصیر ہے کیونکہ مرید شیخ کی معنوی اولاد ہوتے ہیں۔ انتھی

میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کہ اہل محبت الٰہیہ کے نزدیک ظاہری ماں باپ کے رشتے سے یہ (باطنی) رشتہ بہتر و اعلیٰ ہے کیونکہ باطنی رشتہ وہ رشتہ ہے جس نے حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی رضی اللہ عنہم کو اہل بیت میں سے قرار دیا۔ جس رشتہ سے ابو طالب دور ہوئے محروم ہو گئے۔ ظاہری نسبت نے انکو کوئی فائدہ نہ دیا حالانکہ ابو طالب ظاہری رشتہ میں حضور کے بہت قریب تھے۔

اسی لیئے اس عظیم رشتہ کی طرف سلطان العاشقین شیخ شرف الدین عمر بن فارد قدس سرہ اپنے شعر میں ارشاد فرمایا:

نسب اقرب فی شرع الھویٰ بیننا من نسب من ابویٰ

ترجمہ: شریعت کا رشتہ ہمارے ہاں ظاہری ماں باپ کے رشتہ سے زیادہ قریب و افضل ہے۔[1]

کما نقل ان الامام زفر رحمۃ اللہ تعالی علیہ کان یتوضا فمر علیہ الامام ابو حنفیۃ رضی اللہ عنہ فلم یقل لہ و لم یعظمہ فلاجل ذلک صارت روایتہ فی المذھب ضعیفۃ و الافقد کان من اجلۃ اصحاب الامام علما و اکثر ملازمۃ۔

حکایت: چنانچہ نقل ہے حضرت امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وضو فرما رہے تھے آپ کے قریب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا لیکن دورانِ وضو امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے استاذ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور تعظیم نہ کی جس کی وجہ سے امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت مذہب میں ضعیف ہوتی ہے حالانکہ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر شاگردوں میں ہوتا ہے۔[2]

حضرت مولانا شہاب الدین نواسہ حضرت سید امیر حمزہ بن حضرت سیدی شیخ الشیوخ سید امیر کلال قدس سرہ، متوفی ۷۷۲ھ، فرماتے ہیں:

قطب ہروی جابر بن عبد اللہ انصاری علیہ الرحمہ فرمودہ است کہ رحمت ناگاہ آید اما بر دلِ آگاہ آید، پس کسے کہ وجود خود را در بادیۂ ریاضت باختہ و در تحصیلِ علمِ دینیہ عمر خود را صرف کردہ و در پیرویِ شریعتِ مصطفوی راہ ہا رفتہ و در جوانی بہ پیری رسیدہ چرا باید کہ این زمان بے بہرہ ماند۔

---

[1] (تحفۂ نقشبندیہ، ص، ۲۴، الحدیقۃ الندیۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ، ص ۷۱، مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول، ترکیا)

[2] (تحفۂ نقشبندیہ، ص، ۲۱، الحدیقۃ الندیۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ، ص ۷۰، مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول، ترکیا)

تا دل صدفِ دُر حقیقت نہ شود
جان محرمِ اسرارِ طریقت نہ شود
بگذار جوانی کہ کسے در رہِ عشق
با نفسِ جوان پیرِ طریقت نہ شود

قطب ہروی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رحمت ناگاہ (اچانک) آتی ہے لیکن دلِ آگاہ پر ہوتی ہے۔ پس جس آدمی نے اپنے وجود کو ریاضت کے صحرا میں جلایا ہو، دینی علوم کی تحصیل میں اپنی عمر صرف کی ہو اور شریعت مصطفوی ﷺ کی اتباع میں مسافرت کرتے ہوئے جوانی سے بڑھاپے میں پہنچ گیا ہو، کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت بے بہرہ رہے؟

تا دل صدفِ دُر حقیقت نہ شود
جان محرمِ اسرارِ طریقت نہ شود
بگذار جوانی کہ کسے در رہِ عشق
با نفسِ جوان پیرِ طریقت نہ شود

یعنی: جب تک دل حقیقت کی سیپ کا موتی نہ بن جائے، اس وقت تک طریقت کے راز کا محرم نہیں بن سکتا، جوانی کو چھوڑ، کہ کوئی آدمی عشق کے راستے میں نفس جوان رکھتے ہوئے پیر طریقت نہیں بن سکتا۔[1]

حضور سیدی شیخ عبد القادر عیسی، قادری، شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

فتنقية القلب، وتهذيب النفس، من أهم الفرائض العينية وأوجب الأوامر الإلهية، بدليل ما ورد في الكتاب والسنة وأقوال العلماء...كل الأحاديث التي وردت في النهي عن الحقد والكبر والرياء والحسد... وأيضاً الأحاديث الآمرة بالتحلي بالأخلاق الحسنة والمعاملة الطيبة فلتراجع في مواضعها۔

دل کا تصفیہ اور نفس کا مہذب بنانا اہم ترین فرض عین اور ماموراتِ الٰہیہ میں سے واجب ترین ہے، اس پر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ اور علماء کرام کے اقوال سے بہت ساری دلیلیں ہیں۔۔۔ وہ تمام حدیثیں جو حسد، تکبر، خود بینی اور ریا سے اجتناب پر وارد ہیں۔۔ اور وہ تمام حدیثیں جو نفس کو اچھے اخلاق کے ساتھ مزین کرنے اور اچھا معاملہ کرنے کے بارے میں آئی ہیں، یہ تمام صفات قلب اور نفس کی تہذیت کے فرضِ عین ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[2]

---

[1] (آگاھی سیدامیر کلال قدس سرہ ص ۵۸، خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلیشرز، کراچی)
[2] (حقائق عن التصوف، ص، ۱۵)

حضور سیدی شیخ یوسف خطار محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و الکبر من امراض القلوب وھو وحدہ یکفی لدخول النار بدلیل قول النبی ﷺ۔۔

یعنی ”اور تکبر امراض قلوب میں سے ہے اور یہ ایک ہی دوزخ میں دخول کے لیے کافی ہے اس پر نبی کریم ﷺ کا (درج ذیل یہ) ارشاد دلیل ہے۔“

”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ“۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کی مقدار تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں گا۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم أن الكبر من المهلكات ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَلَا يَزُولُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنِّي بل بالمعالجة واستعمال الأدوية القامعة له۔

یعنی ”جاننا چاہیے کہ تکبر ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں اور اس کا ازالہ فرض عین اور یہ محض تمنا کرنے سے زائل نہیں ہوتا بلکہ علاج کرنے اور ایسی دوائیاں استعمال کرنے سے زائل ہوتا ہے جو اس کا قلع قمع کر دیتی ہیں۔“[2]

شیخ یوسف خطار محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اجمع العلماء علی ان امراض و الآفات القلبیۃ من الکباءر التی تحتاج الی توبۃ مستقلۃ لان امراض الباطن کافیۃ لاحباط اعمال العبد ولو کانت کثیرۃ۔۔۔ان التصوف ھو الذی اختص بمعالجۃ الامراض القلبیۃ، وتزکیۃ النفوس و التخلص من صفاتھا الناقصۃ الذمیمۃ۔

ترجمہ: علماءِ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ قلبی امراض اور آفات ان کبیرہ گناہوں میں سے ہیں جن کے لیے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ بندے کے اعمال اگرچہ زیادہ ہی ہوں ان کو ضاءع کرنے کے لیے امراضِ باطن کافی ہیں۔۔۔۔اور بے شک تصوف قلبی امراض کے اعلاج کے لیے اور تزکیہ نفس کے لیے اور نفس کی ناقص ذمیم صفات سے خلاصی کے لیے مختص ہے۔[3]

---

[1] (صحیح مسلم، باب تحریم الکبر، رقم: ۱۴۷، سنن ابو داؤد، رقم: ۴۰۹۱، سنن الترمذی، رقم: ۱۹۹۹، مسند احمد، ج، ۱، ص، ۳۹۹، الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، ص، ۲۵)

[2] (احیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر و العجب، بیان الطریق فی معالجۃ الکبر و اکتساب التوضع لہ، ج ۳، ص ۴۸۸، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ، مصر)

[3] (الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، ص، ۲۴)

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی،۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

ولعمري أن الظاهر والباطن علمان لا يستغني أحدهما عن صاحبه بمنزلة الإسلام والإيمان مرتبط كل واحد بالآخر كالجسم والقلب لا ينفک أحدهما عن صاحبه۔

میری عمر کی قسم!(حقیقت یہ ہے کہ) ظاہر وباطن دو علم ہیں اور جیسے کہ اسلام اور ایمان دونوں لازمی ہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک کا دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہے جس طرح جسم اور دل کا باہم ربط ہے کیونکہ ان میں سے کوءی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔[1]

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی،۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

واعلم: ان العلم الذی طلبه فرض لازم لکل مکلف ثلاثة انواع: الاول: علم التوحيد والذی يتعين عليک منه هو مقدار ماتعرف به اصول الدين وقواعد العقاءد کافية فيه۔ والثانی: علم السر وهو مايتعلق بالقلب ومساعيه من مواجبه مناهيه۔ والثالث: علم العبادات الظاهرة المتعلقة بالابدان والاموال، ثم ان من الله عليک بعلم ماوجب عليک علمه وعمل ماوجب عليک ترکه فقد اديت ماوجبه الله تعالى عليه وصرت من العلماء العالمين۔ وبالله التوفيق۔

اور جان لو: وہ علم جس کا سیکھنا ہر مکلف (مسلمان) فرض ہے تین قسم پر ہے:

(۱) علم توحید مگر اس قدر کہ اصولِ دین معلوم ہو جائیں اور اصولِ عقائد جو دین میں کافی ہوں۔

(۲) علمِ سر یعنی قلب اور اس کے مساعی اور اوامر ونواہی کے متعلق علم۔

(۳) علم عبادات ظاہرہ جو بدن اور مال سے متعلق ہوں بعد ازاں اگر اللہ کے فضل سے اتنا ہو جائے کہ واجبی علم سیکھ لو اور جو عمل واجب ہیں ان پر عمل کر لو اور جن چیزوں کا ترک ضروری ہے انہیں ترک کر دو تو تم عالم باعمل ہو گے۔ وبالله التوفيق۔[2]

عارف باللہ سیدی شیخ عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی، نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْمُجَاهَدَةَ فِي النَّفْسِ عِبَادَةٌ وَلَا تَحْصُلُ لِأَحَدٍ إلَّا بِالْعِلْمِ وَهِيَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ۔

یعنی "بے شک مجاہدہ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اور یہ ہر ایک پر فرض ہے۔"[3]

حضرت شیخ فرید الدین عطار، نیشاپوری، متوفی،۶۲۷ھ، لکھتے ہیں:

وگفت: اگر طلب علم فریضہ است طلب معلوم فریضہ تر۔

---

[1] (قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۶، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[2] (روضة الطالبين وعمدة السالكين، ص، ۴۸، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[3] (حديقة الندية شرح الطريقة المحمدية، ج، ۲، ص، ۱۰۸، دار الکتب العلمیه، بیروت، وبریقه محمودیه فی شرح طریقه محمدیه، ج، ۱، ص، ۲۵۳، مکتبة العلوم الدينية، کوئٹه)

شیخ المشائخ ابو علی دقاق نے فرمایا: جس طرح علم کی طلب فرض ہے اسی طرح معلوم کی طلب بھی فرض عین ہے۔ [1]

سید السالکین مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ لکھتے ہیں:

شمس الدین شرفہ اللہ تعالیٰ فی الدارین بداند کہ مبتدی را بعد صحت توبہ باجماع مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ فریضہ است کہ بپیری بختہ وفراش ونشیب طریقت کدستہ مستوو قیم الحال کسنۃ و قہر جلال ولطف جمال دیدہ۔

یعنی "اے میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو دونوں جہاں میں مشرف بنائے، تمہین معلوم ہو کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے کہ تکمیل توبہ کے بعد فرض ہے ایسا پیر پختہ تلاش کرے جو نشیب و فراش راہ سے آگاہ صاحب حال ومقام ہو صفات جلالی کے قہر وغضب اور صفات جمالی کے لطف و کرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ [2]

شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی، حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والکلمۃ التی فی افواہ الرجال الواصلین نزلت فی اللوح الاکبر بلسان القدس بلا واسطۃ فی القربۃ، فکل شیء یرجع الی اصلہ، ولذلک طلب اھل التلقین فرض بحیاۃ القلب کما قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔ والمراد منہ علم المعرفۃ والقربۃ والبواقی من العلوم الظاھرۃ لا یحتاج الیھا الا ما یؤدی بھا الفرائض کما قال الامام الغزالی علیہ الرحمۃ: (الوافر)

حیاۃ القلب علم فادخرہ ومو ت القلب جھل فاجتنبہ
وخیر مرادک التقوی فزدہ کفاک بما وعظتک فاتّعظہ

جو کلمہ واصلین کی زبان پر جاری ہے وہ لوح اکبر سے بلا واسطہ زبان قدرت کے ذریعے قربت میں نازل ہوا ہے۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی لئے اہل تلقین (مرشد کامل) کی تلاش فرض ہے۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کلّ مسلم ومسلمۃ۔

(علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے)۔

حدیث پاک میں علم سے مراد علم معرفت و قربت ہے۔ باقی علوم ظاہرہ کی ضرورت اتنی ہے کہ انسان فرائض کو بجالا سکے۔

---

[1] (تذکرۃ الاولیاء، ص، ۵۶۷، ایران)

[2] (مکتوبات صدی فارسی، ص ۳۲، خدابخش اورنیٹل لائبریری پٹنہ)

جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حیاۃ القلب علم فادخرہ　　　و موت القلب جھل فاجتنبہ

و خیر مرادک التقوی فزدہ　　　کفاک بما وعظتک فاتّعظہ

دل کی زندگی علم ہے اسے ذخیرہ کرلے، اور دل کی موت جہالت ہے اس سے دامن بچالے تیری بہترین مراد تقویٰ ہے اس میں اور اضافہ کر، میری یہ نصیحت تیرے لئے کافی ہے پس اسے پلے باندھ لے۔[1]

سید السالکین شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری، قدس سرہ، متوفی، ۷۸۲ھ، لکھتے ہیں:

(ارشاد شیخ ہے) طایفہ صوفیہ اس چیز کی طرف مشغول کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ دعوت مندوب ہے واجب نہیں، یعنی لابدیات اور ضروریات کو غیر لابدیات اور غیر ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔ کیونکہ لابدیات اور ضروریات غیر لابدیات اور غیر ضروریات سے زیادہ اہم ہے تو جب تک لابدیات اور ضروریات سے فارغ نہ ہولیں، فضولیات جو کہ غیر اہم ہیں، اسکی جانب مشغول نہیں ہوتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ جس شخص کے ذمہ فرض عین ہو وہ فرض کفایہ کی ادائیگی میں لگا رہے، اور یہ دعویٰ کرے کہ اس فرض کفایہ کی مشغولی سے میرا مقصود اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ کتنی بڑی حماقت اس شخص کی ہوگی کہ جس کے کپڑوں میں سانپ اور بچھو گھس آئے ہوں بجائے اس کے کہ وہ اس مارڈالے وہ پنکھا طلب کرے کہ دوسروں پر سے مکھیاں ہنکائے۔ تو یہ صحیح اور درست ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا دوسروں کی اصلاح کی طلب میں ہو، ایسا شخص نادان ہی ہے۔ جس شخص پر اپنے آپ کو درست کرنیکی اہمیت ہے وہ جب تک خود کو راہ راست پر لانے سے فارغ نہیں ہوتا دوسروں کو راہ راست پر لانے میں مشغول نہ ہو۔ اگر ایسا کرے گا تو یہ صریح نادانی ہوگی اور خود کو ہلاک کرنے والا ہوگا۔[2]

شیخ عبد القادر عیسی قادری شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال الطیبي: (لا ینبغي للعالم - ولو تبحر في العلم حتی صار واحد أھل زمانه - أن یقتنع بما علمه، وإنما الواجب علیه الاجتماع بأھل الطریق لیدلوہ علی الطریق المستقیم، حتی یکون ممن یحدثھم الحق في سرائرھم من شدة صفاء باطنھم، ویخلّص من الأدناس، وأن یجتنب ما شاب علمه من کدورات الھوی وحظوظ نفسه الأمارة بالسوء، حتی یستعد لفیضان العلوم اللدنیة علی قلبه، والاقتباس من مشکاة أنوار النبوة، ولا یتیسر ذلک عادة إلا علی ید شیخ کامل عالم بعلاج أمراض النفوس، وتطھیرھا من النجاسات المعنویة، وحکمة معاملا اعلماً وذوقاً، لیخرجه من رعونات نفسه الأمارة بالسوء ودسائسھا الخفیة. فقد أجمع أھل الطریق علی وجوب اتخاذ الإنسان شیخاًله، یرشده إلی زوال تلک الصفات التي تمنعه من دخول حضرة اللہ بقلبه، لیصح حضورہ وخشوعه في سائر العبادات، من باب ما لا یتم

[1] (سرالاسرار ومظھر الانوار فیمایحتاج الیه الابرار، الفصل الخامس، ص، ۲۶، دار الکتب العلمیه، بیروت، سرّ الاسرار، ص، ۱۰۲)

[2] (شرح آداب المریدین، ص، ۱۸۵)

الواجب إلا به فهو واجب، ولا شک أن علاج أمراض الباطن واجب، فیجب علی کل من غلبت علیه الأمراض أن یطلب شیخاً یخرِجه من کل ورطة، وإن لم یجد في بلده- أو إقلیمه وجب علیه السفر إلیه)۔

علامہ محدث طیبی فرماتے ہیں کہ کوئی عالم علم میں کتنا ہی متبحر اور یکتائے زمانہ ہو، اس کے لئے صرف اپنے علم پر قناعت کرنا اور اسے کافی سمجھنا مناسب نہیں بلکہ اس پر واجب ہے کہ اہل طریقت کی مصاحبت اختیار کرے تاکہ وہ اس کی راہ حق کی طرف رہنمائی کریں اور اس کا تزکیہ فرمائیں تاکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جو صفائے باطن کے باعث خلوتوں میں الہامات سے نوازے جاتے ہیں نیز عالم کے لئے ضروری ہے کہ علم کے سبب خواہشات کی کدورتوں اور نفس امّارہ کے فروغ سے اجتناب کرے تاکہ اس کے دل پر علم لدنیہ کا فیضان ہو اور وہ انوار نبوت کے مصدر و مشکوٰۃ (سینۂ رسول) سے کسبِ فیض کریں۔ اور یہ چیز کسی ایسے شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کئے بغیر ممکن نہیں جو امراض نفسانی کے ازالے، باطنی نجاستوں کی تطہیر اور علم و ذوق سے معاملات کی حکمت کو جانتا ہو۔ اہل طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسا شیخ پکڑنا ہر انسان پر واجب ہے جو حضرت باری میں حضوری و تقرب سے مانع رذیلہ اوصاف کے ازالے کے لئے اس کی رہنمائی کر سکے۔ تاکہ تمام عبادات میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع حاصل ہو جو ہر واجب کے اتمام کے لئے ضروری ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ امراض باطن کا علاج واجب ہے لہذا جس کسی پر بھی ان امراض کا غلبہ ہے اسے چاہیئے کہ کسی ایسے شیخ کو تلاش کرے جو اسے گردابِ ہلاکت سے نکالے اگر ایسا شیخ اسے اپنے ملک میں نہ ملے تو اس کی تلاش میں سفر کرنا واجب ہے۔[1]

شیخ عبد القادر عیسی قادری شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حکمها: تزکیة النفس فرض عین کما سبق أن بینا ذلک ولا تتم إلا بالمجاهدة ومن هنا کانت المجاهدة فرض عین من باب: (ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب)۔

مجاہدہ کا حکم:

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تزکیہ نفس فرض عین ہے اور نفس کا تزکیہ مجاہدے کے بغیر ممکن نہیں لہذا مجاہدہ بھی فرض عین ہوا۔ کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وان اردت علم احوال القلب فانظر الی الاحیاء وغیره من مصنفاتی، وهذا العلم فرض عین۔

[1] ("تنویر القلوب" للعلامة الشیخ أمین الکردي الشافعي، ص، ۴۵، ۴۴، حقائق عن التصوف، ص، ۳۰، تصوف کی حقائق، ص ۴۴)

[2] (حقائق عن التصوف، ۵۸)

اگر تُو احوالِ قلب کے متعلق علم کا ارادہ رکھتا ہے تو احیاء العُلوم اور ہماری دیگر تصانیف کا مطالعہ کر۔ کیونکہ کیفیاتِ قلب سے آگاہی حاصل کرنا تو فرضِ عین ہے۔[1]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

الاخلاص هو فرائض الدين وبه يتم الايمان للمؤمن ,وهو معروف فى شريعة مسلمين, وهو لباب الاعمال ,ومثال ذى الجل, والعمل بغير الاخلاص, كالجوا بلالباب لا يصلح الا يعلب الصبيان, والجسم بلا روح لا يصلح الا للدفن بين القبور, والشجر بلاثمار لا يصلح لال للحرق بالنار والغيم بلامطر لا يتنفع به من البشر, والمولود بلانسب لا يدفع اليه عند الميراث ذرة من المتاع۔

اخلاص یہ دین کا فرض ہے، اوراخلاص کے سبب مومنین کا ایمان پورا ہوتا ہے، اور اخلاص مسلمانوں کی شریعت میں معروف ہے، اور اخلاص اعمال کا مغز ہے، اخلاص ذی جلال (اللہ تعالیٰ) کو پانے کی جگہ ہے، اور عمل اخلاص کے بغیر ایسے ہے جیسے اخروٹ بغیر مغز کے، اور جسم بغیر روح کے، اور درخت بغیر پھل کے، اور بادل بغیر بارش کے، اور بچہ بغیر نسب کے، اور بیج بغیر اگنے کے، اور اخروٹ بغیر مغز کے بچوں کے کھیلنے کی ہی صلاحیت رکھتا ہے، اور جسم بغیر روح کے قبر میں دفن ہونے کی ہی صلاحیت رکھتا ہے، اور درخت بغیر پھل کے آگ میں جلانے ہی کی صلاحیت رکھتا ہے، اور بادل بغیر بارش کے اس سے کوئی انسان نفع حاصل نہیں کر سکتا، اور بچہ بغیر نسب کے اس کو میراث کے وقت سامان میں سے ایک ذرہ بھی نہیں دیا جاتا۔[2]

حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

قال حجة الإسلام الإمام الغزالي بعد أن اختبر طريق التصوف، ولمس نتائجه، وذاق ثمراته: (الدخول مع الصوفية فرض عين، إذ لا يخلو أحد من عيب إلا الأنبياء عليهم الصلاة والسلام)۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی نے فرمایا کہ تصوف کو آزمانے اس کے نتائج کو چھونے اور ثمرات کو چکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ صوفیاء کے ساتھ طریقت میں داخل ہونا فرض عین ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان عیوب سے خالی نہیں اور ان عیوب کا ازالہ صوفیاء کے پاس ممکن ہے۔[3]

---

[1] (ایھا الولد مجموعۃ الرسائل امام غزالی علیہ الرحمۃ ص ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (علم القلوب، باب صفة الاخلاص وطبقات المخلصين بالقلب، ص ۱۳۷، المکتبۃ السیفیۃ تحصیل باڑہ علاقہ منڈیکس کھجوری پشاور)

[3] (النصرة النبوية على هامش شرح الرائية للفاسي، ص، ۲۶، تصوف کے حقائق، ص ۳۰ البحر المدید، سورۃ الکھف، ج ۴، ص ۲۵۱، دار النشر/دار الکتب العلمية-بیروت)

شیخ عبد القادر عیسی، قادری، شاذلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال الشیخ عبد الغني النابلسي رحمه الله: (المجاهدة في النفس عبادة ولا تحصل لأحد إلا بالعلم، وهي فرض عين على كل مكلف۔

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجاہدہ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اگر مجاہدہ فرض عین ہے تو اس مجاہدہ کا علم بھی ہر مکلف پر فرضِ عین ہے۔[1]

قال الإمام حجة الإسلام أبو حامد الغزالي رحمه الله تعالى: (الدخول مع الصوفية فرض عين، إذ لا يخلو أحد من عيب أو مرض إلا الأنبياء عليهم السلام)۔

حجۃ الاسلام امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انبیاء اکرام کے علاوہ کوئی بھی ظاہری و باطنی عیوب و امراض سے خالی نہیں لہٰذا ان عیوب و امراض کے ازالے کے لیے صوفیاء کرام کے ہمراہ طریقت میں ہونا فرضِ عین ہے۔[2]

عبد اللہ بن ضیف اللہ الرحیلي لکھتے ہیں:

ولا يتكلم في الإخلاص، ولا يحذر من الرياء، وهذا عليه فرض عين؛ لأن في إهماله هلاكَهُ۔

اور وہ اخلاص میں کلام نہیں کرتا، اور نہ ریاء سے بچتا ہے، حالانکہ یہ اس پر فرض عین ہیں، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے میں اس کی ہلاکت ہے۔[3]

مجدي الهلالي، لکھتے ہیں:

أن إصلاح النفس فرض عين۔

یعنی بے شک نفس کی اصلاح فرض عین ہے۔[4]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم أن مثال القلب مثال حصن والشيطان عدو يريد أن يدخل الحصن فيملكه ويستولي عليه ولا يقدر على حفظ الحصن من العدو إلا بحراسة أبواب الحصن ومداخله ومواضع ثلمه ولا يقدر على حراسة أبوابه من لا يدري أبوابه فحماية القلب عن وسواس الشيطان واجبة وهو فرض عين على كل عبد مكلف وما لا يتوصل إلى الواجب إلا به فهو أيضاً واجب ولا يتوصل إلى دفع الشيطان إلا بمعرفة مداخله فصارت معرفة مداخله واجبة۔

---

[1] (حقائق عن التصوف، ص، ۵۸)
[2] (شرح الحکم لابن عجیبة، ج، ص، ۷، حقائق عن التصوف، ص، ۳۱)
[3] (طریقک الی الاخلاص والفقه فی الدین، ج، ۱، ص، ۱۷، دار الاندلس، الخضراء)
[4] (طوق النجاة، ج، ۱، ص، ۲۸)

جان لو! دل ایک قلعے کی طرح ہے اور شیطان دشمن ہے جو اس قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ وہ اس پر قبضہ کرے اور غلبہ حاصل کرے اور قلعے کی حفاظت پر اسی وقت قدرت حاصل ہوتی ہے جب قلعے کے دروازے، راستوں اور سوراخوں کی حفاظت کی جائے اور جو شخص اس کے دروازوں سے واقف نہیں وہ اس کے دروازوں کی حفاظت نہیں کر سکتا تو دل کو شیطان کے وسوسوں سے بچانا واجب ہے اور یہ عمل ہر مکلف بندے پر فرض عین ہے اور جس عمل کے ذریعے واجب تک رسائی ہوتی ہے وہ بھی واجب ہوتا ہے اور شیطان کو اسی صورت میں دور کر سکتے ہیں جب اس کے داخل ہونے کے راستوں سے واقفیت ہو لہٰذا اس کے داخل ہونے کے راستوں کی پہچان واجب ہے۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومنها أنهم يتركون العلم الذي هو فرض عين وهو معرفة علاج القلب ويشتغلون بتكثير الأسانيد وطلب العالي منها ولا حاجة بهم إلى شيء من ذلك۔

اور (ان کے دھوکے کی) ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اس علم کو چھوڑ دیتے ہیں جو فرض عین ہے اور وہ دل کے علاج کی معرفت ہے وہ کثرت اسناد میں مشغول ہوتے ہیں حالانکہ ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفرض عينه إصلاح ظاهره وباطنه بالتقوى، ومؤاخذه نفسه أولا بالتقوى ليقتدي المتعلم أولا بأعماله، ويستفيد ثانيا من أقواله۔

اور عالم پر فرض عین ہے کہ اپنے ظاہر اور اپنے باطن کی تقویٰ کے ذریعے اصلاح کرے، اور پہلے نمبر پر اپنے نفس کا تقویٰ کے ذریعے مواخذہ کرے تاکہ طالب علم پہلے نمبر پر اس کے اعمال کے ساتھ اس کی اقتدا کریں، اور دوسرے نمبر پر اس کے اقوال سے استفادہ حاصل کریں۔[3]

وان اخذ علم التصوف فرض عينه۔

بے شک علم تصوف کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔[4]

---

1 (احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، بیان تفصیل مداخل الشیطان الی القلب، ج۳، ص۴۵، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ، مصر)

2 (احیاء علوم الدین، کتاب ذم الغرور، ج۳، ص۵۴۳، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ، مصر)

3 (بدایۃ الھدایۃ، القسم الثالث، آداب العالم (مجموعۃ الرسائل امام غزالی)، ص۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

4 (فتوحات الھۃ شرح مباحث اصلیہ مطبوع ضمیمہ ص 126 ج-1 شرح حکم عطائیہ)

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فالقسم الأول علم المكاشفة وهو علم الباطن و ذلک غاية العلوم فقد قال بعض العارفين من لم يكن له نصيب من هذا العلم أخاف عليه سوء الخاتمة و أدنى نصيب منه التصديق به و تسليمه لأهله۔

قسم اول کا نام علم باطن ہے اور یہ تمام علوم کی انتہا اور غایت ہے، بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اس علم سے حصہ نہیں ملا مجھے اس کے برے خاتمے کا ڈر ہے۔ اور اس کا ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کے اہل کو تسلیم کرے۔[1]

حضرت علامہ عارف باللہ فقیر اللہ علوی شکارپوری، نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

لاشک ان علم عيوب النفس و ازالتها الداخل في علم الاخلاق و التصوف فرض عين۔

بے شک نفس کے عیبوں کا علم اور اس کے ازالے کا علم، علم اخلاق میں داخل ہے اور تصوف فرض عین ہے۔[2]

حضرت علامہ سید ابو بکر المعروف سید بکری مسکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ويجب أيضا ان تتعلم علما يزكى القلب ويطهره من الاخلاق الذميمة كالكبر و الرياء و الحسد و الحرص وغيرها من أمراض القلب۔

اور تزکیہ قلب کے علم کو سیکھنا بھی واجب ہے اور اس کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا جیسے تکبر، ریاء، حسد، حرص وغیرہ امراض قلب۔[3]

حضرت علامہ سید ابو بکر المعروف سید بکری مسکی ابن سید محمد شطاد میاطی، لکھتے ہیں:

و العلم الذى يزكى القلب فرض عين۔

اور وہ علم جو قلب کو پاک کرتا ہے وہ فرض عین ہے۔[4]

امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ، لکھتے ہیں:

أَمَّا عِلْمُ الْقَلْبِ وَهُوَ مَعْرِفَةُ أَمْرَاضِ الْقَلْبِ كَالْحَسَدِ وَالْعُجْبِ وَشَبَهِهِمَا فَقَالَ الْغَزَالِيُّ مَعْرِفَةُ حُدُودِهَا وَأَسْبَابِهَا وَطِبِّهَا وَعِلَاجِهَا فَرْضُ عَيْنٍ۔

---

1 (احیاء علوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی، ج، ۱، ص، ۳۸،۳۷، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہر، مصر)

2 (قطب الارشاد، ص، ۲۱۷، امیر حمزہ کتب خانہ کوئٹہ)

3 (کفایۃ الاتقیاء، ص، ۲۳، مصر)

4 (کفایۃ الاتقیاء، ص، ۲۴، مصر)

ترجمہ: علمِ قلب یہ وہ علم ہے کہ قلب کے امراض کی پہچان کرنا ہے، جیسے حسد، عجب اور اس کے مشابہ تو امام غزالی نے فرمایا: ان کی حدود کی معرفت اور اس کے اسباب اور اس کی طب اور اس کا علاج فرض عین ہے۔[1]

حضرت صالح بن عبد اللہ بن حمید امام وخطیب الحرم المكي، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حكم الجهاد: جهاد النّفس في ذات الله تعالى و جهاد الشّيطان فرض عين۔

جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جہادِ نفس اور جہادِ شیطان فرض عین ہے۔[2]

حضرت صالح بن عبد اللہ بن حمید امام وخطیب الحرم المكي، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حكم معرفة الله عزّ و جلّ: قال الكفويّ: معرفة الله عزّ و جلّ بالدّليل الإجماليّ فرض عين لا مخرج عنه لأحد من المكلّفين۔

یعنی اللہ عزوجل کی معرفت کا حکم: کفوی نے کہا: اللہ عزوجل کی معرفت دلیلِ اجمالی کے ساتھ فرض عین ہے مکلفین میں سے کسی ایک کے لیے بھی اس سے خلاصی کی جگہ نہیں ہے۔[3]

حضرت محمد نصر الدین محمد عویضہ، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

فذهب صاحب الإحياء إلى أن التزكية فرض عين على كل إنسان۔

صاحبِ احیاء کا موقف یہ ہے کہ ہر انسان پر تزکیہ فرض عین ہے۔[4]

قال الإمام ابن القيم رحمه الله: و التحقيق أن جنس الجهاد فرض عين، إما بالقلب و إما باللسان، و إما بالمال، و إما باليد، فعلى كل مسلم أن يجاهد بنوع من هذه الأنواع۔

یعنی امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور تحقیق یہ ہے کہ جنس جہاد فرض عین ہے، وہ قلب کے ساتھ ہو یا زبان کے ساتھ ہو، یا مال کے ساتھ ہو، یا ہاتھ کے ساتھ ہو، تمام مسلمانوں پر لازمی ہے کہ ان اقسام میں سے کسی قسم کے ذریعے جہاد کریں۔[5]

و حماية الْقَلْب عن فساد الشيطان فرض عين و اجب عَلَى كُلّ عبد مكلف۔

شیطان کے فساد سے قلب کی حمایت کرنا فرض عین ہے، ہر مکلف بندہ پر واجب ہے۔[6]

---

1 (روضة الطالبين و عمدة المفتين، ج، ۱۰، ص، ۲۲۴، و المجموع شرح المهذب، ج، ۱، ص، ۲۶، الموسوعة الفقهية الكويتية، ج، ۳۰، ص، ۲۹۲)

2 (نضرة النعيم فی مكارم اخلاق الرسول الكريم، ج، ۴، ص، ۱۴۸۳)

3 (نضرة النعيم فی مكارم اخلاق الرسول الكريم، ج، ۷، ۳۴۳۷، ۸)

4 (فصل الخطاب فی الزهد و الرقائق و الآداب، ج، ۴، ص، ۱۴)

5 (خطب مختارة، ج، ۱، ص، ۲۹۳)

6 (موارد الظمان، مداخل الشيطان، ج، ۴، ص، ۵۹۵)

صوفیاء کا اجماع

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، متوفی، قدس سرہ، ۹۷۳ھ، لکھتے ہیں:

کذٰلک اجمع اھل الطریق علی وجوب اتخاذ الانسان له شیخا یرشدہ الی زوال تلک الصفات التمنعه من دخول حضرۃ اللہ تعالیٰ بقلبه لتصح صلاته من باب مالا یتم الواجب الا به فهو واجب ، ولا شک ان علاج الامراض الباطنة من حب الدنیا والکبر والعجب والریا والحسد والحقد والغل والنفاق ونحوھا کله واجب کما تشهد له الاحادیث الواردۃ فی تحریمه ھذا الامور والتوعد بالعقاب علیها ، فعلم ان کل من لم یتخذ له شیخا یرشدہ الی الخروج من ھذہ الصفات فهو عاص اللہ تعالیٰ ولرسوله ﷺ لانه لا یهتدی بطریق العلاج بغیر شیخ ولو حفظ الف کتاب فی العلم فهو کمن یحفظ کتابا فی الطب ولا یعرف یتنزل الدواء علی الداء فکل من سمعه وھو یدرس فی الکتاب یقول انه طبیب عظیم ومن رأہ حین یسأل عن اسم المرض وکیفیة ازالة قال انه جاھل ، فاتخذ لک یا اخی شیخا واقبل یضحٰی ویاک ان تقول طریق الصوفیة لم یات بها کتاب ولا سنة فانه کفر فانها کل اخلاق محمدیة سداھا ولحمتها ۔ واعلم ان کل من رزق اللہ تعالیٰ السلامة من الامراض الباطنة کالسلف الصالح والائمة المجتهدین فلا یحتاج الی شیخ: بل الانسان علی نفسه بصیرۃ (القیامة ۱۴)

اسی طرح اہل طریق کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شخص پر کسی ایسے شیخ کا دامن پکڑنا واجب ہے۔ جو ان صفات رذیلہ کے زائل کرنے کا طریقہ بتلائے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور قلب کے ساتھ حاضر ہونے سے روکتی ہیں۔ تاکہ اس کے بعد اس کی نماز وغیرہ درست ہو جائے کیونکہ یہ قاعدہ مسَلَّمہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب پوری طرح ادا نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہو جاتا ہے (تو پیر کا دامن پکڑنا بھی واجب ہو گیا کیونکہ اس کے بغیر حضور قلب نصیب نہیں ہو سکتا۔) نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ امراض باطنہ جیسے حُب دنیا۔ کبر، عجب وریا، حسد و کینہ، بغض ونفاق وغیرہ ان سب کا علاج واجب ہے چنانچہ جن احادیث میں ان کی حرمت اور ان پر عذاب کی وعید (دھمکی) وارد ہے۔ وہ اس بات کی شاہد ہے۔ پس معلوم ہوا جس نے کسی کو اپنا مرشد نہیں بنایا جو ان صفات سے نکلنے کا راستہ اس کو بتلادے وہ خدا تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کا نافرمان ہے کیونکہ وہ ان امراض کے علاج کا راستہ بدون شیخ کے ہرگز نہیں پاسکتا اگرچہ ہزاروں کتابیں علم کی یاد کرے اس کی ایسی مثال ہو گی جیسے کوئی شخص طب کی کتاب حفظ کرلے مگر مرض کے مناسب دوا کا استعمال نہ جانتا ہو۔ تو جو کوئی کتاب پڑھاتے ہوئے ان کی باتیں سنے گا تو کہے گا یہ تو بڑا طبیب ہے اور جس نے اس کو ایسے وقت دیکھا ہو جب کہ اس سے کسی مرض کا نام اور اس کے ازالہ کا طریقہ دریافت کیا گیا ہو ۔ وہ کہے گا یہ پورا جاہل ہے اس کو طب سے مس بھی نہیں ۔ پس عزیز من! کسی کو اپنا شیخ بناؤ اور میری نصیحت قبول کرو۔ اور خبردار یہ کبھی مت کہنا کہ طریقہ صوفیاء نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ حدیث رسول ﷺ سے۔ کیونکہ یہ بات کفر ہے۔ در

حقیقت طریقہ تصوف بتامہ اخلاق محمد (ﷺ) کا مجموعہ ہے۔اس کا تانابانا ظاہر و باطن سب اسی سے ماخوذ ہے۔جان لو! کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ نے امراض باطنہ سے سلامتی عطا فرمائی ہے۔ جیسے حضرات سلف الصالحین ائمہ مجتہدین ایسی لوگوں کو شیخ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (القیامۃ ۱۴)

بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے۔[1]

حضرت سید ابو بکر المعروف سید بکری مسکی ابن سید محمد شطاد میاطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اما حکمہ فھو وجوب العيني علي كل مكلف و ذالک لانہ کما یجب تعلم ما یصلح الظاھر کذالک یجب تعلم ما یصلح الباطن۔

رہا تصوف کا حکم تو وہ ہر مکلف پر عین واجب ہے، اور وہ اس لیے کہ جیسا کہ جو علم ظاہر کی اصلاح کرتا ہے اس کا سیکھنا واجب ہے اسی طرح وہ علم سیکھنا واجب ہے جو باطن کی اصلاح کرے۔[2]

حضرت امیر عارف باللہ عبد القادر الجزائری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وإنما وجب على المريد طلب الأكمل الأفضل من المشايخ خشية أن يلقي قيادبيد جاهل بالطريق الموصل إلى المقصود، فيكون ذلک عوناً على هلاكه۔

مرید پر واجب ہے کہ مشائخ میں سے افضل و اکمل شیخ کو تلاش کرے اور کوشش کرے کہ اس کا ہاتھ راہ حق کے جاہل کے ہاتھ میں نہ چلا جائے وگرنہ ایسا شیخ بجائے رہنمائی کے تباہی و گمراہی کا موجب ہو گا۔[3]

حضرت قطب العارفین فضیل بن عیاض، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، نے فرمایا:

عليک بطريق الحق، ولا تستوحش لقلة السالكين، وإياک وطريق الباطل، ولا تغتر بكثرة الهالكين وكلما استوحشت من تفردک فانظر إلى الرفيق السابق، واحرص على اللحاق بهم، وغض الطرف عن سواهم، فإنهم لن يغنوا عنک من الله تعالى شيئاً، وإذا صاحوا بک في طريق سيرک فلا تلتفت إليهم فإنک متى التفت إليهم أخذوک وعاقوک۔

اس طریقِ حق (تصوف) کو لازماً اختیار کرو اور سالکین کی قلت کی وجہ سے پریشان نہ ہو، باطل راستے سے بچو، ہلاک ہونے والوں اور باطل راستے پر لوگوں کی کثرت کے سبب دھوکا نہ کھاؤ۔ جب بھی تمہیں اس راہ میں تفرد کے سبب پریشانی لاحق ہو تو

---

1 (لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العھود المحمدیۃ، ص، ۱۰ ، ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، عھود محمدیہ، ہم سے عھد لیا گیا، ص، 191 کا حاشیہ)
2 (کفایۃ الاتقیاء شرح ھدایۃ الاذکیاء، ص، ۴، طبع مصري)
3 (المواقف، ج، ۱، ص، ۳۰۵ حقائق عن التصوف، ۳۳)

سلوک میں اپنے سے اوپر والے ساتھی کی طرف دیکھنا اور ان سے لاحق ہونے کے شوق کو اپنانا اور اہل سلوک کے ماسویٰ سے اپنی آنکھیں بند رکھنا کیونکہ وہ تمہیں اللہ لکے کاموں میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اور سیر وسلوک میں اگر غیر سالک تم پر آوازیں کسیں اور اپنی طرف راغب کرنا چاہیں تو ان کی طرف التفات نہ کرنا وگرنہ وہ تجھے اس راہ سے روک دیں گے اور نافرمان بنادیں گے۔[1]

حضرت علامہ سید مظفر علی شاہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی بانکہ وفور علم وفضل از ہمہ داشت مجتہد وصاحب مذہب شریعت بود بجہت صحبت وشرط ادب طریقت کہ واجب است بیعت بحضرت امام جعفر صادق کرد وخرقہ اجازت ازو پوشیدہ وتلقین ذکر وفکر ازو گرفت ونیز خرقہ اجازت تبرکا از حضرت فضیل عیاض پوشید وذکر ازو گرفت وحضرت امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کہ مجتہد واوتاد وقت بود ارادت بحضرت ہبیرۃ البصرے آورد وبیعت باد کرد وخرقہ اجازت ازوی پوشید وحضرت امام احمد حنبل بیعت بہ بشر حافی کردند وازو خرقہ پوشید وحضرت امام محمد ارادت بحضرت داؤطائی آورد بیعت وخرقہ اجازت ازو پوشید وحضرت امام ابویوسف بحضرت حاتم اصم بیعت کرد ومرید شد وحاتم مرید شفیق بود ابوعلی کنید۔

ترجمہ: حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ باوجود اس کے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وافر علم وعقل رکھتے تھے اور مجتہد اور صاحب شریعت تھے، صحبت اور ادب طریقت کی وجہ سے جو کہ واجب ہے، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اور ان سے خرقہ اجازت پہنا اور ان سے ذکر وفکر کی تلقین حاصل کی، اور نیز تبرک کے طور پر خرقہ اجازت حضرت فضیل عیاض رضی اللہ عنہ سے پہنا، اور ان سے ذکر حاصل کیا۔ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ مجتہد اور اوتادِ وقت تھے، حضرت ہبیرہ بصری رضی اللہ عنہ کے ساتھ اردت کی، اور ان سے بیعت کی، اور ان سے خرقہ اجازت پہنا۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور ان سے خرقہ پہنا۔ اور حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ نے حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ سے ارادت رکھی اور ان سے بیعت کی، اور ان سے خرقہ اجازت پہنا۔

---

[1] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم، لابن عجیبۃ، ص، ۷، المنن الکبری" للشعرانی، ج، ۱، ص، ۴، حقاءق عن التصوف، ۱۹، الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، باب التصوف، ۲۷، مکتبہ دار الباب، تصوف کے حقائق، ص، 31ص، ۱۹)

حضرت امام ابویوسف رضی اللہ عنہ نے حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور مرید ہوءے، اور حاتم رضی اللہ عنہ حضرت شقیق رضی اللہ عنہ کے مرید تھے، بوعلی ان کی کنیت ہے۔[1]

حضرت داتا گنج بخش، ابوالحسن علی بن عثمان جلابی، ہجویری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۴۶۵ھ، لکھتے ہیں:

اما علم بندہ باید کہ در امور خداوند تعالی باشد و معرفت وی، و فریضہ بر بندہ علم وقت باشد و آنچہ بر موجب وقت بہ کار آید ظاہر و باطن. و این بہ دو قسم است: یکی اصول و دیگر فروع ظاہر اصول قول شہادت و باطنش تحقیق معرفت و ظاہر فروع برزش معاملت و باطن تصحیح نیت، و قیام ہر یک از این بی دیگر محال باشد. ظاہر حقیقت بی باطن نفاق، و باطن حقیقت بی ظاہر زندقہ ظاہر شریعت بی باطن نقص و باطن بی ظاہر ہوس۔

بندہ کا علم امور خدا تعالیٰ اور اس کی معرفت سے متعلق ہونا چاہئے اور فرض وہ علم ہے جو وقت کے عین مطابق ہو اور وقت پر کام آئے۔ علم کو ظاہری اور باطنی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی اصول اور فروع۔ اصول کا ظاہر قول شہادت اور اس کا باطن تحقیق معرفت ہے اسی طرح فروع کا ظاہر درستی معاملات اور اس کا باطن درستی نیت ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ حقیقت باطن کے بغیر ظاہر منافقت ہے اور ظاہر کے بغیر باطن زندقہ ظاہر شریعت بغیر باطن کے ناقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس۔[2]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

بداں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین این ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است و مغز و حقیقت او در خدمت درویشاں باید جست و خیال نیا بد کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ این سخن جہل و کفر است بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشاں چوں قلب از تعلق جسمی و حبیکہ بما سوی اللہ داشت پاک شود و رذائل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمئنہ شود و اخلاص بہم رساند شریعت در حق او با مغز شود نماز و عند اللہ تعلق دیگر بہم رساند دو رکعت او بہتر از لک رکعت دیگراں باشد و ہمچنیں صوم و صدقہ او و رسول فرمود ﷺ اگر شما مثل احد زر در راہ خدا خرچ کنید برابر یک یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہ رضی اللہ

---

[1] (جواہر غیبی، کنز چہارم، ص، ۲۳۲، مکتبہ رحمانیہ، ارگ بازار، قندھار، افغانستان)

[2] (کشف المحجوب، باب اثبات العلم، ص، ۱۵، ۱۴، کتابخانہ ملی، ایران ص ۲۰)

عنہم درراہ خدا دادہ اند ایں از جہت قوت ایمان وشان اخلاص است نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینہ درویشاں باید جست وبداں نور سینہ خود را روشن باید کرد تاہر خیر و شر بفراست صحیحہ دریافت شود۔

ترجمہ: جان لو خدا تمہیں نیک بختی کی دولت عطا کرے، یہ سارے مسائل جو بیان کئے گئے ایمان، اسلام اور شریعت کی صورتیں ہیں۔(یعنی احکام ظاہرہ) اور شریعت کی حقیقت اور مغز کو اولیاء اللہ کی خدمتوں میں تلاش کر لینا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حقیقت اور (طریقت) شریعت کے خلاف ہے یہ بات سراسر جہالت اور کفر ہے یہی شریعت ہے جو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی خدمتوں میں (جاکر رنگ لاتی ہے) جب علاقہ دل جسمی اور غیر اللہ کی محبت کے تعلق سے پاک ہو جائے۔ اور نفس کی تمام خرابیاں دور ہو کر نفس مطمئنہ کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور (حق تعالیٰ کی بندگی میں) خلوص پیدا ہو جاتا ہے تو شریعت اس کے حق میں بامغز (حقیقت) ہو جاتی ہے اور اس کی نماز حق تعالیٰ کے دربار میں دوسرا رشتہ (احسان کا مقام عالی) پیدا کر لیتا ہے اور اس کی دو رکعتیں دوسروں کی لاکھ رکعت سے بہتر ہوتی ہے اور اسی طرح اس کا روزہ اور اس کا صدقہ (بھی) رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کروگے ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر نہ ہو گا جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے خدا کی راہ میں دیا ہے ان کہ یہ مرتبے قوت ایمان اور اخلاص کی وجہ سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے باطنی نور کو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے سینوں سے ڈھونڈنا چاہئے۔ اور اسی نور سے اپنے سینوں کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر اچھی بری چیز صحیح فراست (دانائی) سے دریافت ہو جائے۔[1]

مفسر قرآن علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری، قرطبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَلِکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَلِکَ حُجَّةُ اللّٰہِ تَعَالَى عَلَى ابْنِ آدَمَ فَهَذَا مِثْلُ علم بلعام وأشباهه، نعوذ بالله منه، ونسأل التَّوْفِيقَ وَالْمَمَاتَ عَلَى التَّحْقِيقِ۔

اور حدیث طیبہ میں حضور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے: علم دو قسم کے ہیں ایک علم دل میں ہے وہی نفع بخش علم ہے اور ایک علم زبان کا ہے اور وہی ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ پس یہ بلعام اور اس جیسے لوگوں کے علم کی مثال ہے، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور ہم اس سے توفیق اور حق پر موت کی التجا کرتے ہیں۔[2]

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مراد دین علم است کہ متعلق است بکتاب وسنّت، وآں دو (۲) قسم است:

---

[1] (مالابدمنہ، کتاب الاحسان، ۱۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ:۱۷۵، ج،۷، ص،۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر قرطبی ج،۴ ص،۳۷۶)

(۱)مبادی (۲)مقاصد

مبادی علوم کہ موقوف است معرفتِ کتاب وسنّت برآں مثل لغتہ ونحوً وصرف وجزآں از علومِ عربیّت ومقصد آں چہ متعلق است باعمال واخلاق وعقائد وایں ہمہ علمِ معاملہ است وعلم مکاشفہ نوریست کہ بعد از سلوک طریق حق صدق معاملت دردل افتد کہ بدان معرفت حقائق اشیاء چنانکہ ہست منکشف گردد ومعرفت ذات وصفات وافعال حق سبحانہ وتعالی رو نماید وایں را علم حقیقت وعلم وراثت خوانند بحکم حدیث(من علم بماعلم ورثہ اللہ علم مالم یعلم)ہر کہ عمل کند بآنچہ دانستہ وخواندہ است از علم ظاہر روزی گرداند وبخشند اورا خدا تعالی علم آنچہ ندا نستہ ونہ خواندہ است وکریمہ:(واتقو اللہ ویعلمکم اللہ)نیز اشارت بلین معنی است وعلم ظاہر وباطن کہ گو یند این معنی دارد ونسبت ہر دو بیکدیگر نسبت تن وجان وپوست ومغز است واحادیث وآیات کہ شان علم وفضیلت آں وارد شدہ شامل ہمہ این اقسام ست بر تفاوت ودرجات آں۔

(اس سے)مراد دین کا علم ہے جو کتاب وسنت کے متعلق ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک مبادی اور دوسرا مقاصد۔ مبادی علم وہ ہے جس کا انحصار قرآن وسنت کی پہچان پر ہے۔مثلاً عربی علوم کی لغت نحو صرف اور اس سے متعلقہ دیگر اور مقاصد کا علم وہ علم ہے جو اعمال اخلاق اور عقائد کے متعلق ہیں اور یہ تمام علم معاملہ ہیں اور علم مکاشفہ ایک نور ہے جو طریق حق اور معاملات کے صدق کی منازل طے کرنے کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے اشیاء کی حقیقت جیسے کہ وہ ہیں منکشف ہو جاتی ہے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات۔صفات اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس کو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (وہ اس پر عمل کرتا ہے جو علم ظاہر سے اس نے حاصل کیاہئ اس کو نعمت سمجھے کیونکہ جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا اس کا علم اسے خداوند تعالیٰ نے بخشا ہے اور سورۃ بقرۃ کی آیت (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تمہیں علم سکھاتا ہے)میں بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور جس کو علم ظاہر وباطن کہتے ہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے اور دونوں (یعنی ظاہر وباطن)کا آپس میں جتنا گہرا تعلق ہے جیسے جسم اور روح یا چھلکا اور مغز اور ان علوم کی شان اور فضیلت کے بارے میں جو احادیث اور آیات ہیں وہ ان تمام مذکورہ اقسام کے فرق اور درجات پر شامل ہیں۔[1]

علامہ شیخ سلیمان جمل،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۱۲۰۴ھ،لکھتے ہیں:

والدین الذی لایقبل التغیر ھو التوحید والاخلاص للہ والایمان بما جاءت بہ جمیع الرسل علیھم السلام۔

[1] (اشعۃاللمعات،کتاب العلم،مقدمہ،ج،۱،ص،۱۶۲،مکتبہ رشیدیہ،کوءٹہ)

”دین وہ چیز ہے جو تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آئے“۔[1]

علم باطن کا شرف حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا کے قصّہ سے ظاہر ہے جہاں آپ (حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام) حضرت سیدنا خضر سے فرماتے ہیں: هَل اَتَّبِعُکَ عَلیٰٓ اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً (الکھف ٦٦) اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم شریعت کی طرح علم حقیقت کی طلب بھی واجب ہے۔ ایجاد انسان سے مقصود معرفت الٰہی ہے ایمان حقیقی اسی معرفت سے وابستہ ہے یہ معرفت اہل باطن کی خدمت میں حاصل ہو سکتی ہے۔[2]

صاحبِ جامع الاصول فرماتے ہیں کہ زمانۂ قدیم سے رسم چلی آتی ہے اور تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں مثلاً غرور، نخوت، عجب، ریا، کبر، حرص، طمع، شہوت، طلب جاہ وغیرہ جو امراضِ مہلکہ ہیں، ان سے پاک وصاف ہونا اور نماز کو حضور قلب و خشوع و خضوع سے ادا کرنا جس کو حدیث نبوی علیہ السلام اَنْ تَعْبُدَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شیخ کامل کی تربیت کے سوا ممکن نہیں کیونکہ شیخ ہی اندرونی امراض کا واقف اور ان کے علاج کی مہارت رکھتا ہے۔ یہ بات علمِ ظاہر کے حاصل کرنے اور کتابوں کے انبار اٹھالینے سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ نفس امارہ کی باریک راہزنیوں اور مخفی فریبوں سے بعض بڑے بڑے فقہ و حدیث کے علماء بھی محفوظ نہیں رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔[3]

العلامہ ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومنها: علم الباطن وهو نوعان: النوع الاول: علم المعاملة، وهو فرض عين فی فتوی علمائ الآخرة فالمعرض عنه هالک بسطوة مالک الملوک فی الآخرة، کما ان المعرض عن الأعمال الظاهرة هالک بسیف سلاطین الدنیا بحکم فتویٰ فقهائ الدنیا۔ وحقیقة النظر فی تصفیة القلب وتهذیب النفس باتقائ الأخلاق الذمیمة التی ذمها الشارع کالریائ والعجب والغش وحب العلو والثنائ والفخر والطمع، لیتصف بالأخلاق الحمیدة المحمدیة کالاخلاص والشکر والصبر والزهد والتقوی والقناعة، لیصلح عند احکامه ذلک لعلمه بعلمه لیرث مالم یعلم، فعلمه بلاعمل وسیلة بلاغایة وعکسه جنایة واتقانهما بلاورع کلفة بلاأجرة، فأهم الأمور زهد واستقامة لینتفع بعلمه وعمله، وسأشیر الی نبذة منثورة فی هذا الکتاب (ارشاد الساری) من مقاصد هذا النوع ان شائ الله تعالی بألطف اشارة، وأعبر عن مهماته الشریفة بأرشق (جیدتر) عبارة جمعاً لفرائد الفوائد۔ واما النوع الثانی: فهو علم المکاشفة وهو نور یظهر فی القلب عند تزکیته فتظهر به المعانی المجملة فتحصل له المعرفة بالله تعالی وأسمائه وصفاته وکتبه

---

[1] (تفسیر جمل، سورۃ المائدۃ:۴۸، ج،۲، ص،۲۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)
[2] (مشائخ نقشبندیہ ص ۴۸۲)
[3] (ابو الفیض قلندر علی سہروردی، ”الفقر فخری“، ص ۱۶۶)

و رسله، و تنكشف له الأستاد عن مخبآت الأسرار فافهم و سلّم تسلم، و لا تكن من المنكرين تهلك مع الهالكين۔ قال بعض العارفين: من لم يكن له من هذا العلم شيئ أخشى عليه سوئ الخاتمة و أدنى النصيب منه التصديق به و تسليمه لأهله، و الله تعالى أعلم۔[1]

و ايده المناویؒ رح فی شرح الجامع الصغير عن الغزالی علیہ الرحمۃ انه قال قال الغزالي: علم الآخرة قسمان علم مكاشفة و علم معاملة و علم المكاشفة هو علم الباطن و ذلک غاية العلوم و قد قال بعض العارفين: من لم يكن له نصيب منه يخاف عليه سوء الخاتمة و أدنى النصيب منه التصديق و تسليمه لأهله و قال بعضهم: من كان فيه خصلتان لم يفتح عليه منه بشيء بدعة أو كبر و من كان محبا للدنيا أو مصرا على الهوى لم يتحقق به و قد يتحقق بسائر العلوم و هو عبارة عن نور يظهر في القلب عند تطهيره من الصفات المذمومة و هذا هو العلم الخفي الذي أراده المصطفى صلى الله عليه و سلم بقوله إن من العلم كهيئة المكنون لا يعلمه إلا أهل المعرفة بالله (فر عن علي) أمير المؤمنين و رواه أيضا ابن شاهين و غيره۔ انتهى[2]

و عن بعض العارفين من لم يكن له نصيب من هذا العلم اخاف عليه سوء الخاتمة و ادنى النصيب التصديق به و تسليمه لاهله۔[3]

و قال الامام الهمام ابو الحسن الشاذلی رحمة الله عليه: من مات و لم يتوغل على علمنا هذا مات مصراً على الكبائر۔[4]

و دیگر علم باطن است کہ عبارت از تہذیب اخلاق بتخلی از رذائل و تصفیہ قلب بتحلی بصفات کمال و تعالی بمقامات کہ بفتوای اصفیای باطن فرض عین است۔ انتہی۔[5]

عبارت آن در مورد علم ظاہر و باطن نہایت مشرح میباشد خلاص آن کہ مورد استشہاد ما است چنین است: چنانکہ اول فرض است بفتوای فقہاء ثانی نیز فرض است بفتوای علمای آخرت وچون ظاہر و باطن بعلم معاملۃ آراستہ و پیراستہ گردد و آیینہ دل از کدورت صفات ذمیمہ صاف و مصقل شود از محبت عنایت الٰہی بحکم و الذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا و من عمل بما علم و رثة الله تعالى علم مالم يعلم نوری در دل پیدا آید کہ منکشف گردد بدان عالم غیب و حقایق اشیا و حاصل میشود معرفت

---

[1] (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد اول، صفحه ۲۲۶، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[2] (بلفظه من الحديقة شرح الطريقة المحمدية ص ۲۴۶ ج ۱، فيض القدير، ج۴، ص ۳۲۶، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

[3] (راجع البريقة المحمودية شرح الطريقة المحمدية ص ۱۹۱ ج۳)

[4] (الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية ص ۳۲۳ ج ۱ و ايقاظ الهمم، شرح الحكم ای الحکم العطائی الاسکندرانی ص۷، ج ۱)

[5] (تیسیر القاری شرح صحیح البخاری، ص ۴۰، جلد ۱ اول کتاب العلم از شیخ نور الحق فرزند ارشد شیخ عبد الحق الدهلوی رحمهما الله راقم (ابو الاسفار) زمانیکه بتاریخ ۲۲ عقرب ۱۳۸۶ هـ در دهلی وارد مزار حضرت شیخ عبد الحق شدم مزار هر دو بزرگوار را در مقبره قطب صاحب واقع اسلام کالونی قریب حوض شمسی زیارت کردم و در دروازه حظیره آن به خط درشت به سنگ رخام حنین نقر شده بود (باب الحدیث) ابو الاسفار)

ذات و صفات و اسماء و افعال۔ انتہی بلفظہ شیخ الاسلام دہلوی اول کتاب العلم مطبوع بہ حاشیہ تیسیر القاری شرح صحیح البخاری ص ۱۲۲ ج ۱

درین کتاب در تحقیق حدیث: طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

گفتہ: در معنای این حدیث علماء شدیداً اختلاف دارند وہر کسی در صدد کدام علمیکہ بودہ آنرا فرض شمردہ ازین سبب زیادہ از بیست قول پیرامون اینحدیث بحث کہ قیل اخیر میباشد چنین عبارت دراد: وقیل ھو طلب علم الباطن وھو ما یزداد بہ العبد۔

ای ھذہ العلوم الثلاثة یجب وجوب عین علی کل مکلف تعلمھا ولا یجوز لہ جھلھا فاعرف ھذہ الثلاثة واعمل بھا تحصل لک نجاة فی الآخرة وعلو فی درجاتک انتہ بلفظہ۔ الشیخ محمد النووی ، شرح منظومہ ھدایة الاذکیائ، مطبوعہ بحاشیة کفایة الاتقیاء طبع مصری ص ۲۷۔

یعنی یہ علوم ثلاچہ ہر مکلف پر وجوب عینی ہے اور اس سے بے خبر رہنا جائز نہیں، پس ان علوم ثلاثہ کو جان لو اور اس پر عمل کرو اسی کے ذریعے آخرت میں تماری نجات اور تمہارے درجات کی بلندی ہے۔

(واعلم) أن معرفة النفس فرض عین لکل فرد من افراد الانسان لان معرفة الرب موقوفة علی معرفة النفس لقولہ علیہ السلام من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ونقیضہ من لم یعرفہ لم یعبدہ وعبادة الرب فرض عین لقولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون وکل مایتوقف علیہ فرض فھو فرض فمعرفة النفس فرض عین فمن جھل بمعرفة نفسہ فھو أجھل بمعرفة ربہ فلابد من معرفة نفسہ حتی یعرف ربہ یعبدہ۔

اور خوب جان لو کہ تمام انسانوں پر نفس کی معرفت فرض عین اس لئے کہ رب کی معرفت نفس کی معرفت پر موقوف ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کا قول مبارک ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ”جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا“ اور یہ بات طے ہے کہ جو رب کی معرفت نہیں رکھتا تو وہ اس کی عبادت بھی نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض عین اس کے اس فرمان مبارک کی بناء پر وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور ہر وہ چیز جس پر فرض موقوف ہو تو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔ پس معرفت نفس فرض عین ہوئی جو کوئی معرفت نفس سے جاہل رہا تو وہ معرفت رب سے اجہل رہا، پس ضروری ہے کہ نفس کی معرفت حاصل کی جائے یہاں تک کی اپنے رب کی معرفت و اسکی عبادت ہو سکے۔[1]

(ثم اعلم) أن من لم یعرف نفسہ مادامت فی جسدہ لا یعرفھا بعد المفارقة عن جسدہ ولا یعرف ربہ أیضا کما أشار الیہ تعالیٰ بقولہ ومن کان فی ھذہ أعمی فھو فی الآخرة أعمی الآیة والحاصل أن معرفة النفس منبع العلوم والحکم

[1] (جامع الأصول فی الأنواعھم وأوصافھم للشیخ أحمد الکمشخانوی النقشبندی المجددی الخالدی، صفحہ ۱۳۰)

ومطلع الفضائل والشم ومصباح كشف أحوال الملكوت ومشكاة شهود أسرار الجبروت ومعراج الوصول الى حضرة اللاهوت فما يصل أحد من بنى آدم الا بمعرفة نفسه ولم يتخذ الله تعالى وليا الا مناتصف بمعرفة نفسه۔[1]

(اعلم) أن معرفة النفس لا تحصل بنظر عقلى بل انما تحصل بنور يقذفه الله فى قلب عبد ولا يقذف الله ذلك النور الا فى قلب من تمسك بحبل الشريعة الغراء وتشبت بذيل السنة العلياء من الرياضات المتعالية والمجاهدات المتوالية بالانسلاخ عن الادنيا بالكلية والتجرد عن القوى الجزئية والكلية وتزكية علیہ السلام النفس عن الصفات الردئية وتوصيفها بالاخلاق الحميدة فبعد ذلك يقذف الله تعالى فى قلبه نورا من عنده وبذلك النور يعرف نفسه ثم يعرف ربه كما قال أفمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه فمن ذلك جميع علوم الانبياء والاولياء والعرفاء بالله ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور ولا يظن ظان ان تلك المعرفة تحصل بقراءة الكتب الشرعية ومطالعة كتب الصوفية منغير مجاهدة بالاعمال الصالحة وغير تزكية النفس وتجربيدها عن الشواغل البدنية فهيهات أن ذلك الظان يعطى له معرفة أو كشف أشهود۔[2]

(وأما الحرية) فهى فى اصطلاح أهل الحقيقة الخروج عن رق الكائنات ومراداتها وقطع جميع العلائق ولهذا قال ابراهيم بن أدهم الحر من خرج عن الدنيا قبل أن يخرج منها وعلامة الحر سقوط التمييز عن قلبه بين أمور الدنيا والآخرة فلا يسترقه عاجل دنياه ولا آجل عقباه كما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عزفت نفسى عن الدنيا استوى عندى حجرها وذهبها فالحر يؤثر الخلق بجميع الكائنات من الدارين ولا يكون له سؤال ولا قصد ولا أرب ولا حظ ومقام الحرية عزيز ومعظم الحرية فى خدمة الفقراء۔ وقيل أوحى الله تعالى الى موسى عليه السلام اذا رأيت لى طالبا فكن له خادما۔ (وقال) عليه السلام سيد الناس خادمهم والاحرارهم الذين قال الله تعالىٰ فى حقهم ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة وانما آثروا على أنفسم لتجردهم عما خرجوا منه وآثروا به (واعلم) أن كمال الحرية نتيجة كمال العبودية فمن صدقت لله عبوديته خلصت عن رق الكائنات حرية۔

(واعلم) أن العلم الباطن الذى هو من أعظم المنجيات والسلوك والرياضات والمجاهدات فرض عين على من لم يرزق قلبا سليما بالجذب الالهى والعلم اللدنى والنفس القدسية الطفرية وقليل ما هم وأحكام الدين انما تبنى على الاكثر الاغلب وتعلم علم الظاهر لا يغنى عن استفادته كما ثبت ذلك عن كثيره من العلماء الاكابر المتقدمين والمتأخرين من الحنفية كابن الهمام وابن الشلبى والشرنبلالى وخير الدين الرملى أو الحموى وأمثالهم (ومن الشافعية) كسلطان العلماء عز الدين بن عبد السلام والغزالى والسبكى والسيوطى وشيخ الاسلام القاضى زكريا والشهاب بن حجر واضرابهم (ومن المالكية) كالعارف أبى الحسن الشاذلى وخليفته أبى العباس وخليفته ابن عطاء الله والعارف ابن أبى جمرة وناصر الدين والزروقى وغيرهم (ومن الحنابلة) كالشيخ عبد القادر وفخر الاسلام والشيخ عبد الله الانصارى وابن النجار ونحوهم فان هؤلاء العلماء الكرام بعد التضلع من علوم الظاهر اشتغلوا

---

[1] (جامع الأصول فى الأنواعهم وأوصافهم للشيخ أحمد الكمشخانوى النقشبندى المجددى الخالدى، صفحه ۱۳۰ تا ۱۳۱)

[2] (جامع الأصول فى الأنواعهم وأوصافهم للشيخ أحمد الكمشخانوى النقشبندى المجددى الخالدى، صفحه ۱۳۱)

بتحصيل علوم الباطن و استفادتها من أهلها بالصحبة و الخدمة و السلوک و حسن الاعتقاد و الاخلاص و التخلية من الرذائل و التحلية بالفضائل كما نقل بعض العلماء قال رأيت الغزالى فى البرية و عليه مرقعة و بيده عكازة و ركوة فقلت يا امام أليس التدريس ببغداد أفضل من هذا فنظر الى شزرا و قال لما بزغ بدر السعادة فى فلک الارادة جنحت أصول الوصول جعلت أقول:

تركت هوى ليلى و سعدى بمنزل وعدت الى مصحوب أول منزل
ونادت بى الاشواق مهلا فهذه منازل من تهوى رويدک فانزل

وقد شهد بوجوب تعلم علم الباطن كثير من الكتب المعتمدة كتحفة المحتاج لابن حجر قال فى كتاب السير منها و يجب على من لم يرزق قلبا سليما أن يتعلم أدوية أمراض القلب و قال الخطيب الشربينى من الشافعية فى شرح الغاية و تنقسم الطهارة الى واجب و مسنون ثم الواجب ينقسم الى واجب بدنى و قلبى فالقلبى كالحسد و العجب و الرياء و الكبر و نحوها۔ و قال الغزالى معرفة حدودها و أسبابها و طبها و علاجها فرض و قال خاتمة المتأخرين الشيخ أبو بكر و أما علم الباطن كالعلم بامراض القلب من الرياء و العجب و الحسد و الكبر و البخل و الحرص و الحقد و ما يتولد منها و العلم بحدودها و علاجها و العلم بتحصيل أضدادها من الرضاء بالقضاء و القناعة و تحقير النفس و الاخلاص و التواضع و الصباء و السخاء فقد قال الغزالى المتولى و البغوى و شيخه القاضى حسين و غيرهم انه من فروض العين۔ و قال علاء الدين فى الدر المختار (واعلم) أن تعلم العلم يكون فرض عين و فرض كفاية و مندوبا و هو التبحر فى علم القلب و علم الفقه قلت هذا هو التبحر و أما أصل علم القلب فهو فرض عين و قال شيخ الاسلام زكريا الانصارى و أما العلم القلب فهو علم ذوقى و وجدانى الا يمضغ تحت ألسنة الاقلام و لا تحيط به الدفاتر و هو بمقابلة العلم الظاهر بمنزله الثمر للشجر لا اتفاع الا بثمره (وقال) محمد البركوى و أقبح العجب العجب بارأى الخطا فيفرح به و يصر عليه و لا يسمع نصح ناصح بل ينظر الى غيره بعين الاستجهال قال الله أفمن زين له سوء عمله فرآه حسنا و قوله و هم يحسبون أنهم يحسنون صنعا و جميع أهل البدع و الضلالة انما أصروع عليها لعجبهم بآرائهم و علاج هذا العجب عسر و صعب اذ صاحبه يظنه علما لا جهلا و نعمة لا نقمة و صحة لا مرضا و لا يطلب العلاج و لا يستشفى بالاطباء و هم علماء أهل السنة و الجماعة قلت و المراد علماء الآخرة الذين أداموا ذكر الله و لا يشقى جليسهم و هم الاولياء الجامعون للعلم الظاهر و الباطن و الشريعة و الحقيقة أكابر الشيوخ من أهل المعرفة و الا فالعالم بالعلم الظاهر فقط لا يقدر على علاج قلبه فكيف لغيره (وقال) الشرنبلالى شرطت الطهارة الشرعية ليصير العبد أهلا للعبودية و القيام بخدمة الربوبية و لا ينفعه ذلک حقيقة الا باخلاص الطوية و تطهيرها من الادناس المعنوية اذهى أضر من النجاسة الحقيقة كالغل و الغش و الحقد و الحسد و غيرها و يصلح قلبه ليصلح به سائر الجسد فيطهر قلبه عما سوى الله من الكونين بقطع العلائق عن جملة الخلائق و ما تطمح اليه النفوس فلا يقصد الا الله و يعبده لاستحقاقه العباده لذاته

و امتثال أمره ملاحظا جلاله و کبریاءه لا رغبة فی جنة ولا رهبة من نار لانه تعالیٰ من حقه أن یعبد کما قال و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔[1]

خلاصہ

مندرجہ ذیل کتابوں میں تصوف کو فرض عین کہا گیا ہے:

شامی ج ۴ ص ۳۲۴،روح البیان، ج ۲ ص ۱۷۳ ، قطب الارشاد ص ۲۱۷،حدیقة ندیه ج ۱ ص ۲۳۲، الاشباه و النظائر للسیوطی علیہ الرحمۃ ص ۵۰۴، شرح احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۵ ، ایقاظ الهمم ج ۲ ص ۱۲۶ ، سراج العارفین ص ۱ ، مکتوبات امام ربانی ج ۱ مکتوب ۲۱۹ ، غنیة الطالبین ۱۶۶ ، تفسیر مظهری ج ۱ ص ۲۴۳، حاشیه طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۱،ارشادالطالبین،تنبیه العلماء و الملوک ص ۲۰۳،هدایة السالکین۔

[1] (جامع الأصول فی الأنواعهم وأوصافهم للشیخ أحمد الکمشخانوی النقشبندی المجددی الخالدی، صفحه ۱۳۱ تا ۱۳۲)

الفصل العاشر: اقوال دیابنہ در فرضیت علم تصوف

دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) نے بھی تعلیم تصوف کو فرض وواجب قرار دیا ہے۔[1]

دیوبندیوں کے علامہ مولانا اللہ یار خاں نقشبندی لکھتے ہیں:

تصوف جزو دین ہے، اور انتفائے جزو مستلزم ہے انتفائے کل کو، پس انکار تصوف مستلزم ہوگا انکار دین۔[2]

دیوبندیوں کے علامہ مولانا اللہ یار خاں نقشبندی لکھتے ہیں: اس سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے تینوں اجزاء کو جمع کیا ہو کیونکہ: **فانه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم**۔ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تعلیم کے لئے جبریل کو بھیجا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو پہنچایا وہ دین تین اجزاء، اسلام، ایمان، اور احسان سے مرکب ہے۔[3]

دیوبندیوں کے پیر سید زوار حسین شاہ لکھتے ہیں:

طریقت کی تلاش اور اندرونی کمالات کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (آل عمران ۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی ظاہر اور باطن میں عقیدوں اور اخلاق میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کہ خدائے تعالیٰ کی خفگی کا سبب ہو تقویٰ کو کامل طریقے سے اختیار کرنا چاہیے آیۃ مذکور میں امر کا صیغہ ہے اور امر واجب ہونے کی دلیل ہے لہٰذا ہر مسلمان پر تقویٰ لازم ہو گیا اور تقویٰ کمالِ ولایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حسد، کینہ، غیبت، ریا، غرور، تکبر وغیرہ نفس کی برائیاں ہیں کہ جن کا حرام ہونا قرآن مجید، حدیث شریف اور اجماع سے ثابت ہے پس جب تک یہ نفس کی برائیاں دور نہ ہو جائیں پورا پورا تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔ اور نفس کا فنا ہونا اور گناہوں سے بچنا جسم کی اصطلاح سے حاصل ہوتا ہے اور جسم کی اصلاح دل کی اصلاح پر منحصر ہے اور اسی کا نام ولایت ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یعنی "بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے قلوب اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ **(مسلم عن ابی ہریرہ)**"۔[4]

---

[1] (التکشف عمہمات التصوف، ص، ۷، مطبوعہ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی)
[2] (دلائل السلوک، ص، ۱۳، مطبوعہ مدنی کتب خانہ گنپٹ روڈ لاہور نمبر ۲)
[3] (دلائل السلوک، ص، ۱۳، مطبوعہ مدنی کتب خانہ گنپٹ روڈ لاہور نمبر ۲)
[4] (عمدۃ السلوک، ص ۳۰)

مولانا احمد علی لاہوری سے منقول ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری نے جب دورۂ حدیث پڑھایا تو آخر میں کہا کہ لاکھ دفعہ بخاری پڑھو، جب تک اللہ والے کے جوتے سیدھے نہ کروگے کچھ نہیں بنے گا۔ (یعنی جب تک کسی کامل مکمل مرشد سے علم تصوف میں تربیت حاصل نہ کروگے تو علم ظاہر فائدہ نہیں دے گا)۔ [1]

دیوبندیوں کے علامہ مولانا اللہ یار خاں نقشبندی لکھتے ہیں: تصوف و سلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم و عمل زہد و تقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی، ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔ [2]

---

[1] (حجۃ القاطعہ ص ۷۸، مولوی احمد علی پنجگوری)

[2] (دلائل السلوک، ص ۱۷، مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور)

الفصل الاحد عشرۃ: علم تصوف فرض عین، واجب و سنت کے درمیان تطبیق

ایک اہم بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ سنت کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام سنت ہے، یعنی جو مستحب اور واجب کے درمیان ہے۔ بعض اوقات سنت کا مطلب عادت ہوتی ہے، جیسے سنۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ۔ بعض مقام پر سنت کسی شخص سے منسوب کام کو کہتے ہیں مثلاً قربانی سنت ابراہیم علیہ السلام ہے حالانکہ یہ (صاحبِ استطاعت پر) واجب ہے۔ ارکانِ اسلام اور فرائض وغیرہ بلکہ قرآن کا کلام اللہ ہونا بھی سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے۔ تو ارکانِ اسلام اگرچہ فرضِ قطعی ہیں اور سنت بھی ہیں کیونکہ سنت سے بھی ثابت ہیں اور آپ علیہ السلام نے یہ فرائض ادا کر کے ہمیں بتائے ہیں۔ علم تصوف کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور بیعت کرنا واجب ہے۔ مگر بعض علماء نے سنت کہا تو ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجوب کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے اس (واجب) کو سنت کہہ دیا اور یہ طریقہ فقہاء کرام نے اختیار کیا ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے ایک عنوان باندھا ہے "مطلب اطلاق اسم السنۃ علی الواجب" یعنی واجب پر لفظ سنت کا اطلاق کرنا۔

اس کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

واطلاق اسم السنۃ علی الواجب جائز لان السنۃ عبارۃ عن الطریقۃ المرضیۃ والسیرۃ الحسنۃ وکل واجب ھذا صفاتہ قلت ومنہ اطلاق کثیر علی العقود الاول انہ سنۃ۔

یعنی واجب کو سنت کہہ دینا (بھی) جائز ہے کیونکہ سنت پسندیدہ طریقے اور اچھی عادات کا نام ہے اور ہر واجب کی یہی صفت ہوتی ہے اور اسی قبیل سے فقہاء کا قاعدہ اولیٰ کو سنت کہہ دینا ہے حالانکہ وہ واجب ہے۔

شامی جلد ا باب عیدین کی ابتداء میں ہے:

وتجب صلوٰتھما فی الاصح (در) قولہٗ فی الاصح وسماھا فی الجامع الصغیر سنۃ لان وجوبھا ثبت بالسنۃ۔

یعنی نماز عیدین اصح قول کے مطابق واجب ہے جب کہ جامع صغیر میں انہیں سنت کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ نمازِ عیدین کا واجب ہونا سنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح در مختار باب وتر میں ہے:

ھو فرض عملا واجب اعتقاداً سنۃ ثبوتاً (در مختار) ای ثبوتہ علم من جھۃ السنۃ لا القرآن۔

یعنی نماز وتر عملاً فرض ہے اور اعقاداً واجب ہے اور ثبوت کے اعتبار سے سنت ہے۔

یعنی وتر کے وجوب کا ثبوت سنت سے ہوا ہے۔

اسی طرح داڑھی کے حوالے سے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ان وجوبها ثبت بالسنة" یعنی داڑھی رکھنے کا وجوب، سنت سے ثابت ہے۔ اس لئے علماء نے اسے سنت بھی کہا ہے، لہٰذا جن علماء نے علم تصوف کے حصول اور بیعت کرنے کو سنت کہا ہے حالانکہ یہ واجب ہے تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ ثبوت وجوبہا بالسنۃ یعنی بیعت کے واجب ہونے کا ثبوت سنت سے ہے۔

رد المحتار علی الدر المختار میں اس کی ایک اور توجیہ بیان کی گئی ہے کہ علم باطن (یعنی علم احوال قلب) اور اس کے حصول کے لئے بیعت کو سنت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علم تصوف میں مہارت حاصل کرنا سنت ہے تاکہ اس علم کی باریکیوں کو جان کر خود اپنے کمال میں ترقی کرے اور دوسروں کی تربیت کر کے کمال تک پہنچنے میں معاون ہو سکے۔ جب کہ علم تصوف (جس سے اخلاق حسنہ مثلاً اخلاص، توکل، خشیت وغیرہ سے مزین ہونا اور اخلاق سیئہ مثلا حسد، عجب، کبر، ریاء وغیرہ سے اجتناب کرنا) کا حصول فرض عین ہے۔ جیسے کہ علم فقہ جس سے فراض ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کے احکام کا علم ہو، فرض عین ہے، جبکہ علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور اس کی باریکیاں جاننا مندوب ہے۔ (فافهم ایها الغافل)

"وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره ومندوبا وهو التبحر فى الفقه وعلم القلب ۔۔۔ وقوله علم القلب اى علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل وكيفية اكتسابها وانواع الرزائل وكيفية اجتنابها۔ وهو معطوف على الفقه لا على التبحر لما علمت من أن علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين ومثلها غيرها من آفات النفوس كالكبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوة والبغضاء والطمع والبخل والبطر والخيلاء والخيانة والمداهنة والاستكبار عن الحق والمكر والمخادعة والقسوة وطول الامل ونحوها مما هو مبين فى ربع المهلكات من الاحياء قال فيه ولا ينفك عنها بشر فيلزمه ان يتعلم منها ما يرى نفسه محتاجا اليه ۔۔۔"[1]

بعض علماء کے نزدیک بیعت کرنا جو سنت یا مستحب ہے تو وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو بفضل الٰہی اخلاق سیئہ سے دور اور اخلاق حسنہ سے مزین ہو گئے ہوں، ایسے لوگ "مراد" کہلاتے ہیں مثلاً حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ جب کہ ان لوگوں کے علاوہ جو لوگ ہیں انہیں اخلاق حسنہ باطنہ مثلاً حسنِ نیت، اخلاصِ کامل، توکل اور خشیت وغیرہ کا حصول اور اخلاق سیئہ مثلاً کبر، عجب، حسد وغیرہا سے اجتناب کرنا لازم و ضروری ہے۔ ایسے لوگ "مرید" کہلاتے ہیں۔ ان کے لئے مذکورہ امور کی معرفت حاصل کرنا فرضِ عین ہے۔ اس لئے بیعت کرنا واجب ہے تاکہ اخلاق حسنہ سے مزین اور اخلاقِ سیئہ سے پاک ہو سکیں۔

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار ص ٣٣)

جیسا کہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں صفحہ ۱۶۶ پر فرمایا:

فالمشائخ هم الطريق الى الله عز و جل و ادلاء عليه و الباب الذى يدخل منه اليه فلا بد لكل مريد لله عز و جل من شيخ على ما بينا الاعلى الندور و الشذو ذ مثلا اويس قرنى فيجوز ان يصطفى الله عبداً من عباده فيتولى تربيته و حراسته عن الشيطان وهنات النفس و الهوىٰ الا انا بينا ماهو الاغلب و الاكثر و الاسلم و الاحسن فلاينبغى عنه بالوصول الى ربه عز و جل۔

حضرت علامہ محمد اسماعیل حقّی رحمہ اللہ تفسیر روح البیان میں جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ پر فرماتے ہیں:

كل مالا يؤمن من الهلاک مع الجهل فطلب علمه فرض عين سواء كان من الامور الاعتقادية كمعرفة الصانع و صفاته و صدق النبى عليه الصلوة و السلام فى اقواله و افعاله او من الاعمال الحسنة المتعلقة بالظاهر كالصلاة و الصوم وغيرها او بالباطن كحسن النية و الاخلاص و التوكل وغيرها او من السيئة المتعلقة بالظاهر كشرب الخمر و اكل الربا و النظر الى اجنبية بشهوة او بالباطن كالكبر و العجب و الحسد وسائر الاخلاق الردية للنفس فان معرفة هذه الامور فرض عين يجب على المكلف طلبها و ان لم يأذن لهٗ ابو اهٗ۔۔۔الخ [1]

اسی طرح علامہ فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ نے "قطب الارشاد" میں ایک جگہ بیعت کرنے کو سنت لکھا ہے تو اس سے بھی مراد ان لوگوں کے لئے سنت ہے جو "مراد" ہیں جبکہ ان کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے لئے فرضِ عین ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نفس کے عیوب کا علم رکھنا اور انہیں دور کرنا یہ داخل ہے علمِ اخلاق اور تصوف میں جو کہ فرضِ عین ہے اور یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔"[2]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ سورہ توبہ کی آیت {ما كان للمؤمنين ان ينفروا كافة} کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و ان العلم الذى يسمون الصوفية الكرام لدنّياً فهو فرض عين لان ثمراتها تصفية القلب عن اشتغال بغير الله و اتصافه بدوام الحضور و تزكية النفس عن رذائل الاخلاق من العجب و التكبر و الحسد و حب الدنيا و الصبر على البلاء وغير ذلک۔۔الخ۔

ترجمہ: صوفیاء کرام میں جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیۂ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب، تکبر، حسد، حب دنیا، حب

---

[1] (تنبیہ العلماء و الملوک، ص ۲۰۳ تالیف: خواجہ محمد حضرت)

[2] (قطب الارشاد، ص ۲۱۷)

جاہ، عبادات میں سستی، شہوات نفسانی، ریاء، سمعہ وغیرہ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی، رضا بالقضاء، نعمت کا شکر اور مصیبت میں صبر وغیرہ۔[1]

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وکذالک یفترض علیہ علم احوال القلب من التوکل والخشیۃ والرضاء۔

یعنی جیسے باقی فرض علوم ہیں اسی طرح علم احوالِ قلب یعنی علم باطن جیسے توکل، خشیت، رضا بالقضاء کا حصول فرض عین ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

فیلزمہ ان یتعلم منھا مایری نفسہ محتاجاً الیہ وازالتھا فرض عین۔[2]

ان اکابر محققین کے ارشادات پر صاحبان علم غور کریں تو ممکن ہے انہیں انشراحِ صدر حاصل ہو جائے تاکہ وہ غافلین میں ہونے سے بچ سکیں۔(فافھم)

لاتکن من الغافلین والمتعصبین۔

اسی لئے صاحب روح البیان نے ایسے حضرات کے بارے میں فرمایا:

فلاتلتفت الی قول من لامذاق لھم من الطاغین فانھم بمنزلۃ العنیین لا یعرفون ذوق المناجاۃ وحلاوۃ الطاعات وفضیلۃ الاوقات۔[3]

خلاصہ کلام

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

طالب اللہ کو فقیر کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ طالب اللہ پر لازم ہے کہ دنیا کی ہوس کو چھوڑ کر عالم عامل اور فقیر کامل کی چرف رجوع کرے کیونکہ عمل کے لیے اس یک حرف ہی کافی ہے۔

سواد الفقر در چشمے سیاہی   نماند پردہ در سر الہٰی

فقر کا سرمہ آنکھ کی پتلی میں لگے تو راہ خداوندی کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔

ازاں حرف بوحدت خوش بخوانی   کہ آں حرف بحریست وُدرِ معانی

---

1 (تفسیر مظھری ج۴ ص ۳۲۴)

2 (ج ا بحث علم القلوب، حجۃ القاطعہ ص ۸۹-۹۰)

3 (سورۃ علق ص ۴۸۳، روح البیان ج ۱۰)

اس سے وحدت کا ایک حرف بھی اچھی طرح پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ وہ ایک حرف ہی در معانی کے لئے سمندر ہوتا ہے۔

زبہر طالبان آسمانی

ولم یافت است سر معانی

طالبان حق کے لئے میرے دل نے سر معانی پالیا ہے یعنی راز حقیقی کو حاصل کر لیا ہے۔

بجز پیرے نباید رفت ایں راہ

کہ پیرے می کند از سر آگاہ

پیر کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اسرار سے آگاہ کرتا ہے۔

کسے کہ پیر ندارد پیر او چیست

کہ پیرے او بود ملعون ابلیست

جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے اور ملعون ہے۔

مرا پیرے کہ ہر دم دستگیر است

فنافی اللہ جیلانی فقیر است

میرا پیر ایسا ہے جو ہر دم دستگیری کرتا ہے وہ پیر فنافی اللہ جیلانی فقیر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ۔

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لا دین لمن لا شیخ لہ و من لا شیخ لہ فھو شیطان

جس کا کوئی شیخ نہیں وہ بے دین ہے اور جس کا کوئی شیخ نہیں وہ شیطان ہے۔

اللّٰھمّ اغفر لقارئہٖ ولکاتبہٖ ولسامعہٖ ولناظرہٖ ولحافظہٖ ولمصححہٖ ولمن رجع عن قولہ الی الحق وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات من الذّنوب الصّغائر والکبائر کلّھا بحقّ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رّسول اللہ وبحقّ الانبیاء والمرسلین والاولیآء الکاملین خصوصًا صاحب الوقت قیّوم الزّمان قطب الارشاد نائب مناب الرّسول الامین ﷺ سیّدی مرشدی اخندزادہ سیف الرّحمٰن نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنّۃ مثواہ ورفع اللہ تعالیٰ درجاتہٖ فی اعلیٰ علیین واوصلہ اللہ تعالیٰ الیٰ اقصی الغایات ونھایۃ النھایات والیٰ اقصیٰ مایتمناہ وافاض

اللہ علی وعلینا وعلیٰ سائر المسلمین من فیوضاتہٖ وبرکاتہٖ وتوجہاتہٖ وتصرفاتہٖ الکریمۃ بعد الوصال۔ اآمین بجاہ حبیبہٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبکرمک یا اکرم الاکرمین وبرحمتک یا ارحم الرّاحمین وصلّی اللہ علی خیر خلقہٖ محمّد وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین الطّیّبین الطّاہرین وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

(۳) باب نمبر تین: تصوف کا عملی طریقہ

گزشتہ باب میں تصوف کی اہمیت اور مومن کامل کی شخصیت کی تکوین و تعمیر میں اسکا مقام واضح ہو چکا ہے۔ اور یہ کہ تصوف، دین اسلام کی عملی صورت ہے اور وہ بندہ کی ظاہری اصلاح، باطن کی تعمیر، اسکے اخلاق کی تحسین اور اس کی عبادات کی تصحیح کا اہتمام کرتا ہے۔

صوفیاء کرام محض کلام نظری سے شرع کے احکام اور آداب لوگوں پر واضح کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سالک کا ہاتھ پکڑ کر ترقی کے تمام مراتب میں اسکے ساتھ چلتے ہیں اور سیر الی اللہ کی تمام منازل میں اسکے ساتھ رہتے ہیں، اور اپنی خصوصی عنایات اور مہربانیوں سے نوازتے ہیں اور انکے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں اور اپنے حال و قال اور اپنی علو ہمت اور عظمت و صداقت سے اسے پروان چڑھاتے ہیں۔ اگر وہ ذکر سے غافل ہو جائے تو اسکی توجہ ذکر کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اگر صراط مستقیم سے منحرف ہو تو اسے دوبارہ راہ راست پر لاتے ہیں۔ اگر وہ مجلس سے غائب ہو جائے تو اسکی خبر گیری کرتے ہیں۔ جب سست پڑے تو اس کی سستی زائل کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ دین کے ارکان یعنی ایمان، اسلام اور احسان تک سالک کی رسائی ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام ارباب اعمال و احوال ہوتے ہیں نہ کہ ارباب دعویٰ و اقوال۔ کلام اور تعلیم تو بہت آسان ہے لیکن اس کے مقابلہ میں عمل اور تطبیق بہت مشکل۔

اس باب میں ہم وہ عملی نصاب بیان کریں گے جس کو صوفیاء کرام رضاء الٰہی اور اس کی معرفت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں۔ یہ عملی نصاب کتاب اللہ کی عملی تطبیق اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع و اقتداء پر مبنی ہے۔ صوفیاء کرام نے کوئی نیا طریقہ اختراع نہیں کیا اور نہ ہی کسی نئے اسلوب کو اپنایا ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے قول، عمل اور اخلاق کے متبع ہیں۔

صحبت شیخ

اس عنوان کے تحت درج ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار

(۲) قرآن و سنت سے اس کا ثبوت

(۳) صحبت کی اہمیت کے بارے میں علماء و محدثین اور عارفین کے اقوال و آراء۔

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار:

صحبت کا انسان کی شخصیت، طرز عمل اور اخلاق پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ صحبت اختیار کرنے والا روحانی اثر اور عملی اتباع سے اپنے صاحب کی صفات کو اخذ کرتا ہے۔ انسان طبعی طور پر معاشرتی واقع ہوا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملے اور ان میں اس کے دوست واحباب ہوں۔ اگر وہ برے اور فاسق وفاجر لوگوں کو دوست بنائے گا تو وہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہوگا اور اسکی اچھی صفات بتدریج ناپید ہو جائیں گی لیکن اسے شعور تک بھی نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دوستوں کی طرح ذلت کی انتہائی پستی میں گر جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کسی صاحب ایمان، متقی اور کسی عارف باللہ کی صحبت کو اختیار کیا تو جلد ہی وہ بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے گا۔ اور اس سے عمدہ اخلاق، پختہ ایمان، صفات عالیہ اور معارف الٰہیہ حاصل کرے گا اور اپنے نفس کے عیوب اور برے اخلاق سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی آدمی کے اخلاق کو اس کے دوست واحباب سے پہچانا جاتا ہے۔

اذا کنت فی قوم فصاحب خیارھم — و لا تصحب الاردی فتردی مع الردی
عن المرء لا تسئل و سل عن قرینہ — فکل قرین بالمقارن یقتدی

جب تو کسی قوم میں ہو، تو ان میں سے بہترین لوگوں کی صحبت اختیار کر، گھٹیا اور خسیس لوگوں کی سنگت اختیار نہ کر، کہ تو بھی ان کے ساتھ ہلاکت کا شکار ہو جائے، کسی انسان کے متعلق نہ پوچھ، بلکہ اس کے دوست کے متعلق پوچھ، کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔

صحابہ کرام نے یہ بلند مرتبہ نبی کریم ﷺ کی صحبت و ہم نشینی سے حاصل کیا ہے۔ حالانکہ قبل از صحبت جہالت کی تاریکیوں میں تھے۔ اسی طرح تابعین کو جو یہ عظیم شرف ملا ہے یہ صحابہ کرام کی صحبت اور ملاقات کے ہی طفیل ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی رسالت عام اور تا قیامت رہنے والی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے علماء و عارفین کو اپنا جانشین بنایا ہے اور انہیں اپنے نبی کریم ﷺ سے علم و اخلاق اور ایمان و تقویٰ ورثہ میں ملا ہے اور یہ ہدایت و ارشاد اور دعوت الی اللہ میں اپنے نبی کے نائب ہیں۔ یہ سینۂ نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ انسانیت کے لئے ہدایت اور حق کے راستے کو روشن کریں۔ جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے دل میں بھی وہ نور سرایت کر جاتا ہے۔ جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ پس جس نے ان کی نصرت و اعانت کی گویا وہ دین کا معین و مددگار ہوا۔ اور جس نے اپنی زنجیر کا حلقہ ان پاکباز لوگوں کی زنجیر سے مربوط کیا تو وہ در حقیقت نبی پاک ﷺ تک جا پہنچا، گویا کہ چشمۂ نبوت سے فیض یاب اور سیراب ہوا۔

عارف باللہ حضرت عبد القادر عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب حقائق عن التصوف، جو کہ عربی زبان میں ہے، میں تصوف کے جملہ آداب پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

علم، اعمال کی بنیاد، ان کا پیش رو اور ان کے صحیح ہونے کا ضامن ہے۔ جس طرح علم، بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا، بعینہ عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں دیتا۔

وعالم بعلمه لم يعلمن　　　معذب من قبل عباد الوثن
اذ كل من بغير علم يعمل　　　اعماله مردود لا تقبل

کتنے ہی عالم ہیں جو اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہوتے، انہیں بتوں کے پجاریوں سے پہلے عذاب دیا جائے گا، کیونکہ جو بغیر علم عمل کرتا ہے اس کے اعمال مردود اور غیر مقبول ہوتے ہیں۔

علم اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ سالک ایمان، معرفتِ الٰہی اور حصولِ رضا کے کسی مقام و منزل میں علم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

سلوک کی ابتدا میں عقائد، عبادات اور معاملات کے علم کا حصول ضروری ہے۔ اور منازل سلوک کے وسط میں سالک دل کے احوال، حسنِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے علم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر تصوف کے عملی نصاب میں علم ضروری کے حصول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ تصوف اسلام کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کی عملی تطبیق کا نام ہے۔ ہم یہاں کچھ آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ ذکر کرتے ہیں جو علم کی عظمتِ شان اور عُلوِّ مرتبہ پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن اور فضیلتِ علم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): ”انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء.“ (فاطر: ۲۸)

ترجمہ: ”اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں“۔

(۲): ”قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون.“ (الزمر: ۹)

ترجمہ: ”آپ پوچھئے، کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل“۔

(۳): ”یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم و الذین اوتوا العلم درجات.“ (مجادلہ: ۱۱)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمادے گا“۔

احادیث نبویہ:

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو انسان حصولِ علم کیلئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کے راستے کو آسان فرما دیتا ہے، ملائکہ اس کے عمل سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا لیتے ہیں، زمین و آسمان کی مخلوق عالم کیلئے استغفار کرتی ہے حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ پایا۔[1]

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو ذر! تیرا ایک آیت کو سیکھنا سو رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تیرا علم کے ایک باب کو سیکھنا ہزار رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"یشفع یوم القیامة ثلاثة، الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء"۔

ترجمہ: "قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے، پہلے انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء"۔[3]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا اراد اللہ بعبد خیرا افقھه فی الدین و الھمه رشده۔"

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور رشد و ہدایت کا الہام کرتا ہے۔"[4]

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے! عالم بن جاؤ یا متعلم، یا علم کا سامع یا اس سے محبت رکھنے والا، ان چار کے علاوہ پانچواں شخص نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے پانچویں شخص کی وضاحت کی ہے جس کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ علم اور صاحبِ علم کے ساتھ بغض رکھے۔[5]

---

[1] (ترمذی و ابو داود و ابن ماجه فی کتاب العلم)
[2] (ابن ماجه)
[3] (ابن ماجه)
[4] (طبرانی، بزازیه)
[5] (رواه الطبرانی، وبزار، کذافی "مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۲)

حصولِ علم کا حکم:

شرعی حکم کے اعتبار سے علم کی تین اقسام ہیں:

(۱): مامور بہ (وہ علم جس کے حصول کا حکم دیا گیا ہو)۔

(۲): منہی عنہ (وہ علم جس سے روکا گیا ہو)۔ (۳): مستحب۔

(۱): مامور بہ: اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): فرض عین **(۲):** فرض کفایہ

فرض عین وہ ہوتا ہے جو مکلف کے بذاتِ خود ادا کرنے سے اس سے ساقط ہوتا ہے۔ مکلف پر فرض عین علوم کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع کے متعلق بعض بنیادی قواعد ذکر کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ا: وہ چیز جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو پس وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا وسیلہ اور سبب ہو، وہ فرض ہو گا۔ اور جو واجب کی ادائیگی کا وسیلہ ہو، واجب اور جو سنت کی ادائیگی کا وسیلہ ہو گا وہ سنت ہو گا۔

ان قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے ہم بعض ان علوم کو بیان کرتے ہیں جو ہر مکلف پر فرض ہیں۔

(۱): عقائد اہلسنت اور اس کے اجمالی دلائل کو جاننا، تاکہ انسان ملحدین کی تشکیک اور گمراہ کن لوگوں کے مغالطوں سے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(۲): ان مسائل کو جاننا جن کے ذریعہ مکلف فرضی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ادا کر سکے۔

(۳): اور جس شخص کا واسطہ معاملات یعنی خرید و فروخت وغیرہ کے ساتھ ہو اس پر ان احکام کا سیکھنا فرض ہے جن کے ذریعہ حرام سے بچ سکے اور شرعی حدود کا التزام کر سکے۔

(۴): احوال قلب یعنی توکل، خشیت اور رضا وغیرہ کو جاننا کیونکہ مسلمان کو اپنی زندگی میں ان تمام احوال سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۵): تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننا، تاکہ اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرے۔ اور ان اخلاق کو ترک کرنے کیلئے مجاہدۂ نفس کرے کیونکہ مجاہدہ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب سالک تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے ان تمام طریقوں کو بھی جان لے جن میں صوفیائے کرام مشغول رہے۔

اسی لئے شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے علم یعنی تصوف میں داخل ہوئے بغیر مر گیا، وہ بہت سے کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا جس کا اسے شعور تک بھی نہ تھا۔ یہ جاننا چاہئے کہ بعض کبائر اور فواحش ظاہری ہوتے ہیں جیسے زنا، شراب نوشی۔ اور بعض باطنی جیسے تکبر اور نفاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دونوں سے روکا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَاتَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَاوَ مَابَطَنَ۔ (انعام: ۱۵۱)

ترجمہ: ''اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کے جو ظاہر ہو ان سے اور جو چھپی ہوئی ہو۔''

ظاہری فواحش کا مرتکب تو توبہ کر لیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے گناہ پر متنبہ ہوتا ہے۔ مگر فواحش باطنی کا ارتکاب کرتے ہوئے انسان زندگی گزار لیتا ہے توبہ کی فکر نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اس کے حکم سے ناواقف ہوتا ہے یا اسے شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔

(۲): دوسری قسم فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ وہ ہوتا ہے جس کو بعض لوگ ادا کر دیں تو دیگر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی ایک نے بھی ادا نہ کیا تو تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ فرض کفایہ عموماً وہ ہوتا ہے جس پر امت کی اصلاح موقوف ہوتی ہے، جیسا کہ علم فقہ میں گہرائی تک جانا اور اسی طرح علم تفسیر، حدیث، اصول فقہ، اصول اعتقاد، علم حساب، علم طب، علم صنعت اور علم اسلحہ سازی وغیرہ۔

(ب)۔ علوم منہیہ: (۱): وہ علوم جن سے منع کیا گیا ہے گمراہ کن مذاہب، مشکک افکار اور عقائد زامغہ کی گہرائی تک جانا منع ہے۔ لیکن ان کی تردید کیلئے اور ان کے خطرات سے بچنے کیلئے انہیں پڑھنا منع نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی کجی کو دور کرنے کیلئے اور ان کے شبہات کو دور کرنے اور دین کی حفاظت کیلئے ان کو سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

(۲): مسروقہ مال، خزانوں کی تلاش اور اسی طرح گمشدہ چیزوں کی تلاش کیلئے علم نجوم کا سیکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق کہانت سے ہے۔ اور شرع نے ان لوگوں کی تکذیب کی ہے اور ان کی تصدیق کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن علمی تحقیقات، نماز کے اوقات جاننے اور قبلہ شریف کی سمت جاننے میں کوئی حرج نہیں۔ جادو سے بچنے کیلئے جادو کا علم جائز ہے۔ برائی کا علم برائی سے بچنے کیلئے ہو، نہ کہ اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے۔ کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(ج)۔ علوم مستحبہ: جسمانی اور قلبی فضائل، سنن ونوافل اور مکروہات اور فرائض کفایہ کو جاننا مستحبات سے ہے۔ اسی طرح علم فقہ اور اس کی فروعات، عقائد اور اس کے تفصیلی دلائل کی معرفت بھی اسی قبیل سے ہے۔

خاتمہ: سابقہ بحث سے دین میں علم کی اہمیت اور حصولِ علم کا حکم، اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ علم کے متعلق صوفیاء کا موقف بالکل واضح ہے۔ اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ در حقیقت صوفیائے کرام ہی وہ صاحب علم وعرفان لوگ ہیں جن کے قلوب روشن اور روحیں بالیدہ اور ایمان کامل اور ایمان واسلام اور احسان کے جامع ہوتے ہیں۔ پس صوفی علوم عینیہ کے حصول کے بعد ان کے عملاً نفاذ کیلئے کوشاں ہوتا ہے۔ اور وہ اصلاحِ قلب اور تزکیہ نفس کرنے کے بعد سچے دل سے متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا، رضوان، معرفت اور غفران سے نوازتا ہے۔

مجاہدہ اور تزکیہ نفس:

تمہید: اہمیت تصوف کی بحث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ نفس کی بعض صفات ذمیمہ اور خبیثہ ہوتی ہیں ان کا ازالہ فرض عین ہے۔ جیسے فقہائے کرام کا موقف ہے۔ لیکن نفس کی صفات رزیلہ محض خواہش اور اس کے حکم کو جان لینے اور تصوف واخلاق کی کتب پڑھنے سے زائل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان امور کے ساتھ ساتھ مجاہدہ، عملی تزکیہ اور نفس کو اس کی شدید اور سرکش شہوات سے چھٹکارا دلانا بھی ضروری ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی ... حب الرضاع ان تفطمہ تفطم

"انسانی نفس بچہ کی طرح ہوتا ہے، اگر تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے گا تو یہ دودھ کی محبت پر جوان ہو جائے گا۔ اور اگر تو اس کا دودھ چھڑائے گا تو یہ چھوڑ دے گا"۔

مجاہدہ کی تعریف:

راغب اصفہانی اپنی کتاب "مفردات قرآن" میں فرماتے ہیں:

"الجهاد والمجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو"۔

یعنی "جہاد اور مجاہدہ دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرنے کا نام ہے۔"

جہاد کی تین اقسام ہیں:

(۱): ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد۔

(۲): شیطان کے ساتھ جہاد۔

(۳): نفس کے خلاف جہاد۔

اور یہ تینوں اقسام اس ارشاد باری تعالیٰ سے مراد ہو سکتی ہیں:

(۱):وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔(حج:۷۸)

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر توڑ کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے"۔

(۲):وَجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔(توبہ:۴۱)

ترجمہ:"اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں"۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جاهدوا اهوائكم كما تجاهدون اعدائكم۔

ترجمہ:"اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو"۔[1]

مجاہدۂ نفس سے مراد نفس کی مذموم صفات چھڑانا اور اللہ کی شرع کو اس پر نافذ کرنا ہے۔

کتاب و سنت اور مجاہدۂ نفس:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔"(عنکبوت:۶۹)

ترجمہ:"اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی رکھنے کیلئے ہم ضرور دکھادیں گے اپنے راستے۔"

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المجاهد من جاهد نفسه في الله۔

"مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کیلئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے"۔[2]

مجاہدہ کا حکم:

تزکیۂ نفس فرض عین ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اور تزکیۂ نفس، مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح مجاہدہ بھی فرض عین ہے کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

شیخ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجاہدۂ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں اور یہ ہر مکلف پر فرض عین ہے۔[3]

---

[1] (المفردات في غريب القرآن مادة جهد ص ۱۰۱)

[2] (أخرجه الترمذي في كتاب فضائل الجهاد وقال: حديث حسن صحيح، وزاد البيهقي في "شعب الايمان" برواية فضالة: "والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله، والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب"۔ "مشكاة المصابيح للتبريزي" كتاب الايمان رقم ۳۴)

[3] (شرح طریقہ محمدیہ، ج ۱ ص ۳۲۳)

کیا انسانی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے؟

بلا شک وشبہ انسانی ناقص صفات اور مذمومہ عادات کو تبدیل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا ناممکن ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد آنے والے علماء، عاملین، صوفیاء اور صلحاء کی کوئی ضرورت تھی۔ جب بہت سے خونخوار درندوں اور پرندوں کو سدھارنا اور ان کی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے تو وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم کا تاج پہنایا ہے وہ بدرجہ اولی اس کا مستحق ہے۔

مجاہدۂ نفس سے مراد ان صفات کو یکدم جڑ سے اکھاڑ دینا نہیں بلکہ اس سے مراد صفات سیئہ کو آہستہ آہستہ صفات حسنہ میں تبدیل کرنا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اس کو صراط مستقیم کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔

غصہ اس وقت صفت مذمومہ ہے جب انسان اپنی ذات کیلئے غصہ میں آئے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ میں آئے تو یہی صفت ممدوح ہو جاتی ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ اس وقت جلال کا اظہار فرماتے، جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کی بے ادبی ہوتی یا حدود اللہ میں سے کسی حد کو معطل کیا جاتا۔ لیکن جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف دی گئی اور طائف میں آپ ﷺ کی ایڑی مبارک کو لہولہان کر دیا گیا، تو آپ ﷺ نے اپنی ذات کیلئے غصہ نہیں فرمایا، بلکہ اذیت دینے والوں کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی اور ان کیلئے اللہ کی راہ میں عذر خواہ ہوئے اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"۔

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما وہ میری حقیقت کو نہیں جانتے"۔ [1]

اسی طرح تکبر بھی صفت مذمومہ ہے۔ جب کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تکبر کرے، مگر جب ایک مسلمان متکبر کافر کے مقابلہ میں تکبر کرے گا تو یہی صفت ممدوح ہو جائے گی۔ کیونکہ اب یہ اللہ کے راستے اور شرعی حدود کے ضمن میں داخل ہے۔ اسی طرح اکثر صفات مذمومہ مجاہدہ کے ساتھ تبدیل ہو کر ممدوحہ بن جاتی ہیں۔

مجاہدہ کا طریقہ:

مجاہدہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ سالک نفس کی کسی خواہش پر راضی نہ ہو۔ اور اس کے خالق ومالک نے نفس کے بارے میں جو خبر دی ہے اس پر کامل یقین رکھے۔

---

[1] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب أحادیث الأنبیاء)

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ (یوسف:۵۳)

ترجمہ: "بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا"۔

اور اسے معلوم ہونا چاہئے کہ نفس ہی وصول الی اللہ کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نفس رکاوٹ اس وقت ہوتا ہے جب نفس امارہ ہو اور گناہوں اور حکمِ الٰہی کی مخالفت سے لطف اندوز ہو۔ لیکن مجاہدہ اور تزکیہ کے بعد یہی نفس راضیہ اور مرضیہ بن جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کی ذات سے انس و محبت کے علاوہ اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔

مؤمن جب اپنے نفسانی عیوب کا سراغ لگالیتا ہے اور ان کے علاج کا سچا ارادہ کرلیتا ہے تو لوگوں کے عیوب میں مشغول ہونے اور ان کی غلطیوں کو شمار کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دوسروں کی غلطیاں شمار کرنے میں مشغول اور اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہے تو جان لو کہ وہ احمق اور جاہل ہے۔

حضرت شیخ ابو مدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا تلم المرء علی فعله   و انت منسوب الی مثله
من ذم شیئا اتی مثله   فانما دل علی جهله

تو کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کر جب کہ تو ہی اس قسم کا عمل کرنے والا ہو، جو کسی عمل کی مذمت کرتا ہے اور پھر اس کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے:

لا تری عیب غیرک مادام فیک عیب   و العبد لا یخلو من عیب ابدا

ترجمہ: "جب تک تجھ میں عیب موجود ہے تو کسی غیر کے عیب کی طرف نہ دیکھ اور بندہ کبھی عیب سے خالی نہیں ہوتا۔"

جب انسان اپنے نفسانی عیوب کو جان لیتا ہے تو پھر اپنے نفس کی ناجائز خواہشات اور بری عادات کو ترک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو عبادات اور طاعات میں مصروف کرلیتا ہے، اپنی رفتار کے مطابق بتدریج مجاہدہ کو جاری رکھتا ہے۔

وہ ابتداءً ان گناہوں کو ترک کر دیتا ہے جن کا تعلق زبان، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور فرج سے ہوتا ہے۔ پھر ان سات اعضاء کو ان عبادات کے ساتھ مزین و آراستہ کرتا ہے جو ان کے مناسب ہوں۔ یہ سات اعضاء دل کی طرف جانے والے

سات راستے ہیں۔ اب انسان چاہے تو اس میں گناہ اور معصیت کی تاریکیوں کو داخل کر کے اس کو آلودہ اور بیمار کر دے چاہے تو اطاعت اور عبادات کر کے اس کو شفاف اور منور کر دے۔

پھر صفات باطنہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ناقص صفات یعنی تکبر، ریاء، اور غضب وغیرہ کو صفات کاملہ میں تبدیل کرتا ہے۔ کیونکہ مجاہدہ کا راستہ انتہائی دشوار گزار اور پر پیچ ہے۔ اس لئے مرید کا تنہا اس میں داخل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کسی ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے جو نفس کے عیوب سے باخبر اور اس کے علاج معالجہ کے طریقے جانتا ہو تاکہ مرید اس کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور اس کے مختلف اسالیب کا عملی تجربہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد و شیخ سے روحانی فیض بھی حاصل کرے جو مرید کی شخصیت اور ذات کی تکمیل میں معاون ہو اور اسے برائیوں سے دور کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرے۔

رسول اللہ ﷺ وہ مرشد اول اور مزکی اعظم تھے جنھوں نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت کی اور اپنے حال و قال سے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ (الجمعہ: ۲)

ترجمہ: ”وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کے دلوں کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“۔

اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کرنا پھر اس کی صحبت پر استقامت اختیار کرنا ہی مرید کیلئے نفع مند ہے۔ جس طرح مریض اپنے آپ کو طبیب کے سپرد کر دیتا ہے لیکن جب شیطان مرید کے دل میں غرور اور حد سے بڑھ کر خود اعتمادی کی بیماری داخل کر دے اور وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگے اور اپنے شیخ کی صحبت سے مستغنی ہو جائے تو محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کا سفر وہیں موقوف ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وہ اس سلسلہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے جبکہ اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر ”روح البیان“ میں فرماتے ہیں: ”درمیانہ طبقے کے بہت سے سالکین کو دورانِ سلوک کثیر آفات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب ان کا نفس کثرتِ مجاہدات اور ریاضات سے اکتا جاتا ہے تو شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ وہ سلوک کی اس منزل تک پہنچ چکے ہیں جہاں شیخ کی صحبت اور اس کے احکام کو

تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ اپنے شیخ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کے راستے پر چل نکلتے ہیں اور مختلف قسم کی مشکلات اور شیطان کے پھندہ میں پھنس جاتے ہیں۔[1]

مجاہدہ کے متعلق عارفین اور مشائخ عظام کے اقوال:

ابو العثمان مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! جس نے یہ گمان کیا کہ بغیر مجاہدہ کے اس کو مقام حاصل ہو گیا ہے یا اس پر کوئی چیز منکشف ہوئی ہے تو وہ غلطی پر ہے۔[2]

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: اے گروہ جوانان! محنت کرو قبل اس کے کہ تم میری عمر کو پہنچ جاؤ اور کمزور ہو جاؤ اور تمہارے اعمال میں کمی آ جائے جیسے میں کمزور ہو گیا ہوں اور میرے اعمال میں کمی واقع ہو گئی ہے حالانکہ اس عمر میں بھی کوئی نوجوان عبادت میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جو انسان اپنے نفس کو اچھا گمان کرتا ہے وہ اپنے نفس کے عیوب کو نہیں پہچان سکتا۔ اپنے نفس کے عیوب کو وہی پہچان سکتا ہے جو تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم کرتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین و آراستہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ عمدہ بنا دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔“ (عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: ”اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں ضرور دکھا دیں گے اپنے راستے“۔

جان لو کہ جو شخص آغاز میں صاحب مجاہدہ نہ ہو تو اس کا طریقت کے قریب تک سے بھی گزر نہ ہوا۔

امام برکوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عیب کو نہیں جانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ کفر کے قاصد اور نامہ بر ہوتے ہیں۔[3]

---

[1] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۴۹)
[2] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)
[3] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کی نجات اسی میں ہے کہ بندہ اس کی خواہشات کی مخالفت کرے اور اس کو ان اشیاء پر برانگیختہ کرے جن کا حکم اس کے رب نے دیا ہے۔[1]

امام برکوی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ یہ ہے کہ ہر وقت نفس کی مخالفت کی جائے۔ یہ عابدوں کا سرمایہ، زاہدین کا راس المال اور نفوس کی درستگی اور اس کی تذلیل کا دارومدار ہے۔ اور ارواح کی تقویت اور تزکیہ اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے کا سبب اور وسیلہ ہے۔

اے سالک! تجھ پر لازم ہے کہ نفس کو خواہشات سے روکے اور اس کو مجاہدہ میں مشغول کرے، اگر تو اللہ سے ہدایت کا طالب ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔" (عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں دکھادیں گے اپنے راستے"۔

(۲): "وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ۔" (عنکبوت: ۶)

ترجمہ: "اور جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کیلئے ہی کوشاں ہے"۔[2]

ابن عجیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرید کیلئے ابتدائِ طریقت میں داخل ہونے کیلئے مجاہدہ، مشقت اور صدق و تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آخری منازل کو ظاہر اور روشن کرتا ہے۔ جس کا آغاز روشن ہو اس کی انتہا بھی روشن ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ طلب حق میں اپنی جان، روح اور عزت و مرتبہ کو قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مقام عبودیت تک پہنچ جائے اور وظائف ربوبیت ادا کرے تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس کی انتہا محبوب تک پہنچنے پر ہو گی اور جب کسی کو دیکھیں کہ وہ اپنے امور میں کوتاہی کرنے والا ہے۔ تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔[3]

قال محی الدین ابن عربی رحمه الله (من کتاب "الفتوحات المکیة" الریاضات والخلوات والمجاهدات وأثرها): "ولما رأت عقول أهل الایمان ب الله تعالیٰ أن الله تعالیٰ قد طلب منها أن تعرفه بعد أن عرفته بأدلتها النظریة، علمت أن ثمّ علماً آخر ب الله لا تصل إلیه من طریق الفکر، فاستعملت الریاضات والخلوات والمجاهدات وقطع العلائق، والانفراد والجلوس مع الله بتفریغ المحل، وتقدیس القلب عن شوائب الأفکار؛ إذ کان متعلق الأفکار الأکوان، واتخذت هذه الطریقة من الأنبیاء والرسل، وسمعت أن الحق جل جلاله (حدیث "ینزل الله إلی السماء الدنیا...الخ"۔ رواه الدارمی فی باب الصلاة) ینزل الیٰ عباده ویستعطفهم فعلمت أن الطریق إلیه من جهته أقرب إلیه

---

[1] (تعلیقات علیٰ الرسالة القشیریة)

[2] (الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج ۱ ص ۴۵۵)

[3] (ایقاظ الهمم ج ۲ ص ۳۷)

من الطریق من فکرھا۔ولا بد لأھل الإیمان وقد عرفوا قولہ تعالیٰ (حدیث "اذا تقرب إلی العبد شبراً تقربت إلیہ ذراعاً ..." رواہ البخاری عن أنس وأبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأبی عوانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والطبرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) "من أتانی یسعیٰ أتیتہ ھرولۃ" وأن قلبہ (أی قلب المؤمن) وسع جلال وعظمتہ۔فتوجہ العقل إلیہ تعالیٰ بکلہ وانقطع من کل ما یأخذ عنہ من ھذہ القویٰ، فعند ھذا التوجہ (أفاض اللہ علیہ من نورہ علماً إلھیاً عرفہ بأن اللہ تعالیٰ من طریق المشاھدۃ والتجلی، لا یقلبہ کون ولا یردہ کون) ولذلک قال اللہ تعالیٰ: {إنَّ فِیْ ذٰلِکَ}[ق:۳۷] یشیر إلی العلم باللہ من حیث المشاھدۃ{لَذِکْریٰ لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ}[ق:۳۷] ولم یقل غیر ذلک القوۃ کقوۃ وراء طور العقل تصل العبد بالرب۔فإن القلب معلوم بالتقلب فی الأحوال دائماً فھو لا یبقیٰ علی حالۃ واحدۃ فکذلک التجلیات الإلھیۃ، فمن لم یشھد التجلیات بقلبہ ینکرھا بعقلہ، فإن العقل یقید غیرہ من القویٰ إلا القلب فإنہ لا یتقید وھو سریع التقلب فی کل حال ولذا قال الشارع: "إن القلب بین أصبعین من أصابع الرحمن یقلبہ کیف یشاء"۔فھو یتقلب بتقلب التجلیات، والعقل لیس کذلک، فالقلب ھو القوۃ التی وراء طور العقل، فلو أراد الحق فی ھذہ الآیۃ بالقلب أنہ العقل ما قال {لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ}[ق:۳۷] فإن کل إنسان لہ عقل وما کلّ إنسان یعطیٰ ھذہ القویٰ التی وراء طور العقل، المسماۃ قلباً فی ھذہ الآیۃ، فلذلک قال {لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ}[ق:۳۷][1]

مجاہدہ کے بارے میں شبہات کا رد:

اگر کوئی کہے کہ صوفیائے کرام ان لذات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱): "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ" (اعراف:۳۲)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کیلئے اور (کس نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے۔"

(۲): یَآأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ o (مائدہ:۸۷)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو"۔

تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے حلال کو حرام نہیں بنایا کیونکہ ان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ تعالیٰ کی شرع کے ساتھ مقید رہنا ہے۔ لیکن جب انہوں نے جان لیا کہ تزکیہ فرض عین ہے اور یہ بھی جان لیا کہ نفس کی صفات سیئہ

---

[1] (الفتوحات المکیۃ ص ۳۴۳)

انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں اور مراتب کمال میں ترقی سے روکتی ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ اپنے نفوس کو مہذب اور ان کو خواہشات کی قید سے آزاد کرائیں گے۔

عظیم صوفی حکیم ترمذی اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ان آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم اس سے کسی چیز کو حرام کرنے کا ارادہ نہیں کرتے، بلکہ ہمارا مقصد تو تادیب نفس ہے۔ یہاں تک کہ نفس ادب سے آراستہ ہو جائے اور جان لے کہ اس نے کیسے عمل کرنا ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

"اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔" (اعراف:۳۳)

ترجمہ: "بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے۔"

حلال چیزوں میں حد سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اسی طرح فخر ومباہات، ریا اور اسراف حرام ہے۔ سالک کو ان چیزوں سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ اس کے دل میں خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ جب میں نے دیکھا کہ نفس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کو حاصل کرتا ہے اور مباہات کا ارادہ کرتا ہے تو میں نے جان لیا کہ اس نے حرام کو حلال کے ساتھ ملا لیا ہے اور شکر کو ضائع کر دیا ہے۔ اس کو تو رزق اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ کہ کفر۔ جب میں نے اس کا سوئِ ادب دیکھا تو اس کو ان چیزوں سے منع کر دیا حتی کہ وہ ذلیل اور تابع ہو گیا، اور میرے رب نے جب مجھے اپنی ذات میں مجاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اپنی راہ میں ہدایت فرمائی۔

جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔" (عنکبوت:۶۹)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنوں کے ساتھ ہے"۔

میں مجاہدہ کی وجہ سے اس کے نزدیک محسن ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو گئی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے، وہ ایسے گروہ کے ساتھ ہو جاتا ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور ایسے چوکیدار کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں سوتا۔ اور ایسے ہادی کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے جو اسے جلد ہی آخرت کے ثواب کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ حضور پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! "جب کسی

بندہ کے دل میں نور القا کر دیا جائے تو اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے"۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کی علامت بھی ہے؟ تو فرمایا ہاں اس کی علامت دارِ غرور سے پہلو تہی اور دار الخلود کی طرف رجوع اور قبل از وقت اس کی تیاری کرنا ہے۔

دل میں نور آ جانے کی وجہ سے سالک فانی دنیا سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس نور کے ذریعہ دنیا کے عیوب، مصائب اور آفات اور فریب کاریوں کو جان لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل سے بدکاری، ریا، فخر و مباہات اور حسد و تکبر نکل جاتا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب انسان دنیا کی تعظیم و محبت اور حلاوت کو دل میں بٹھا لے۔ ان تمام آفات سے نجات کا ذریعہ صرف اور صرف مجاہدۂ نفس ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔[1]

بعض لوگ جہالت اور جلد بازی سے کام لیتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کے مجاہدات بدھ مت یا ہندو مت سے ماخوذ ہیں اور اس کی اصل نصرانی مذہب کی اس بے راہ روی سے ملتی ہے جس میں جسم کو عذاب دینا روح کی بالیدگی اور ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ تصوف کا تعلق اس رہبانی رجحان سے ہے جو ان تین افراد میں ظاہر ہوا جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب انہیں بتایا گیا تو شاید انہوں نے اس کو قلیل گمان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں صومِ دہر رکھوں گا، دوسرے نے کہا میں ساری رات قیام میں گزار دوں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے عزلت اختیار کروں گا اور شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ان کا معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے ان کے افکار کی تصحیح کی، اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ ان سب اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ تصوف اسلامی کو کسی بھی دَور میں مستقل شریعت اور جدید دین کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کی عملی صورت اور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع کا نام ہے ان معترضین کو یہ شبہ اس وجہ سے لاحق ہوا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ تصوف میں دین حنیف کی حدود اور شرعی بنیادوں پر تزکیۂ نفس اور اس کی تربیت اور مجاہدہ کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس انہوں نے بغیر کسی سوچ و بچار کے نصرانیوں کی بے راہ روی پر تصوف کو قیاس کیا حالانکہ دینی حدود میں مقید مجاہدہ کے دوران اور دینی غلو، انحراف اور حرام کو حلال کرنے اور تعذیب جسم میں بہت بڑا فرق ہے۔

اور یہ انتہائی ظلم و افتراء ہے کہ جو بھی مجاہدہ اور تزکیۂ نفس کا ارادہ کرے اس پر حکم لگا دیا جائے کہ اس کا رجحان بدھ مت یا ہندو مت کی طرف ہے۔ جس طرح کہ مستشرقین اور ان کے متبعین کا خیال ہے یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ یہ ان افراد کی پیروی کرتے ہیں جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی عبادت کو قلیل گمان کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض جلد باز اور سطحی قسم کے

---

[1] (الریاضة وأدب النفس للحکیم الترمذی ص ۱۲۴)

لوگوں کا خیال ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ان تینوں کی اصلاح فرمادی تھی۔ اور وہ آپ کی سنت اور ہدایت پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔

اگر پوری تاریخ تصوف میں کوئی ایسا شخص پایا جائے جس نے حلال کو حرام کیا ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کیا ہو تو وہ بدعتی ہے اور تصوف سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے تصوف اور صوفی کے درمیان فرق کرنا چاہئے۔ کیونکہ کوئی بھی صوفی ذاتی انحرافات سے مکمل طور پر تصوف کی نمائندگی نہیں کرتا، جس طرح مسلمان اپنے غلط کردار کی وجہ سے اسلام کی نمائندگی نہیں کرتا۔ معترضین نے صوفی اور تصوف، مسلم اور مسلمان کے درمیان فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ بلکہ ان دونوں کو لازم ملزوم سمجھ کر کاملین کو منحرفین پر قیاس کرتے ہوئے ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سالکین کے نزدیک سب سے محبوب چیز نفوس کی ترقی ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ نفس مجاہدہ اور ریاضت سے ترقی کرتا ہے۔ اور تدریجاً امارہ سے لوامہ، ملہمہ، راضیہ، مرضیہ اور مطمئنہ کی منازل طے کرتا ہے۔ وصول الی اللہ کے تمام مراحل میں سالک کیلئے مجاہدہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان مراحل میں آخری درجہ عصمت کا ہے اور یہ صرف انبیاء و مرسلین کا خاصہ ہے۔

اس بحث سے ہمیں ان سالکین کی خطا کا پتہ چلتا ہے جو منازلِ سلوک کی لازمی شرط مجاہدہ نفس میں پختہ نہیں ہوتے۔ پھر اپنے لئے مقامِ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور محبین کا کلام گنگناتے رہتے ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کی تائید میں سلطان العاشقین حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام پیش کرتے ہیں:

وعن مذهبي في الحب مالي مذهب … وان ملت يوما عنه فارقت ملتي

"محبت کے متعلق میرا مذہب پوچھنے والو! سن لو محبت میں میرا کوئی مذہب نہیں اور ایک دن بھی محبت سے دور ہو جاؤں تو اپنی ملت سے خارج ہو جاؤں"۔

حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء کیسے کی۔ یہاں ہم ان کا کچھ کلام ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے دورانِ سلوک اپنے مجاہدات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ کلام مجاہدہ کی اہمیت پر دال ہے۔ مگر یہ جاننا چاہئے کہ آپ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء نفس لوامہ سے کی ہے نہ کہ نفس امارہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو سالک مجاہدہ میں مشغول نہ ہو، نہ تو اس کے سلوک کی کوئی حیثیت ہے، اور نہ ہی اس کی محبت کا دعویٰ صحیح۔

فنفسي كانت قبل لوامة متى … اطعها عصت او اعص كانت مطيعتي

فاردتها ما الموت ايسر بعضه … واتعبتها كيما تكون مريحتي

فعادت و مهما حملته تحملت … به مني وان خففت عنها تاذت

واذھبت فی تھذیبھا کل لذاہ — بابعادھا عن عادھا فاطمانت

ولم یبق ھول دونھا مارکبتہ — واشھد نفسی فیہ غیر زکیہ

میرا نفس لوامہ تھا جب بھی میں اس کو مطیع بناتا تو نافرمانی کرتا اور جب اس کی بات نہ مانتا تو یہ مطیع ہو جاتا، میں نے اس کو مجاہدات میں داخل کیا لیکن اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا میں نے اس کو تھکایا تاکہ مجھے راحت پہنچائے، پھر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اس پر جو بھی بوجھ ڈالتا وہ اٹھالیتا اور اگر بوجھ کو کم کرتا تو اس کو تکلیف ہوتی، اس کو مہذب بنانے کیلئے اسے ہر لذت سے بچائے رکھا۔ اور اس کو خواہشات سے دور رکھا تو مطمئن ہو گیا، اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جس سے میں دوچار ہوا ہوں۔ اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی کی گواہی نہیں دیتا۔

اسی وجہ سے شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محبت کے ان جھوٹے دعویداروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنہوں نے نہ تو دنیا کو ترک کیا، نہ ہی مجاہدہ کو اپنایا۔

آپ فرماتے ہیں:

رضوا بالامانی وابتلوا بعظوظھم — وخاضوا ابحار الحب دعوی فما ابتلوا

فھم فی السری لم یبرحوا من مکانھم — وماظعنوا فی الیسر عنہ وقد کلوا

بعض لوگ آرزوؤں سے راضی ہیں اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ محبت کے سمندر میں غوطہ زنی کا دعوی ہے لیکن ابھی تک ان کا پہلو بھی تر نہیں، رات کے سفر میں اپنی جگہ سے نہیں ہلے نہ ہی کوچ کی تیاری کی حالانکہ تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے۔

مجاہدہ سلوک کے تمام مراحل اور منازل میں بنیادی شرط ہے۔ لیکن منازل میں ترقی کے مطابق سالک کے مجاہدہ کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ اس کی مثال اس طالب علم کی سی ہے جو پہلے پرائمری کے درجہ میں داخل ہوتا ہے پھر ترقی کرکے مڈل، ہائی، انٹر اور گریجویشن تک پہنچ جاتا ہے حالانکہ پرائمری اور گریجویشن کے مدارج میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور اسی طرح برائی کا حکم دینے والے اور خواہش کی طرف مائل ہونے والے نفس اور نفس مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ کے درمیان واضح فرق ہے۔

خلاصہ کلام:

مجاہدہ صوفیائے کرام کے طریقہ کی اصل ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا ہے۔ جس نے اصل کو اپنایا، اس نے مطلوب کو پا لیا اور جس نے اصل کو ترک کر دیا وہ مطلوب سے محروم رہا۔ اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ جس کی ابتداء مجاہدہ سے نہ ہو تو اس کی انتہا روشن اور منور نہیں ہو سکتی کیونکہ ابتدا، انتہا اور انجام کیلئے دال اور مشید ہوا کرتی ہے۔

ذکر

ابتدائی مقام سے لے کر مقامِ توحید تک تمام مقامات ذکر کا ہی ثمرہ ہیں۔ اسی طرح تمام احوال و معارف جن کے حصول کیلئے سالک محنت اور کوشش کرتا ہے، وہ اسی کا ثمرہ ہیں۔ ذکر کے شجر سے ہی ان تمام ثمرات کا حصول ممکن ہے اور یہ شجر جتنا بڑا ہو گا اور اس کی جڑیں جتنی مضبوط ہوں گی اتنا ہی زیادہ ثمر بار ہو گا۔ اور یہی شجر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے جس پر ان تمام مقامات کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس طرح بنیاد پر دیوار اور دیوار پر چھت کی تعمیر ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب تک غفلت سے بیدار نہ ہو اس کیلئے ان منازلِ سلوک کا طے کرنا ممکن نہیں جس کیلئے اس کی تخلیق ہوئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo (ذاریات: ۵۶)

ترجمہ: ''اور نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

يعبدون أى: يعرفون۔

انسان ذکر کے ذریعہ ہی غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور غفلت دل کی نیند یا موت کا نام ہے۔ صوفیائے کرام نے اپنے مولیٰ کے کثرت ذکر کے حکم کی پیروی کر کے اپنی زندگیوں کو فرشتوں کی زندگیوں کی طرح بنا لیا ہے۔ ان کے دلوں میں نہ تو دنیا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی یہ دنیا انہیں محبوب سے دور کر سکتی ہے۔ وہ اپنے رب کی ہم نشینی کی وجہ سے اپنے آپ کو بھول گئے حتیٰ کہ وہ ماسوی اللہ ہر چیز سے ماوریٰ ہو گئے اور جب انہوں نے اس ذات کو پا لیا تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔

ذکرتک لا انی نسیتک لمحة   والیسر مافی الذکر ذکر لسانی

''میں نے تجھ کو دیاد کیا اس وجہ سے نہیں کہ میں بھول گیا تھا۔ اور سب سے آسان ذکر میری زبان کا ذکر ہے''۔

صوفی ہر لحظہ اپنے رب کو یاد رکھتا ہے اور اس کو ذکر کے طفیل انشراح صدر اور بالیدگی روح حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسے اپنے پروردگار کے ساتھ ہم نشینی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

اھل ذکری اھل مجالستی۔

یعنی "اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں"۔[1]

عارف وہ ہوتا ہے جو ذکر پر دوام اور ہمیشگی اختیار کرتا ہے اور اس فانی دنیا سے لطف اندوز ہونے سے اپنے دل کو پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام احوال کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جو صبر کرتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ اور جو بار بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کیلئے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔

ذکر کے معانی:

قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ میں لفظ "ذکر" کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱): کبھی تو اس لفظ سے قرآن کریم مراد ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن۔" (حجر: ۹)

ترجمہ: "بے شک ہم ہی نے اتارا اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقینًا ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

(۲): بعض اوقات اس سے نماز جمعہ مراد لیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (جمعه: ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف۔

(۳): اور کسی مقام پر لفظ "ذکر" بول کر علم مراد لیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن۔ (انبیاء: ۷)

ترجمہ: "پس (اے منکرو) پوچھو اہلِ علم سے اگر تم (خود حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے"۔

(۴): لیکن اکثر عبادات میں لفظ "ذکر" سے تسبیح و تہلیل، تکبیر اور نبی کریم ﷺ کی ذات پر درود و سلام مراد لیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] (من حديث قدسي أخرجه الإمام أحمد في مسنده)

(۱): "فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔" (نساء:۱۰۳)

ترجمہ: "جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر"۔

(۲): "یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللہَ کَثِیْرًا۔" (انفال:۴۵)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے"۔

(۳): "وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا۔" (مزمل:۸)

ترجمہ: "اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"۔

اسی طرح درج ذیل احادیث نبویہ ﷺ میں بھی ذکر سے یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان اللہ عزوجل یقول! انا مع عبدی اذا ھو ماذکرنی تحرکت بی شفتاہ۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کیلئے ہلتے ہیں"۔[1]

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے احکام کثیر ہیں کوئی ایسی چیز بتائیے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ۔

ترجمہ: "تو ہمیشہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہے"۔[2]

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ ذکر سے مراد حلال و حرام کا علم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ذکر قرآن، صلوٰۃ، علم اور ذکر اللہ میں مشترک ہے اور لفظ مشترک میں اس معنیٰ کا اعتبار ہوگا جو عرف میں غالب استعمال ہو۔ اس کے علاوہ اگر دوسرا معنی مراد لینا ہو تو لفظی یا حالی قرینہ پایا جانا ضروری ہے۔ اور لفظ ذکر کا غالب استعمال ذکر اللہ میں ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کبھی کبھی لفظ ذکر سے علم مراد ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ" (اور پوچھ لیا کرو اہلِ علم سے)۔

---

1 (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الأدب و إبن حبان فی صحیحہ و الامام أحمد فی مسندہ و الحاکم کما فی "فیض القدیر" ج ا ص ۳۰۹)

2 (رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات و قال: حدیث حسن)

اس آیت کریمہ میں ذکر سے علم اس لئے مراد لیا گیا ہے کیونکہ یہاں سوال کا قرینہ موجود ہے۔

کتاب وسنت سے دلائل

بہت سی آیات کریمہ ذکر کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں چند آیات کوذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت اپنی لاریب کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱):فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ۔(بقرہ:۱۵۲)

ترجمہ:"سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔"

(۲):"الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِم"(آل عمران:۱۹۱)

"وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر۔"

(۳):يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ٥ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلاً(احزاب:۴۰، ۴۱)

ترجمہ:"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے۔ اور اس کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔"

(۴):الذَّاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا۔(احزاب:۳۵)

ترجمہ:"اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم۔"

(۵):"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔"(آل عمران:۴۱)

"اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت۔ اور پاکی بیان کرو اس کی صبح وشام"۔

(۶):الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔(الرعد:۲۸)

ترجمہ:"جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے، دھیان سے سنو اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔"

(۷):"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا۔" (دھر:۲۵)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح وشام۔"

(۸):"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلا"(مزمل:۸)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔"

(۹):"وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَر"۔

اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

(۱۰) فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُم۔ (النساء:۱۰۳)

ترجمہ: "جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)۔"

(۱۱) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن۔

ترجمہ: "پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

(۱۲) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ (بقرہ:۱۱۴)

"اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا"۔

(۱۳) فِي بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ (نور:۳۶)

ترجمہ: "ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ کا نام۔"

(۱۴) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (المنافقون:۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا" سے مراد یہ ہے کہ وہ نمازوں کے بعد اور صبح وشام اور نیند سے بیداری کے وقت اور اپنے گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔[1]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ بندہ کثیر ذکر کرنے والوں میں اس وقت شمار ہو گا جب بیٹھتے، اٹھتے، لیٹتے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرے۔[2]

ذکر کے علاوہ تمام عبادات کی صحت کیلئے کچھ شروط ہیں لیکن ذکر، طہارت اور بغیر طہارت، قیام و قعود بلکہ تمام احوال میں جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دل اور زبان کا ذکر ہر بے وضو، جنبی، حیض ونفاس والی عورت کیلئے بھی جائز ہے اور اس ذکر سے تسبیح و تہلیل، تحمید، تکبیر اور درود وسلام اور دعا مراد ہے۔[3]

ذکر، دلوں کا صیقل اور فیوض ربانی کی چابی اور دلوں پر تجلیات کے نزول کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ سے انسان صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکر سے غفلت کی وجہ سے سالک پر غم وحزن طاری ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے

[1] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۶)
[2] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۶)
[3] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۶)

ذکر میں مشغول ہو جائے، تو وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کیونکہ ذکر خوشی و مسرت کی کلید ہے، جس طرح غفلت، غم و حزن کی کلید ہے۔

سنت:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا:

مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر ربه مثل الحی والمیت۔

"اپنے رب کا ذکر کرنے والے نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے"۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہوئے اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ کے ذکر میں پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو ندا دیتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ فرمایا وہ فرشتے اس مجلس کو اپنے پروں کے ساتھ آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا ان کا رب عزو جل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں تیری عظمت و بزرگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ عبادت و عظمت اور بزرگی کا اظہار کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں قسم بخدا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے! کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس کے طالب اور رغبت رکھنے والے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جہنم کی آگ سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس سے بھاگتے اور خوفزدہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے

---

[1] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الدعوات)

انہیں بخش دیا۔ ایک فرشتہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ فلاں آدمی تو ان میں سے نہیں ہے۔ وہ تو اپنے کسی کام کیلئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان اہلِ مجلس کا ہم نشین کبھی بدبخت نہیں ہو سکتا۔ [1]

اس حدیث پاک میں مجالسِ ذکر، اہلِ ذکر اور ذکر کیلئے اجتماع کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ ذکر کا ہم نشین بھی ان نوازشات میں شامل ہوتا ہے جن کو رب کریم اہلِ مجالس پر نازل فرماتا ہے۔ اگرچہ وہ اصل ذکر میں شامل نہ ہو لیکن اہلِ ذکر کی ہم نشینی کے باعث وہ خوش بخت بن جاتا ہے۔ کیونکہ جو کسی کی معیت اختیار کرتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت صحیح ہو تو اس کا شمار بھی انہیں میں ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا یارسول اللہ ﷺ ماریاض الجنة؟ قال حلق الذکر۔

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم باغاتِ جنت کے قریب سے گزرو، تو اس میں سے کچھ کھالیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ باغاتِ جنت سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا محافلِ ذکر۔" [2]

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیبعثن اللہ اقواما یوم القیامة فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا شھداء قال فجثی اعرابی علی رکبتیه فقال یا رسول اللہ ﷺ حلھم لنا نعرفھم قال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونه۔

یعنی "آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور وہ موتیوں کے منبروں پر براجمان ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کریں گے۔ یہ نہ تو انبیاء ہوں گے نہ ہی شہداء"۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کے ایک بدو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اور عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ ہمیں ان کا حلیہ بیان کیجئے تاکہ ہم ان کو پہچان لیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مختلف قبائل اور علاقوں سے جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے کسی راستہ سے گزر رہے تھے کہ آپ کا گزر جمدان پہاڑ کے قریب سے ہوا تو آپ نے فرمایا یہ جمدان پہاڑ ہے مفردون سبقت لے گئے عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ

---

[1] (أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الدعوات)
[2] (أخرجه الترمذی فی کتاب الدعواة وحسنه)
[3] (رواه الطبرانی بإسناد حسن کما فی "الترغیب والترھیب ۲/ ۴۰۶)

مفردون کون ہیں؟ فرمایا اللہ سے محبت کرنے والے۔ اللہ کا ذکر ان کے بوجھوں (گناہوں) کو اتار دے گا۔ اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔[1]

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ذکر کے انتہائی حریص اور مشتاق ہوتے ہیں۔ اس پر مواظبت اختیار کرتے ہیں۔ انہیں جو کچھ بھی کہا جائے۔ یا ان سے جو کچھ بھی سلوک کیا جائے۔ تو اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا انبئکم بخیر اعمالکم و ازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب والورق و خیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم؟ قالوا ابلی قال ذکر اللہ فقال معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ ما شئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

ترجمہ: ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے افضل ترین عمل کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں جو تمہارے رب کے نزدیک زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو بلند کرنے والا ہے۔ اور تمہارے سونا اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی ہاں ضرور بتایئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ عمل اللہ کا ذکر ہے“۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر عذاب خداوندی سے بچانے والی کوئی چیز نہیں۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منھم و ان تقرب الی شبرا شبرا تقربت الیہ ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا و ان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔

”میں اپنے بندہ سے ویسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو اسے میری معیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرے تو میں بھی اسی طرح اسے یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ذراع اس

---

[1] (مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)

[2] (رواہ الترمذی فی کتاب الدعاء باب ماجاء فی فضل الذکر۔ ورواہ ابن ماجہ فی ”الأدب“ باب فضل الذکر)

سے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک ذراع میرے قریب آئے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میری رحمت دوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے"۔[1]

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال! یقول اللہ یوم القیامۃ سیعلم اھل الجمع من اھل الکرم فقیل و من اھل الکرم یا رسول اللہ ﷺ! قال اھل مجالس الذکر فی المساجد۔

یعنی "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ آج تمام لوگ جان جائیں گے کہ اہلِ کرم کون ہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اہلِ کرم کون لوگ ہیں؟ تو ارشاد فرمایا مسجدوں میں محافلِ ذکر کا انعقاد کرنے والے۔"[2]

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال! ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ عز و جل لا یریدون بذلک الا وجھہ الا ناداہ منادٍ من السماء ان قوموا مغفورا لکم و قد بدلت سیئاتکم حسنات۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے جمع ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، تو آسمان سے ایک منادی ایک ندا دیتا ہے کہ تم اس مجلس سے اس حال میں اٹھو کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔"[3]

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ یقول الرب تبارک و تعالی! من شغلہ قراءۃ القرآن و ذکری عن مسئالتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔

یعنی "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے! جس شخص کو تلاوتِ قرآن اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا تو اس کو میں سوال کرنے والوں سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں"۔[4]

مثل الذکر یذکر و الذی لا یذکر مثل الحیّ و المیت۔

ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ کی مانند ہے۔

عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی ﷺ: مثل الذی یذکر ربّہ و الذی لا یذکر ربّہ مثل الحی و المیت۔

---

[1] (مسلم: کتاب الذکر، بخاری: کتاب التوحید، ترمذی کتاب الدعوات، نسائی، ابن ماجہ)

[2] (مسند امام احمد: ابو یعلی: ابن حبان فی صحیحہ: و ال بیہقی و غیرھم... الترغیب و الترھیب ج ۲ ص ۴۰۴)

[3] (مسند امام احمد بن حنبل: مجمع الزوائد: ج: ۱۰: ص: ۷۶)

[4] (ترمذی فی کتاب فضائل القرآن و قال حدیث حسن، دارمی و بیہقی)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“[1]

عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: مثل البیت الذی یذکر اللہ فیہ والبیت الذی لا یذکر اللہ فیہ مثل الحیّ والمیّت۔

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“[2]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ: انا عند ظن عبدی بی و أنا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم و ان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا و ان أتانی یمشی أتیتہ ھرولۃ۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکر خفی) کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔“[3]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ عز و جل: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معہ حین یذکرنی ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأھم خیر منھم و ان تقرب منی شبرا تقربت الیہ ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت منہ باعا و ان أتانی یمشی أتیتہ ھرولۃ۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر

---

[1] (بخاری، الصحیح ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۶، رقم ۲۳۰۳، عسقلانی، فتح الباری، ۱۱:۲۱۰، رقم:۶۰۴۴)

[2] (مسلم، الصحیح ۱:۵۳۹، رقم:۷۷۹، ابن حبان، الصحیح ۳:۱۳۵، رقم۸۵۴، ابو یعلی، المسند ۱۳:۲۹۱-۲۹۲ رقم:۷۳۰۶، رویانی، المسند، ۱:۳۱۷، رقم:۴۳۷، ابو نعیم، المسند المستخرج علی الصحیح المسلم، ۲:۳۷۲، رقم:۱۷۷۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۴:۱۴۳، رقم:۶۴۴۲، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۱، رقم ۵۳۶، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۱۷۰، رقم:۶۳۵، نووی شرح صحیح مسلم ۶:۶۸، مبارک پوری تحفۃ الاحوذی ۲:۴۳۷، عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۲:۲۵۸، رقم:۲۲۶۵)

[3] (بخاری، الصحیح ۶:۲۶۹۴، رقم:۶۹۷۰، ابو نعیم حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۹:۲۷، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۲، رقم:۲۲۸۶، صنعانی، سبل الاسلام ۴:۲۱۳، عسقلانی فتح الباری، ۱۱:۲۰۹)

کرتا ہے۔ اگر وہ دل میں میرا ذکر کرے تو میں دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں ان کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے میرے قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔"[1]

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ یقول الله د: أنا عند ظن عبد و أنا معه حین یذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه و ان اقترب الی شبرا تقربت الیه ذراعا و ان اقترب الی ذراعا اقتربت الیه باعا و ان أتانی یمشی أتیته هرولة۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے، پس اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک آئے تو میں دو ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔"[2]

عن معاذ بن أنس رضی الله تعالیٰ عنه عن أبیه قال: قال رسول الله ﷺ: قال الله تعالیٰ لا یذکرنی عبدی فی نفسه الا ذکرته فی ملأ من ملائکتی و لا یذکرنی فی ملأ الا ذکرته فی الرفیق الأعلی۔

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب بھی بندہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب وہ جماعت مین میرا ذکر کرتا ہے تو میں رفیقِ اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔"[3]

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ فیما یحکی عن الله د قال الکبریاء ردائی و العظمة ازاری فمن نازعنی فی واحدة منهما قذفته فی النار و من اقتربت منه باعا و من جاءنی یمشی جئته اهرول و من جاءنی یهرول جئته اسعی و من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و من ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملأ أکثر منهم و أطیب۔

---

[1] (مسلم، الصحیح ۲۰۶۱:۴، رقم: ۲۶۷۵، نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۱۲:۴، رقم: ۷۷۳۰، احمد بن حنبل، المسند، ۴۱۳:۲، رقم: ۹۳۴۰)

[2] (مسلم، الصحیح ۲۰۶۷:۴، رقم: ۲۶۷۵، ترمذی، الجامع الصحیح ۵۸۱:۵، رقم ۳۶۰۳، ابن ماجه، السنن ۱۲۵۵:۲، رقم: ۳۸۲۲، احمد بن حنبل، المسند، ۲۵۱:۲، رقم: ۷۴۱۶)

[3] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸۲:۲۰، رقم: ۳۹۱، هیثمی، مجمع الزوائد ۷۸:۱۰، منذری، الترغیب والترهیب، ۲۵۲:۲، رقم ۲۲۸۷، هندی، کنزل العمال، ۴۲۰:۱، رقم: ۱۷۹۶، ۴۳۲:۱، رقم: ۱۸۶۷، سیوطی، الدرر المنثور، ۱۴۹:۱۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بڑائی میری کملی ہے اور بزرگی میری چادر ہے، پس جو کوئی ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑا کرے گا تو میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہوا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دو بازو پھیلانے کے برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آئے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو دل میں میرا ذکر کرے میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو جماعت میں میرا ذکر کرے میں اس کی جماعت سے زیادہ بڑی اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔“[1]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: قال اللہ عز و جل عبدی عند ظنه بی و أنا معه اذا دعانی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم و أطیب و ان تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا و ان تقرب ذراعا تقربت باعا و ان أتانی یمشی اتیته هرولة۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ اپنے گمان کے مطابق میرے ساتھ ہوتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرے تو میں بھی اس کی جماعت سے بہتر اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور جب میرا بندہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔“[2]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عز و جل: یقول: انا عند ظن عبدی بی و أنا معه حین یذکرنی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر من ملئه الذی یذکرنی فیه و ان تقرب العبد منی شبرا تقربت منه ذراعا و ان تقرب منی ذراعا تقربت منه باعا و اذا جاءنی یمشی جئته اهرول له المن و الفضل۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی اس جماعت

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۶، رقم: ۳۲۸، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۵۴، رقم: ۸۶۳۵، ۲:۴۰۵، ۹۲۴۳، ابن أبی شیبه، المصنف، ۶:۶۱، رقم: ۲۹۴۷۹)
[2] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۸۰، رقم: ۱۰۲۲۹)

سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، کہ جس میں اس نے میرا ذکر کیا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں فضل و احسان کے ساتھ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"[1]

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: قال اللہ جل و علا عبدی عند ظنہ بی و أنا معہ اذا دعانی ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ و اطیب۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ میرے گمان کے مطابق ہوتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کی جماعت سے بہتر اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔"[2]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ تبارک و تعالیٰ: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معہ حیث یذکرنی ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم و ان تقرب منی ذراعا تقربت منہ باعا و ان أتانی یمشی أتیتہ ھرولۃ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوتا ہوں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں کہیں وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ تعالیٰ عبدی اذا ذکرتنی خالیا ذکرتک خالیا، و ان ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر منھم و أکثر۔

---

[1] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۸۲، رقم: ۱۰۲۵۸)
[2] (ابن حبان، الصحیح ۳:۹۵، رقم: ۸۱۲)
[3] (ابن حبان، الصحیح ۳:۹۳، رقم: ۸۱۱)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندے! جب تو تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی تنہائی میں تیرا ذکر کرتا ہوں اور اگر تو جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر اور بڑی جماعت میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔“[1]

عن ثابت: قال: قال أبو عثمان النهدی أنی لأعلم حین یذکرنی ربی۔ قالوا: وکیف ذالک؟ قال: ان اللہ یقول: فاذکرونی أذکرکم، فاذا ذکرت ذکرنی۔

”حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو عثمان نہدی نے کہا کہ مجھے معلوم ہے جس وقت میرا رب میرا ذکر کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، پس جب میں اس کا ذکر کرتا ہوں وہ میرا ذکر کرتا ہے۔“[2]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد فقال۔۔۔ ان رسول اللہ ﷺ خرج علی حلقۃ من أصحابہ فقال: ما أجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ و نحمدہ علی ما ھدانا للاسلام و منّ بہ علینا قال: اللہ ما أجلسکم الا ذاک قالوا: و اللہ ما أجلسنا الا ذاک، قال: أما انی لم استحلفکم تھمۃ لکم ولکنہ أتانی جبریل فأخبرنی أن اللہ ل یباھی بکم الملائکۃ۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں ایک حلقے کے پاس آئے اور کہا:۔۔۔ رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آپ کس لئے بیٹھے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہم اللہ کا ذکر کرنے اور اس نے جو ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرما کر احسان فرمایا ہے، اس پر اس کا شکر بجالانے کے لئے بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حلفاً کہتے ہو کہ تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہمیں صرف اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے کسی شبہ کی بنا پر حلف نہیں لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آکر مجھے بتایا ہے کہ اللہ ل فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے۔“[3]

عن محمد بن کعب أن نفرا کانوا فی عھد معاویۃ یشھدون الفجر ویجلسون عند قاص الجماعۃ فاذا سلم تحولوا الی ناحیۃ المسجد فیذکرون اللہ ویتلونا کتاب اللہ حتی یتعالی النھار فأخبر معاویۃ بھم فجاء یھرول أو یسعی فی مشیتہ حتی وقف علیھم فقال جئت ابشرکم ببشری اللہ فیما رزقکم أن نفرا علی عھد رسول اللہ ﷺ أحسبہ قال

---

[1] (بیہقی، شعب الایمان ۱:۴۰۶، رقم: ۵۵۱، منذری الترغیب والترھیب ۲:۲۵۲، رقم: ۲۲۸۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

[2] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۲۰۶، رقم: ۳۵۳۶۷، بیہقی، شعب الایمان، ۲:۵۱، رقم: ۱۱۳۸، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء ۲:۳۲۴، مزی، تہذیب الکمال ۱۷:۴۲۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۷:۹۸)

[3] (مسلم، الصحیح ۴:۲۰۷۵، رقم: ۲۷۰۱، ترمذی السنن ۵:۴۶۰۰، رقم: ۳۳۷۹، نسائی السنن ۸:۴۲۹، رقم: ۵۴۲۶، احمد بن حنبل، المسند ۴:۹۲، ابن حبان، الصحیح ۳:۹۵، رقم: ۸۱۳، ابن ابی شیبہ المصنف ۶:۵۹، رقم: ۲۹۴۶۹، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹:۳۱۱، رقم: ۷۰۱، منذری، الترغیب والترھیب ۲:۲۵۹، رقم: ۲۳۱۷)

كانوا يصنعون نحوا مما تصنعون فأقبل رسول الله ﷺ كأني أحكيه في مشيته حتى وقف عليهم فقال أبشروا والذي نفسي بيده ان الله ليباهي بكم الملائكة۔

”حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں کچھ لوگ نماز فجر میں حاضر ہوتے اور جماعت کے ایک طرف بیٹھ جاتے۔ جب امام سلام پھیر تا تو یہ مسجد کے کونے میں چلے جاتے اور اللہ کا ذکر اور کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بارے میں بتایا گیا (پس) وہ دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہیں اس چیز کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارزانی فرمائی ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں کچھ لوگ آپ کی طرح عمل کرتے تھے پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: خوش ہو جاؤ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ملائکہ کے سامنے فخر فرما رہا ہے!“[1]

عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال صلينا مع رسول الله ﷺ المغرب فرجع من رجع وعقب من عقب فجاء رسول الله ﷺ مسرعا قد حفزه النفس وقد حسر عن ركبتيه فقال أبشروا هذا ربكم قد فتح بابا من أبواب السماء يباهي بكم الملائكة يقول انظروا الى عبادي قد قضوا فريضة وهم ينتظرون أخرى۔

”حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، جو جانے والے تھے چلے گئے، جو بیٹھنے والے تھے وہ بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ اس تیزی سے تشریف لائے کہ آپ ﷺ کا سانس مبارک پھولا ہوا تھا اور گھٹنہ مبارک سے کپڑا ذرا اونچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ! یہ تمہارا رب ہے! اس نے آسمان کا ایک دروازہ کھول دیا ہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے اور فرما رہا ہے: میرے بندوں کو دیکھو ایک فرض (نماز) ادا کرنے کے بعد دوسرے فرض کا انتظار کر رہے ہیں۔“[2]

حسن بن موسى حدثنا عبد الله بن عمرو بن العاص وأنا أحدثك عن النبي ﷺ صلينا مع النبي ﷺ ذات ليلة فعقب من عقب ورجع من رجع فجاء رسول الله ﷺ قبل ان يثوب الناس بصلاة العشاء فجاء وقد حفزه النفس رافعا أصبعه هكذا وعقد تسعا وعشرين وأشار بأصبعه السبابة الى السماء وهو يقول أبشروا معشر المسلمين هذا ربكم قد فتح بابا من أبواب السماء يباهي بكم الملائكة يقول يا ملائكتي انظروا الى عبادي هؤلاء أدوا فريضة وهم ينتظرون أخرى۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۴۰، رقم: ۷۸۸)

[2] (ابن ماجه، ۱: ۲۶۲، رقم ۸۰۱، ابو نعیم حلیة الاولیاء، ۶: ۵۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۱: ۱۷۲، رقم ۶۴۶، کنانی، مصباح الزجاجه، ۱: ۹۰۲، رقم ۳۰۳، شوکانی، نیل الاوطار، ۲: ۵۴)

”حضرت حسن بن موسیٰ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک رات نماز ادا کی۔ جس نے بیٹھنا تھا وہ بیٹھ گیا اور جسے جانا تھا وہ چلا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نمازِ عشاء کے لئے واپسی سے پہلے تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا سانس مبارک پھولا ہوا تھا اور اپنی انگلی کو اس طرح اٹھائے ہوئے تھے۔۔۔اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔۔۔اور آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کی جماعت خوش ہو جاؤ، یہ تمہارا رب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرمارہا ہے اور فرمارہا ہے: اے میرے ملائکہ! میرے ان بندوں کی طرف دیکھو جنہوں نے ایک فریضہ ادا کر لیا ہے اور وہ دوسرے فریضے کے انتظار میں ہیں۔“[1]

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلینا مع رسول اللہ ﷺ ذات لیلۃ فرجع من رجع وعقب من عقب فجاء رسول اللہ ﷺ قبل أن یثوب العشاء فقال أبشروا أبشروا ھذا ربکم تبارک وتعالیٰ قدفتح بابا من ابواب السماء یباھی بکم الملائکۃ یقول انظروا الی عبادی قضوا فریضۃ وھم ینتظرون اخری۔

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جسے جانا تھا وہ چلا گیا اور جس نے بیٹھنا تھا وہ بیٹھ گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ وقتِ عشاء سے پہلے تشریف لائے اور فرمایا: خوش ہو جاؤ! خوش ہو جاؤ! یہ تمہارا رب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا ہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرمارہا ہے اور ارشاد فرمارہا ہے کہ دیکھو! یہ میرے بندے ہیں جنہوں نے ایک فریضہ مکمل کر لیا ہے اور دوسرے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“[2]

عن أبی أیوب: أن نوفا وعبداللہ بن عمرو یعنی ابن العاص اجتمعا فقال نوف: لو ان السماوات والأرض وما فیھا وضع فی کفۃ المیزان ووضعت لا الہ الا اللہ فی الکفۃ الأخری لرجحت بھن ولو أن السماوات والأرض وما فیھن کن طبقا من حدید فقال رجل لا الہ الا اللہ لخرقتھن حتی تنتھی الی اللہ ل فقال عبداللہ بن عمرو صلینا مع رسول اللہ ﷺ المغرب فعقب من عقب ورجع من رجع فجاء ﷺ وقد کاد یحسر ثیابہ عن رکبتیہ فقال أبشروا معشر المسلمین ھذا ربکم قدفتح بابا من أبواب السماء یباھی بکم الملائکۃ یقول ھؤلاء عبادی قضوا فریضۃ وھم ینتظرون اخریٰ۔

”حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نوف اور حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص اکٹھے ہوئے، حضرت نوف نے کہا: اگر آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ رکھ دیا جائے تو دوسرا پلڑا ان سب سے بھاری ہو جائے گا اور اگر آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے یہ سب لوہے

[1] (احمد بن حنبل، المسند، ۲۰۸:۲)

[2] (بزار، المسند، ۳۵۷:۶، رقم: ۳۳۶۵)

کے طبق ہوتے اور بندہ لا الہ الا اللہ کہتا تو یہ ان سب کو پھاڑ کر اللہ تک پہنچ جاتا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز مغرب ادا کی پس جس نے بیٹھنا تھا بیٹھ گیا اور جسے جانا تھا چلا گیا۔ پھر حضور ﷺ تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے دونوں گھٹنوں کا کپڑا ذرا اونچا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت خوش ہو جاؤ، یہ تمہارا رب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا ہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کر رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ یہ میرے بندے ہیں جنھوں نے ایک فریضہ مکمل کر لیا ہے اور دوسرے کے انتظار میں ہیں۔''[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الله يباهی باهل عرفات أهل السماء فيقول لهم أنظروا الی عبادی جاءونی شعثا غبرا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آسمان والوں کے سامنے عرفات میں جمع ہونے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کی طرف دیکھو کہ وہ میرے پاس پراگندہ اور غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں۔''[2]

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا كان يوم عرفة ان الله ينزل الی السماء فيباهی بهم الملائكة فيقول انظروا الی عبادی أتونی شعثا غبرا ضاحين من كل فج عميق أشهد كم انی قد غفرت لهم فتقول له الملائكة ای رب فيهم فلان يزهو و فلان و فلان قال يقول الله قد غفرت لهم قال رسول الله ﷺ: فما من يوم أكثر عتيقا من النار من يوم عرفة۔

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرفہ والے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے: میرے ان بندوں کو ذرا دیکھو کہ میری طرف پراگندہ حال اور غبار آلود بال لئے ہوئے صبح کے وقت مختلف گہری گھاٹیوں سے آئے ہیں۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں: باری تعالیٰ! ان میں تو فلاں فلاں متکبر شخص بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یوم عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں جس دن اتنے زیادہ لوگ آگ سے آزاد کئے جاتے ہوں۔''[3]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ان لله ملائكة يطوفون فی الطرق يلتمسون أهل الذكر، فاذا وجدوا قوما يذكرون الله، تنادوا: هلموا الی حاجتكم۔۔۔الی آخر الحديث۔

---

[1] (احمد بن حنبل، المسند ۲:۱۸۶، رقم: ۶۷۵۰، ابن خزیمہ الصحیح، ۴:۲۶۳، رقم: ۲۸۳۹)
[2] (ابن خزیمہ الصحیح ۴:۲۶۳، رقم: ۲۸۳۹)
[3] (ابن خزیمہ، الصحیح، ۴:۲۶۳، رقم: ۲۸۴۰)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔“[1]

عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان اللہ تبارک و تعالیٰ ملائکة سیارة فضلا یتبعون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیہ ذکر قعدوا معھم۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔“[2]

عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أو عن أبی سعید قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ ملائکة سیاحین فی الأرض، فضلا عن کتاب الناس، فاذا وجدوا أقواما یذکرون اللہ تنادوا: ھلموا الی بغیتکم۔ الخ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ“۔[3]

عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: ان اللہ ملائکة سیارة و فضلاء یلتمسون مجالس الذکر فی الأرض الخ۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں، زمین پر مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔“[4]

عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکة سیارة فضلا یلتمسون مجالس الذکر ۔۔۔الی آخر الحدیث۔

---

[1] (بخاری، الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح ۳:۱۳۹، رقم:۸۵۷، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم:۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۶)

[2] (مسلم الصحیح، ۴:۲۰۶۹، احمد بن حنبل المسند، ۲:۲۵۲، رقم:۷۴۲۰، ۲:۳۸۲، رقم:۸۹۶۰، منذری الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۹، رقم:۲۳۱۶، ۴:۲۴۴، رقم:۵۵۲۳)

[3] (ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۵۷۹، رقم:۳۶۰۰)

[4] (حاکم المستدرک ۱:۶۷۲، رقم:۱۸۲۱)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ زمین میں گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔ الخ۔“[1]

عن أنس عن النبی ﷺ قال: ان للہ الملائکۃ یطلبون حلق الذکر۔۔۔ الی آخر الحدیث۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے حلقاتِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔ الخ۔“[2]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انھما شھدا علی النبی ﷺ انہ قال: لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ و غشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللہ فی من عندہ۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں فرماتا ہے۔“[3]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون أھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ، تنادوا: ھلموا الی حاجتکم، قال: فیحفونھم بأجنحتھم الی السماء الدنیا۔۔۔ الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہلِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ ارشاد فرمایا: پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔“[4]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان للہ تبارک و تعالیٰ ملائکۃ سیارۃ فضلا یتبعون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیہ ذکر قعدوا معھم، و حف بعضھم بعضا بأجنحتھم حتی یملؤا ما بینھم و بین السماء الدنیا۔۔۔ الی آخر الحدیث۔

---

[1] (طیالسی، المسند، ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

[2] (ہیثمی مجمع الزوائد، ۱۰:۷۷، منذری، الترغیب والترہیب ۲:۲۶۰، رقم: ۲۳۲۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۶)

[3] (مسلم، الصحیح ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰، ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۴۵۹، رقم: ۳۳۷۸، بن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۴۵، رقم: ۳۷۹۱، ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۶۰، رقم: ۲۹۴۷۵، طبرانی المعجم الاوسط، ۲:۱۳۷، رقم: ۱۵۰۰، احمد بن حنبل، المسند ۳:۹۲، رقم: ۱۱۸۹۳، طیالسی، المسند، ۱:۲۹۵، رقم: ۲۲۳۳، ۱:۳۱۴، رقم: ۲۳۸۶، ابو یعلی، المسند، ۲:۴۴۴، رقم: ۱۲۵۲، ۱۱:۲۰، رقم: ۶۱۵۹، ۱۱:۲۱، رقم: ۶۱۶۰، عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۷۲، رقم: ۸۶۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۰، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۲۶۲، رقم: ۲۳۲۸)

[4] (بخاری، الصحیح ۵:۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح ۳:۱۳۹، رقم: ۸۵۷، بیہقی شعب الایمان ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، منذری الترغیب والترہیب ۲:۲۵۸، رقم: ۲۳۱۶)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور بعض فرشتے اپنے پروں سے دوسرے فرشتوں کو ڈھانپ لیتے ہیں حتیٰ کہ زمین سے لے کر آسمانِ دنیا تک کی جگہ بھر جاتی ہے۔“[1]

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أو عن أبی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان لله ملائكة سیاحین فی الأرض، فضلا عن كتاب الناس، فاذا وجدوا اقواما یذكرون الله تنادوا: هلموا الی بغیتكم فیجیون فیحفون بهم الی سماء الدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ چنانچہ وہ آتے ہیں اور اہل مجلس کو آسمان دنیا تک ڈھانپ لیتے تھے۔“[2]

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ قال: ان لله ملائكة سیارة و فضلاء یلتمسون مجالس الذكر فی الأرض، فاذا أتوا علی مجلس ذكر حف بعضهم بعضا بأجنحتهم الی السماء۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ (ایک خاص مقصد کے لئے) گھومتے رہتے ہیں (اور) زمین پر مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب وہ کسی محفلِ ذکر میں آتے ہیں تو ایک دوسرے کو پروں کے ذریعے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔“[3]

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملائكة سیارة فضلا یلتمسون مجالس الذكر، فاذا اتوا علی قوم یذكرون الله جلسوا فاظلوهم باجنحتهم ما بینهم و بین السماء الدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس آتے ہیں تو وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اوپر آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔“[4]

---

[1] (مسلم الصحیح ۲۰۵۹:۴، رقم: ۲۶۸۹، احمد بن حنبل المسند ۲۵۲:۲، رقم: ۷۴۲۰، ۳۸۲:۲، رقم: ۸۹۶۰، منذری الترغیب والترهیب، ۲۵۹:۲، رقم: ۲۳۱۶، ۲۴۴:۴، رقم: ۵۵۲۳)

[2] (ترمذی، الجامع الصحیح ۵۷۹:۵، رقم: ۳۶۰۰)

[3] (حاکم، المستدرک، ۶۷۲:۱، رقم: ۱۸۲۱)

[4] (طیالسی، المسند: ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

عن أنس عن النبی ﷺ قال: ان للہ المائکۃ یطلبون حلق الذکر فاذا حفوا علیھم۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے حلقاتِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں، جب وہ ان کے پاس آتے ہیں تو انہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔“[1]

عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ فضلا عن کتاب الناس یمشون فی الطرق یلتمسون الذکر فاذا راوا اقوا مایذکرون اللہ تبارک وتعالیٰ تنادوا اھلموا الی حاجاتکم فیحفون باجنحتھم الی السماء فیسالھم ربّھم جل و علا وھو اعلم بھم فیقول عبادی ما یقولون فیقولون کیف لو راونی فیقولون لو راوک لکانوا اشد تسبیحا وتمجیدا وتکبیرا وتحمیدا فیقول ماذا یسالون فیقولون یسالونک یا رب الجنۃ فیقول لھم ھل راوھا فیقوون لا فیقول کیف لو راوھا فیقولون لو قدراوھا کانوا اشد طلبا و اشد حرصا فیقول فمم یتعوذون فیقولون یتعوذون بک من النار فیقول فھل راوھا فیقولون لا فیقول کیف لو راوھا فیقولون لو قدراوھا کانوا اشد تعوذا فیقول فانی اشھد کم انی قد غفرت لھم۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے اعمال لکھنے پر مامور کئے گئے (کراماً کاتبین) کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو راستوں میں چلتے ہیں اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں جب وہ اہل ذکر کو دیکھتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ پھر وہ آسمان تک ان پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ پھر ان سے انکارب پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے، ”میرے بندے کیا کہتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ آپ کی پاکی اور آپ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟“ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کی حالت کیا ہو؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی بہت زیادہ تسبیح کریں اور بزرگی اور بڑائی اور تعریف کریں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”وہ کیا مانگتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی شدید طلب اور حرص کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ کی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟“ وہ عرض کرتے

[1] (ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۷، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۰، رقم: ۲۳۲۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۶)

ہیں کہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے: "اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟" تو وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو وہ بہت زیادہ پناہ مانگیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔"[1]

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أو عن أبی سعيد رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائكة سياحين فی الأرض، فضلا عن كتاب الناس، فاذا وجدوا اقواما يذكرون اللہ تنادوا: هلموا الی بغيتكم فيجيئون فيحفون بهم الی سماء الدنياء فيقول اللہ: أی شئ تركتم عبادی يصنعون؟ فيقولون: تركناهم يحمدونک ويمجدونک ويذكرونک قال: فيقول: فهل رأونی؟ فيقولون: لا، فيقول: فكيف لو رأونی؟ قال: فيقولون: لو رأوک لكانوا أشد تحميدا وأشد تمجيدا وأشد لک ذكرا، قال: فيقول: وأی شئ يطلبون؟ قال: فيقولون: يطلبون الجنة، قال: فيقول: وهل رأوها؟ قال: فيقولون: لا، فيقول لو رأوها؟ قال: فيقولون: لو راؤها لكانوا أشد لها طلبا، قال فيقول: فمن أی شئ يتعوذون؟ قالوا: يتعوذون من النار، قال: فيقول، وهل رأوها؟ فيقولون: لا، فيقول: فكيف لو رأوها؟ فيقولون: لو رأوها لكانوا امنها أشد هربا، وأشد منها خوفا، وأشد منها تعوذا، قال: فيقول: فانی أشهدكم انی قد غفرت لهم، فيقولون: ان فيهم فلانا الخطاء، لم يردهم انما جاءهم لحاجة، فيقول: هم القوم لا يشقی لهم جليس۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ چنانچہ وہ آتے ہیں اور اہل مجلس کو آسمانِ دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑ آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے آپ کے بندوں کو اس حال پر چھوڑا کہ وہ آپ کی حمد اور پاکیزگی بیان کر رہے تھے اور آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو کہیں زیادہ آپ کی تعریف اور بزرگی اور کہیں زیادہ آپ کا ذکر کریں۔ اللہ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جنت مانگتے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی شدید طلب اور حرص کرتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۷، ۱۳۸، رقم: ۸۵۶)

زیادہ بھاگتے، ڈرتے، اور پناہ مانگتے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ وہ عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں آدمی بہت گناہ گار ہے۔ وہ ذکر سننے کے لئے نہیں بلکہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بھی محروم وبدبخت نہیں رہتا۔‘‘[1]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ ﷺ قال: یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة بالنھار، ویجتمعون فی صلاۃ الفجر وصلاۃ العصر، ثم یعرج الذین یأتوا فیکم فیسألھم ربھم وھو أعلم بھم: کیف ترکتم عبادی؟فیقولون: وھم یصلون، وأتیناھم وھم یصلون۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’رات اور دن کے فرشتے تم میں باری باری آتے ہیں اور نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں، پھر جو تمہارے پاس آئے تھے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان کے حال کو خوب جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔‘‘[2]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا: ھلموا الی حاجتکم قال: فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا قال: فیسألھم ربھم وھو اعلم منھم ما یقول عبادی؟ قال: تقول: یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجدونک، قال: فیقول: ھل رأونی؟ قال فیقولون: لا واللہ ما رأوک، قال فیقول: وکیف لو رأونی؟ قال: یقولون لو رأوک کانوا اشد لک عبادۃ وأشد لک تمجیدا واکثر تسبیحا، قال: یقول: فما یسألونی؟ قال: یسألونک الجنة، قال: یقول: وھل رأوھا؟ قال: یقولون: لا واللہ یارب ما رأوھا، قال یقول: فکیف لو أنھم رأوھا؟ قال یقولون: لو أنھم رأوھا کانوا اشد علیھا حرصا واشد لھا طلبا واعظم فیھا رغبة قال: فمم یتعوذون؟ قال: یقولون: من النار، یقول: وھل رأوھا؟ قال: یقولون: لا واللہ یا رب ما رأوھا، قال یقول: فکیف لو رأوھا؟ قال: یقولون: لو رأوھا کانوا اشد منھا فرارا وأشد لھا مخافة، قال: فیقول: فأشھدکم انی قد غفرت لھم، قال: یقول ملک من الملائکة: فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجة، قال: ھم الجلساء لا یشقی بھم جلیسھم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ ارشاد فرمایا کہ پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر

---

[1] (ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۵۷۹، رقم: ۳۶۰۰)

[2] (بخاری، الصحیح، ۱:۲۰۳، رقم: ۵۳۰، مسلم، الصحیح، ۱:۴۳۹، رقم: ۶۳۲)

اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں، پھر ان سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ وہ تیری پاکی، بڑائی، تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: خدا کی قسم! آپ کو تو انہوں نے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کی کیا حالت ہو گی؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی بہت زیادہ عبادت کریں، آپ کی بہت زیادہ بزرگی بیان کریں، اور آپ کی بہت زیادہ تسبیح کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں، وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: اے پروردگار! خدا کی قسم انہوں نے اسے بھی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی بہت زیادہ حرص، بہت زیادہ طلب اور بہت زیادہ رغبت رکھتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: دوزخ سے۔ وہ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: خدا کی قسم، انہوں نے اسے بھی نہیں دیکھا۔ وہ فرماتا ہے: اگر اسے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر انہوں نے اسے دیکھا ہوتا تو اور زیادہ بھاگتے اور زیادہ ڈرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: گواہ رہنا میں نے انہیں بخش دیا۔ کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں شخص ایسا بھی تھا جو (محض) اپنے کسی کام سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ان کے پاس تو بیٹھا ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے محروم نہیں رہتے۔"[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: ان لله تبارک و تعالیٰ ملائكة سيارة فضلا يتبعون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم و حف بعضهم بعضا بأجنحتهم حتی يملؤا ما بينهم و بين السماء الدنيا۔ فاذا تفرقوا عرجوا و صعدوا الی السماء قال: فيسألهم الله عز و جل و هو أعلم بهم: من أين جئتم؟ فيقولون: جئنا من عند عباد لک فی الارض، يسبحونک و يكبرونک و يهللونک و يحمدونک و يسئلونک قال: و ما ذا يسألونی؟ قالوا: يسألونک جنتک قال: و هل رأوا جنتی؟ قالوا: لا أی رب! قال: فكيف لو رأوا جنتی؟ قالوا: و يستجيرونک، قال: و مم يستجيرونی؟ قالوا: من نارک يا رب! قال: و هل رأوا ناری؟ قالوا: لا، قال: فكيف لو رأوا ناری؟ قالوا: و يستغفرونک، قال: فيقول، قد غفرت لهم فأعطيتهم ما سألوا و أجرتهم مما استجاروا۔ قال: فيقولون: رب! فيهم فلان، عبد خطاء، انما مر مجلس معهم قال: فيقول: و له غفرت هم القوم لا يشقی بهم جليسهم۔

---

[1] (بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح، ۳: ۱۳۹، رقم: ۸۵۷، بیہقی، شعب الایمان، ۱: ۳۹۹، رقم: ۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۴۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۲۵۸، رقم: ۲۳۱۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو مجالسِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ان مجالسِ ذکر کو پا لیتے ہیں تو اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ زمین سے لے کر آسمانِ دنیا تک کی جگہ بھر جاتی ہے۔ جب وہ مجلس ذکر سے اٹھ جاتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں، پھر ان سے ان کا رب پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم زمین پر آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں، جو آپ کی تسبیح کر رہے تھے، آپ کی کبریائی بیان کر رہے تھے، آپ کی تہلیل کر رہے تھے اور آپ کی حمد بیان کر رہے تھے اور آپ سے مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ سے آپ کی جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، اے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ میری جنت کو دیکھ لیں تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اور وہ آپ کی پناہ طلب کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے میری پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! آپ کی دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ سے مغفرت طلب کر رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ان کو بخش دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا وہ میں نے ان کو عطا کر دیا اور جس چیز سے انہوں نے پناہ مانگی ہے اس سے میں نے ان کو پناہ دے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں گنہگار شخص بھی تھا، وہ اس مجلس کے پاس سے گزر رہا تھا اور ان کے ساتھ ویسے ہی بیٹھ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اس کو بھی بخش دیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں کیا جاتا۔“[1]

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: ان للہ ملائکۃ سیارۃ فضلاء یلتمسون مجالس الذکر فی الأرض فاذا أتوا علی مجلس ذکر حف بعضھم بعضا بأجنحتھم الی السماء فیقول تبارک وتعالیٰ: من این جئتم؟ وھو اعلم، فیقولون: ربنا جئنا من عند عباد ک یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویھللونک ویسألونک ویستجیرونک، فیقول: ما یسألوننی وھو أعلم فیقولون ربنا یسألونک الجنۃ فیقول وھل رأوھا فیقولون لا یا رب فیقول کیف لو رأوھا فیقول وممَّ یستجروننی وھو اعلم فیقولون من النار فیقول ھل رأوھا فیقولون لا فیقول فکیف لو

[1] (مسلم الصحیح، ۴:۲۰۶۹، رقم: ۲۶۸۹، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۵۲، رقم: ۷۴۲۰، ۲:۳۸۲، رقم: ۸۹۶۰، منذری الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۹، رقم: ۲۳۱۶، ۴:۲۴۴، رقم: ۵۵۲۳)

رأوھا ثم یقول اشھدوا انی قد غفرت لھم واعطیتھم ما سالونی واجرتھم مما استجارونی فیقولون ربنا ان فیھم عبدا خطاء جلس الیھم ولیس معھم فیقول وھو ایضا قد غفرت لہ ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

”اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں زمین پر، مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب وہ کسی مجلسِ ذکر میں آتے ہیں تو ایک دوسرے کو پروں کے ذریعے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ اس کو ان سے زیادہ علم ہے، کہاں سے آرہے ہو؟ تو ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح، تکبیر، تحمید اور تہلیل کر رہے تھے اور آپ سے سوال کر رہے تھے اور آپ کی پناہ مانگ رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! وہ آپ سے جنت کا سوال کر رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! نہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے: اور وہ کس چیز سے میری پناہ مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: (دوزخ کی) آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: گواہ رہو کہ میں نے ان کی بخشش فرمادی، اور جس چیز کا انہوں نے مجھ سے سوال کیا تھا میں نے انہیں عطا فرمادی اور انہوں نے جس چیز کے شر سے میری پناہ مانگی میں نے انہین اس چیز سے پناہ دی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! ان میں ایک بہت گناہ گار بندہ بھی تھا جو ان کے ساتھ جا بیٹھا تھا حالانکہ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا بھی محروم اور بدبخت نہیں ہوتا۔“[1]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیارۃ فضلا یلتمسون مجالس الذکر فاذا اتوا علی قوم یذکرون اللہ عزوجل جلسوا فاظلوھم باجنحتھم ما بینھم وبین السماء الدنیا فاذا قاموا عرجوا الی ربھم فیقول تبارک وتعالیٰ وھو اعلم من این جئتم فیقولون جئنا من عند عباد لک یسبحونک ویمجدونک ویحمدونک ویھللونک ویکبرونک ویستجیرونک من عذابک ویسألونک جنتک فیقول تبارک وتعالیٰ وھل راوا جنتی وناری فیقولون لا فیقول فکیف لو رأوھما قال فیقول اشھدکم فقد اجرتھم مما استجاروا واعطیتھم ما سالوا فیقال ان فیھم رجلا مر بھم فقعد معھم فیقول ولہ قد غفرت انھم قوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

---

[1] (حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۲، رقم: ۱۸۲۱)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب وہ اہل ذکر کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اوپر آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ جب اہل ذکر اٹھتے ہیں تو ملائکہ اپنے رب کے پاس واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے فرماتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے، تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح، بزرگی، تعریف، تہلیل اور تکبیر میں مصروف تھے اور آپ کے عذاب سے آپ کی پناہ مانگ رہے تھے اور آپ سے آپ کی جنت کا سوال کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اور کیا انہوں نے میری جنت و دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ انہوں نے جس چیز سے میری پناہ مانگی تھی میں نے انہیں اس سے پناہ دے دی اور جس چیز کا سوال کیا تھا وہ بھی انہیں عطا فرمادی۔ کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو وہاں سے گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ وہ ایسے (بابرکت) لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم اور بدبخت نہیں رہتا۔“[1]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ سئل: أی العباد أفضل درجة عند اللہ یوم القیامة؟ قال: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ قلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! ومن الغازی فی سبیل اللہ؟ قال: لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر، ویختضب دما لکان الذاکرون اللہ أفضل۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں افضل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں ہیں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں پر اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں افضل ہیں۔“[2]

---

[1] (طیالسی، المسند: ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

[2] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۸، رقم: ۳۳۷۶، احمد بن حنبل، المسند ۳:۷۵، رقم: ۱۱۷۳۸، ابو یعلی، المسند، ۲:۵۳۰، رقم: ۱۴۰۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۴، منذری الترغیب والترھیب ۲:۲۵۴، رقم: ۲۲۹۶، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۴۸۹)

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما عمل ابن آدم عملا أنجی لہ من النار من ذکر اللہ۔ قالوا: یا رسول اللہ ﷺ ولا الجہاد فی سبیل اللہ؟ قال: ولا الجہاد فی سبیل اللہ عملا بسیفک حتی ینقطع، ثم عملا بسیفک من ینقطع، ثم عملا بہ حتی ینقطع۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے زیادہ آگ سے نجات دینے والا نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ بھی؟ فرمایا: اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں اگرچہ تو اس حد تک قتال کرے کہ تیری تلوار ٹوٹ جائے، پھر تو اپنی تلوار کے ساتھ قتال کرے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے، تو پھر یہی عمل کرے یہاں تک کہ تیری تلوار ٹوٹ جائے۔“[1]

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ما عمل آدمی عملا أنجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔ قالوا: یا أبا عبد الرحمٰن! ولا الجہاد فی سبیل اللہ ل؟ قال: ولا الی أن یضرب بسیفہ حتی ینقطع لأن اللہ ل یقول فی کتابہ: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں۔ لوگوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی؟ فرمایا: نہیں اگرچہ وہ اپنی تلوار اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔“[2]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذکر اللہ الغداوۃ و العشی أعظم من حطم السیوف فی سبیل اللہ و اعطاء المال سحا۔

حضرت عبد الرحمن بن عَمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”صبح وشام اللہ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواروں کے توڑنے اور مال کے بے دریغ خرچ کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔“[3]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لذکر اللہ فی الغداوۃ و العشی خیر من حطم السیوف فی سبیل اللہ۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صبح وشام اللہ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلوار کے توڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔“[4]

---

[1] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ج٦ ص٥٧، رقم ٢٩٤٥٢، ابن ابی شیبہ، المصنف، ج٧ص ١٦٩، رقم٣٥٠٤٦، عبد بن حمید، المسند، ج١ ص٧٣، رقم:١٢٧، ابن عبد البر، التمہید، ج٦ ص٥٧)

[2] (القرآن، عنکبوت، ٢٩:٤٥)(ابن ابی عاصم، کتاب الزھد، ١٨٤:١، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ٢٣٥:١، ابن عبد البر، التمہید، ٥٧:٦، ذہبی، سیر الاعلام النبلاء، ٤٥٥:١)

[3] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ٥٨:٦، رقم:٢٩٤٥٦، ١٧٠:٧، رقم:٣٥٠٤٧، ابن المبارک، الزھد، ٣٩٤:١، رقم:١١١٦، ابن عبد البر، التمہید، ٥٩:٦)

[4] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ٤٥٤:٣، رقم:٥٤٠٢)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ سئل: أی العباد أفضل درجۃ عند اللہ یوم القیامۃ؟ قال: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ قلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! ومن الغازی فی سبیل اللہ؟ قال: لو ضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر، ویختضب دما لکان الذاکرون اللہ أفضل۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں افضل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں ہیں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں پر اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں افضل ہیں۔“[1]

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: ”لو أن رجلین یحمل أحدھما علی الجھاد فی سبیل اللہ، والآخر یذکر اللہ لکان أفضل أو أعظم أجرا الذاکر۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: اگر دو شخص ہوں اور ان میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور دوسرا اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ کا ذکر کرنے والے کا اجر وثواب اس سے زیادہ ہے۔“[2]

قال عبد اللہ: لو أن رجلا بات یحمل علی الجھاد فی سبیل اللہ وبات رجل یتلو کتاب اللہ لکان ذاکر اللہ أفضلھما۔

حضرت عبد اللہ نے فرمایا:

”اگر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے رات گھوڑے پر گزارے اور دوسرا اللہ کا ذکر و تلاوت کرتا رہے تو ان میں ذکر کرنے والا زیادہ افضل ہے۔“[3]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ألا أنبئکم بخیر أعمالکم وأزکاھا عند ملیککم، وأرفعھا فی درجاتکم، وخیر لکم من انفاق الذھب والورق وخیر لکم من أن تلقوا عدوکم، فتضربوا أعناقھم ویضربوا أعناقکم؟ قالوا: بلیٰ۔ قال: ذکر اللہ، قال معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما شیٔ أنجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

---

[1] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۸، رقم: ۳۳۷۶، احمد بن حنبل، المسند ۳:۷۵، رقم: ۱۱۷۳۸، ابو یعلی، المسند، ۲:۵۳۰، رقم: ۱۴۰۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۴، منذری الترغیب والترھیب ۲:۲۵۴، رقم: ۲۲۹۶، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۴۸۹)

[2] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۵۸ رقم ۲۹۴۶۲، ۷:۱۷۰ رقم ۳۵۰۵۶، سیوطی، الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور ۱:۱۵۰)

[3] (ابن ابی شیبہ المصنف، ۶:۱۳۴، رقم: ۳۰۰۸۹، احمد بن حنبل، المسند ۵:۱۹۵، رقم: ۲۱۷۵۰، حاکم للمستدرک ۱:۶۷۳، رقم: ۱۸۲۵، بیھقی، شعب الایمان ۱:۳۹۴، رقم: ۵۱۹، منذری، الترغیب والترھیب ۲:۲۵۳، رقم: ۲۲۹۴، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۳)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سب سے اچھا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور پاکیزہ ہے، تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے، تمہارے سونے اور چاندی کی خیرات سے بھی افضل ہے، اور تمہارے دشمن کا سامنا کرنے یعنی جہاد سے بھی بہتر ہے درآنحالیکہ تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات دلانے والی ہو۔"

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الذکر یفضل علی النفقة فی سبیل اللہ مائة ضعف۔

ترجمہ: "حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذکر کو انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے) پر سو گنا فضیلت حاصل ہے۔"[1]

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال: ان الذکر فی سبیل اللہ یضعف فوق النفقة بسبع مائة ضعف۔

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ذکر انفاق فی سبیل اللہ پر سات سو گنا فضیلت رکھتا ہے۔"[2]

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان الصلاة و الصیام و الذکر یضعف علی النفقة فی سبیل اللہ بسبع مائة ضعف۔

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک نماز، روزے، اور اللہ کے ذکر کا اجر انفاق فی سبیل اللہ پر سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔"[3]

عن أبی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو أن رجلا فی حجرہ دراھم یقسمھا و آخر یذکر اللہ کان الذاکر للہ أفضل۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۸۵، رقم: ۴۰۴)

[2] (احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۳۸، طبرانی المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۸۶، رقم: ۴۰۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۲۴۹، رقم: ۳۱۷۱)

[3] (حاکم، المستدرک، ۲: ۸۸، رقم: ۲۴۱۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب ۲: ۴۰۶، رقم: ۳۸۰۷، منذری، الترغیب والترھیب، ۲: ۱۷۱، رقم: ۱۹۷۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم ۱: ۳۵۱، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۱۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ایک آدمی کے دامن میں درہم ہوں اور وہ انہیں تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا اللہ کا ذکر کر رہا ہو تو اللہ کا ذکر کرنے والا افضل ہو گا۔“[1]

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: الذکر خیر من الصدقۃ۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذکر صدقہ سے افضل ہے۔“

[2]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: اکثروا ذکر اللہ تعالیٰ، حتی یقولوا مجنون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔“[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ أذکروا اللہ ذکرا، یقول المنافقون: انکم تراؤون۔

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔“[4]

عن أبی جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ ﷺ: اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

”حضرت ابو جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔“[5]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذکروا اللہ ذکرا حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۱۱۶:۶، رقم: ۵۹۲۹، منذری، الترغیب والترهیب، ۲۵۷:۲، رقم: ۲۳۱۰، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۲۳۸:۱، هیثمی مجمع الزوائد، ۷۴:۱۰، مناوی، فیض القدیر، ۳۰۹:۵)

[2] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲۱۴:۳، رقم: ۶۱۶۴، مناوی، فیض القدیر، ۵۶۹:۳، رقم: ۲۹۷)

[3] (احمدبن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، المسند ۶۸:۳، رقم: ۱۱۶۷۱، احمد بن حنبل، المسند، ۷۱:۳، رقم: ۱۱۶۹۲، ابن حبان، الصحی، ۹۹:۳، رقم: ۸۱۷، ابو یعلی، المسند، ۵۲۱:۲، رقم: ۱۳۷۶، عبدبن حمید، المسند، ۲۸۹:۱، رقم: ۹۲۵، حاکم، المستدرک، ۶۷۷:۱، رقم: ۱۸۳۹، بیهقی، شعب الایمان، ۳۹۷:۱، رقم: ۵۲۶، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۷۲:۱، رقم: ۲۱۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۴:۱، منذری، الترغیب والترهیب، ۲۵۶:۲، رقم: ۲۳۰۴، مزی، تهذیب الکمال، ۴۷۹:۸، قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، ۱۹۷:۲، ابن معین، التاریخ، ۴۱۳:۳، رقم: ۵۰۳۹، هیثمی، مجمع الزوائد، ۷۵:۱۰، عجلونی، کشف الخفاء، ۱۸۷:۱، رقم: ۴۹۷، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۱۹۷:۱۴، رقم: ۴۱۳۳، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴۹۶:۳)

[4] (طبرانی، المعجم الکبیر ۱۶۹:۱۲، رقم: ۱۲۷۸۶، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۸۱:۳، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۴:۱، ۴۴۸، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۴۹۶:۳، مناوی، فیض القدیر، ۴۵۶:۱)

[5] (بیهقی، شعب الایمان، ۳۹۷:۱، رقم: ۵۲۷، مناوی، فیض القدیر، ۸۵:۲، عجلونی، کشف الحنفاء ۱۸۷:۱، رقم: ۴۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار خیال کریں۔“[1]

عن كعب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال موسیٰ: أی رب! أقريب أنت فأناجيك أم بعيد فأناديك؟ قال: يا موسیٰ! أنا جليس من ذكرني۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے عرض کی:

”اے رب! کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے سرگوشی کروں یا تو دور ہے کہ تجھے پکاروں (ندا دوں)۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔“[2]

عن ثوبان مولى النبي ﷺ قال موسیٰ: يا رب أقريب انت أناجيك؟ ام بعيد أناديك، فاني احس حس صوتك ولا أراك فأين أنت؟ فقال الله ل: خلفك وامامك وعن يمينك وعن شمالك، يا موسى! انی جليس عبدی حين يذكرني وأنا معه اذا دعاني۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے عرض کی:

”اے اللہ! کیا تو قریب ہے کہ میں تیرے ساتھ سرگوشی کروں یا تو بعید ہے کہ میں تجھے ندا دوں، بے شک کہ میں تیری آواز محسوس کرتا ہوں لیکن تجھے دیکھ نہیں سکتا، تو کہاں ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے پیچھے، تیرے سامنے، تیرے دائیں، تیرے بائیں! اے موسیٰ! جس وقت میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔“[3]

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: ان الله ل يقول: أنا مع عبدی اذا هو ذكرني وتحركت بی شفتاه۔

---

[1] (هيثمی، مجمع الزوائد ۱۰:۷۶، منذری، الترغيب والترهيب ۲:۲۵۶ رقم ۲۳۰۵)

[2] (ابن ابی شيبه، المصنف، ۱:۱۰۸، رقم: ۱۲۲۴، ابن ابی شيبه، المصنف، ۷:۷۳، رقم: ۳۴۲۸۷، احمد ابن حنبل، الزهد، ۱:۵۷، رقم: ۱۱۱، بيهقی، شعب الايمان، ۱:۴۵۱، رقم: ۶۸۰، سيوطی، الجامع الصغير، ۱:۳۰۴، قرطبی، الجامع الاحكام القرآن، ۴:۳۱۱، مناوی، فيض القدير، ۵:۲۱۴، قزوينی، التدوين فی اخبار، قزوين، ۱:۳۹۸، عجلونی، كشف الحنفاء، ۱:۲۳۲)

[3] (ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۹۲، رقم: ۴۵۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرے ذکر کے لئے حرکت کرتے ہیں۔“[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: يقول الله ل: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه حين يذكرنی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔“[2]

عن أنس بن مالک رضی الله تعالىٰ عنه أن النبی ﷺ قال: يقول الله ل: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه اذا دعانی۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“[3]

عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه عن رسول الله ﷺ: ان الله قال اذا تلقانی عبدی بشبر تلقيته بذراع و اذا تلقانی بذراع تلقيته بباع و اذا تلقانی بباع جئته أتيته بأسرع۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی جانب بڑھتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ میری جانب بڑھتا ہے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کی جانب بڑھتا ہوں۔“[4]

---

[1] (ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۴۶، رقم: ۳۷۹۲، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۵۴۰، رقم: ۱۰۸۸۱، ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۷، رقم: ۸۱۵، الحاکم للمستدرک، ۱:۶۷۳، رقم: ۱۸۲۴ (حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہاھے)، ہیثمی، موارد الظمآن، ۱:۵۷۶، طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۳۲۰، رقم: ۵۶۲، ۱:۳۱۹، رقم: ۱۴۱۷، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۱، رقم: ۵۰۹، ابن مبارک، الزہد، ۱:۳۳۹، رقم: ۹۵۶، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۲۵۳، رقم: ۲۲۸۹، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۸۶، رقم: ۴۵۱۱)

[2] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵، ۴:۲۰۶۷، رقم: ۲۶۷۵، ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۸۱، رقم: ۳۶۰۲، ابن ماجہ السنن، ۲:۱۲۵۵، رقم: ۳۸۲۲، نسائی، السنن الکبری، ۴:۴۱۲، رقم: ۷۷۳۰، احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، المسند، ۲:۲۵۱، رقم: ۷۴۱۶، ۲:۴۱۳، رقم: ۹۳۴۰، ۲:۴۸۲، رقم: ۱۰۲۵۹، ۲:۵۱۷، رقم: ۱۰۷۱۵، ۲:۵۳۴، رقم: ۱۰۹۲۲، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۶، رقم: ۵۵۰، ۲:۸، رقم: ۱۰۱۳)

[3] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۲۱۰، رقم: ۱۳۲۱۵، ۳:۲۷۷، رقم: ۱۳۹۶۹، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۲، رقم: ۳۲۳۲، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۴۸، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱:۲۱۹)

[4] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۱۶، رقم: ۸۱۷۸)

٦٧۔ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: ان للہ سیارۃ من الملائکۃ، یبتغون حلق الذکر، فاذا مروا بحلق الذکر قال بعضھم لبعض: اقعدوا فاذا دعا القوم أمنوا علی دعائھم فاذا صلوا علی النبی ﷺ صلوا معھم حتی یفرغوا، ثم یقول بعضھم لبعض: طوبی لھم لا یرجعون الا مغفورا لھم۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ گھومنے پھرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کے حلقوں کی تلاش میں رہتے ہیں، جب وہ ذکر کی مجالس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں: بیٹھ جاؤ۔ جب لوگ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی دعاء پر آمین کہتے ہیں، جب وہ حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو یہ بھی ان کے ساتھ درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ ذکر کرنے والے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے ایک دوسرے کو کہتے ہیں: انہیں مبارک ہو کہ ان میں سے کوئی بھی بخشش کا پروانہ حاصل کئے بغیر نہیں لوٹ رہا۔“[1]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مر النبی ﷺ بعبد اللہ بن رواحۃ الأنصاری، وھو یذکر أصحابہ، فقال رسول اللہ ﷺ: أما انکم الملأ الذین أمرنی اللہ أن أصبر نفسی معکم ثم تلا ھذہ الآیۃ: {وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ} الی قولہ {وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا} أما انہ ما جلس عدتکم الا جلس معھم عدتھم من الملائکۃ ان سبحوا اللہ سبحوہ، وان حمدوا اللہ حمدوہ، وان کبروا اللہ کبروہ، ثم یصعدون الی الرب، وھو أعلم منھم، فیقولون: یا ربنا عبادک سبحوک فسبحنا، وکبروک فکبرنا، وحمدوک فحمدنا، فیقول ربنا: یا ملائکتی! أشھدکم انی قد غفرت لھم۔ فیقولون: فیھم فلان وفلان الخطاء فیقول: ھم القوم لا یشقی علی جلیسھم۔

ترجمہ: ”حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو نصیحت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو کہ تم وہ جماعت ہو جس کے ساتھ مجھے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت مبارکہ ”اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کریں جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں“ سے لے کر ”اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے“ تک تلاوت فرمائی۔ (پھر فرمایا) تم میں سے جتنی تعداد میں لوگ بیٹھتے ہیں اتنی ہی تعداد میں فرشتے بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں تو یہ بھی ان ہی کی طرح تسبیح کرتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں تو یہ بھی اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کریں تو یہ بھی اس کی کبریائی بیان کرتے ہیں، پھر وہ اللہ رب العزت کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت اپنے بندوں کے احوال کو زیادہ جانتا ہے پھر بھی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تیرے بندوں نے تیری تسبیح بیان کی تو ہم نے بھی تیری تسبیح بیان کی، انہوں نے تیری کبریائی بیان کی تو ہم نے بھی تیری کبریائی

---

[1] (ھندی، کنز العمال، ٤٣٤:١، رقم: ١٨٧٦)

بیان کی، انہوں نے تیری حمد بیان کی تو ہم نے بھی تیری حمد بیان کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں فلاں خطاکار بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم مجلس بدبخت نہیں رہ سکتا۔‘‘[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی ﷺ قال: ان الله تبارک و تعالىٰ ملائكة سيارة فضلا يتبعون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم۔۔ الى آخر الحديث۔

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔‘‘[2]

قال جابر بن عبد الله رضی الله عنهما: خرج علينا النبی ﷺ فقال: يا أيها الناس! ان لله سرايا من الملائكة تحل وتقف على مجالس الذكر فی الأرض، فارتعوا فی رياض الجنة، قالوا: وأين رياض الجنة؟ قال: مجالس الذكر، فاغدوا وروحوا فی ذكر الله ذكروه أنفسكم من كان يحب أن يعلم منزلته عند الله فلينظر كيف منزلة الله عنده فان الله ينزل العبد منه حيث أنزله من نفسه۔

ترجمہ: ’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے لشکر ہیں جو ذکر کی محافل میں آتے ہیں اور وہاں رک جاتے ہیں، لہٰذا تم جنت کے باغیچوں سے خوب کھاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: جنت کے باغیچے کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کی محافل لہٰذا تم صبح و شام اللہ کا ذکر کرو اور خود کو اس کی یاد دلاتے رہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ دیکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ دیکھے کہ اس کے ہاں اللہ تعالیٰ کا کیا مقام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے ہاں اس مقام پر رکھتا ہے جہاں بندہ اسے اپنے ہاں رکھتا ہے۔‘‘[3]

عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: ان لله ملائكة فضلا يتبعون مجالس الذكر يجتمعون عند الذكر، فاذا مروا بمجلس علا بعضهم على بعج حتى يبلغوا العرش۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲:۲۲۷، ۲۲۸، رقم:۱۰۷۴، ضبی، کتاب الدعا: ۲۸۳، رقم:۱۰۴، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۵:۱۱۷، ۵:۱۱۸، منذری، الترغیب والترھیب ۲:۲۶۰، ۲۶۱، رقم:۲۳۲۳ قال رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر، ہیثمی، مجمع الزوائد ۱۰:۷۶، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۵:۳۸۱، ۳۸۲، ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر ۲۸:۸۸)

[2] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۹، رقم: ۲۰۸۹، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۸۲، منذری الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۹، رقم:۲۳۱۶، نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۷:۱۴، مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی ۱۰:۴۲، خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح ۲:۱۳، رقم:۲۲۶۷)

[3] (حاکم للمستدرک، ۲۷۲، ۱:۶۷۱، رقم:۱۸۲۰ قال: اسنادہ صحیح، ابویعلی، المسند ۳:۳۹۰، رقم:۱۸۶۵، ۴:۱۰۶، رقم:۲۱۳۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو صرف مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ پس جب وہ کسی مجلسِ ذکر کے پاس سے گزرتے ہیں تو تہہ در تہہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔“[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: من اغتسل يوم الجمعة۔۔۔ فاذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو غسل کے بعد جمعہ کے لئے روانہ ہوتا ہے۔۔۔ جب امام آجاتا ہے تو فرشتے بھی حاضر ہو کر ذکر سنتے ہیں۔“[2]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: اذا كان يوم الجمعة وقفت الملائكة علی أبواب المسجد فيكتبون الأول فالأول۔۔۔ فاذا خرج الامام وقعد علی المنبر طووا صحفهم وجلسوا يستمعون الذكر۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا روز ہو تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے آنے والے کا نام سب سے پہلے لکھتے ہیں۔۔۔ جب امام خطبہ و نماز کے لئے آجاتا ہے تو فرشتے اپنے اپنے رجسٹر بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور ذکر و نصیحت غور سے سننے لگ جاتے ہیں۔“[3]

عن عمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: عن يمين الرحمٰن وكلتا يديه يمين رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغشی بياض وجوههم نظر الناظرين، يغبطهم النبيون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله ل، قيل: يا رسول الله صلی الله عليک وآلک وسلم! من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل، يجتمعون علی ذكر الله فينتقون أطايب الكلام كما ينتقی آكل التمر أطايبه۔

ترجمہ: ”حضرت عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمٰن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے نہ شہید۔ ان کے چہروں کا نور سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہو گا، ان کی مسندوں اور اللہ ل سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر

---

[1] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۵۸، ۳۵۹)

[2] (بخاری، الصحیح ۱:۳۰۱، رقم: ۸۴۱، مسلم، الصحیح، ۲:۵۸۲، رقم: ۸۵۰، ترمذی الجامع الصحیح ۲:۳۷۲، رقم: ۴۹۹، رواہ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وعن ابو ہریرة حسن صحیحٌ، نسائی، السنن، ۳:۹۹، رقم: ۱۳۸۸، نسائی، السنن الکبریٰ، ۱:۵۲۶، رقم: ۱۶۹۶، مالک، الموطا، ۱:۱۰۱، رقم: ۲۲۷، احمد بن حنبل کی المسند (۲:۴۶۰) میں راویت کردہ حدیث میں حضرت کی جگہ أقبلت کے الفاظ مذکور ھیں، شافعی، المسند، ۶۲، شافعی، السنن الماثورہ، ۲۲۷، رقم: ۱۲۵)

[3] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۵۰۵، بخاری، الصحیح، ۱:۳۱۴، رقم: ۸۸۷، شافعی، السنن الماثورہ، ۲۲۶، رقم: ۱۲۴، عبد الرزاق کی "المصنف" ۳:۲۵۷، ۲۵۸، رقم: ۵۵۲۴ میں "طووا صحفهم" کے بعد "وقعدوا من الناس" بھی ھے یعنی لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ھیں، بیھقی، السنن الکبریٰ ۳:۲۲۶، ابن جوزی، التحقیق فی احادیث الخلاف، ۲:۱۶۲، منذری نے 'الترغیب والترھیب' میں کھا ھے کہ اس سے ملتی جلتی روایت ابن خزیمہ نے 'الصحیح' میں بیان کی ھے، سیوطی، تنویر الحوالک، ۱:۹۳)

رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مجالس میں جمع ہوا کرتے تھے اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ اس طرح انتخاب کرتے تھے جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔"

ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد (۱۰:۷۷) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، منذری نے الترغیب والترھیب (۲:۲۶۱، رقم: ۲۳۲۶) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کنز العمال (۱۰:۲۴۸، رقم: ۲۹۳۲۶)، میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمرہ بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔[1]

عن ابن سابط، قال: أنبئت أن عن یمین الرحمٰن، وکلتا یدیه یمین، قوم علی منابر من نور، وجوههم نور، علیهم ثیاب خضر تغشی أبصار الناظرین، لیسوا بأنبیاء ولا شهدا، قوم تحابوا فی جلال اللہ حین عُصِیَ اللہ فی الأرض۔

ترجمہ: "ابن سابط روایت کرتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اللہ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں، کچھ لوگ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے، ان کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ سبز لباس زیب تن کئے ہوئے ہوں گے، وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چندھیا دیں گے، وہ نہ تو انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء، بلکہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی جب زمین پر اس کی نافرمانی ہو رہی تھی۔"[2]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: ان للہ جلساء یوم القیامة عن یمین العرش، وکلتا یدی اللہ یمین، علی منابر من نور، وجوههم من نور، لیسوا بأنبیاء ولا شهداء ولا صدیقین، قیل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! من هم؟ قال: المتحابون بجلال اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: بے شک روزِ قیامت کچھ لوگ اللہ کے عرش کے دائیں طرف حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ ان کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ نہ تو انبیاء ہوں گے، نہ شہداء ہوں گے، اور نہ صدیقین۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔"[3]

---

[1] سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱:۳۶۸)
[2] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۴۵، رقم: ۳۴۶۰۹۵، ابن مبارک، الزھد، ۱:۵۲۲، رقم: ۱۴۸۳، ھناد، الزھد، ۱:۲۷۲، رقم: ۴۷۴)
[3] (طبرانی، لامعجم الکبیر، ۱۲:۱۰۴، ۱۰۵، رقم: ۱۲۶۸۶)

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیبعثن اللہ أقواما یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ، یغبطھم الناس لیسوا بأنبیاء ولا شھداء، قال: فجثی أعرابی علی رکبتیه، فقال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! حلھم لنا نعرفھم۔ قال: ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونه۔

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن کے چہرے پُر نور ہوں گے، وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے، لوگ انہیں دیکھ کر رشک کریں گے، نہ وہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، ابو درداء کہتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! آپ ﷺ ان کا حلیہ ہمارے سامنے بیان فرمائیں تاکہ ہم انہیں معلوم کرلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ ہیں جو مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔“

(ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰:۷۷) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، منذری نے الترغیب والترھیب (۲:۲۶۲، رقم:۲۳۲۷؛ ۴:۱۲، رقم:۴۵۸۳) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، سیوطی نے 'الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۱:۳۶۸) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

عن أبی أمامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان للہ عبادا یجلسھم اللہ یوم القیامۃ علی منابر من نور ویغشی وجوھھم النور حتی یفرغ من حساب الخلائق۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نور کے منبروں پر بٹھائے گا اور ان کے چہروں کو نور سے ڈھانپے رکھے گا جب تک مخلوق کے حساب سے فارغ نہیں ہو جاتا۔“[1]

عن أبی أمامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان للہ عبادا یجلسھم یوم القیامۃ علی منابر من نور، یغشی وجوھھم النور، ویلقی عنھم السیئات حتی یفرغ من حساب الخلائق۔ قیل: من ھم؟ قال: المتاحبون فی اللہ۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نور کے منبروں پر بٹھائے گا، ان چہروں کو نور ڈھانپ لے گا، اور ان سے گناہوں کو دور کر

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۱۲، رقم:۷۵۲۷)

دے گا یہاں تک کہ مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائیگا۔ عرض کیا گیا: وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے۔"

(طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۱۰، رقم: ۸۲۶، منذری نے الترغیب والترهیب ۴:۱۲، رقم: ۴۵۸۱، میں کہا ہے کہ طبرانی نے جید اسناد کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷، میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد جید ہیں)

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ان من عباد الله ليسوا بأنبياء يغبطهم الأنبياء والشهداء۔ قيل: من هم لعلنا نحبهم؟ قال: هم قوم تحابوا بنور الله من غير أرحام ولا انتساب، وجوههم نور على منابر من نور، لا يخافون اذا خاف الناس، ولا يحزنون اذا حزن الناس، ثم قرأ: أَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیا نہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ ایسے بندے ہیں جو آپس میں بغیر کسی قرابت داری اور رشتہ کے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں، ان کے چہروں پر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ انہیں اس وقت کوئی خوف نہ ہو گا جب لوگ خوف زدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہ ہو گا جب لوگ غمزدہ ہونگے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔"[1]

عن عمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: عن يمين الرحمٰن وكلتا يديه يمين رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغشى بياض وجوههم نظر الناظرين، يغبطهم النبيون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله ل، قيل: يا رسول الله صلى الله عليك وآلك وسلم! من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل، يجتمعون على ذكر الله، فينتقون أطايب الكلام كما ينتقى آكل التمر أطايبه۔

"حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے نہ شہید۔ ان کے چہروں کا نور

---

[1] (ابن حبان، الصحيح، ۲:۳۳۲، ۳۳۳، رقم: ۵۷۳، نسائی، النسن الكبرىٰ، ۶:۳۶۲، رقم: ۱۱۲۳۶، ابو يعلىٰ، المسند، ۱۰:۴۹۵، رقم: ۶۱۱۰، بيهقى، شعب الايمان، ۶:۴۸۵، رقم: ۸۹۹۷، منذری نے الترغيب والترهيب ۴:۱۲ میں کها هے که اسے نسائی نے روایت کیا هے اور ابن حبان نے الصحيح میں روایت کیا هے، هيثمی نے مجمع الزوائد (۱۰:۲۷۷) میں کها هے که اسے بزار نے روایت کیا هے جبکه میں اس کے راویوں کو نهیں جانتا، هيثمی، موارد الظمان، ۶۲۱، رقم: ۲۵۰۸، طبری نے یه حدیث جامع البيان فی تفسير القرآن (۱۱:۱۳۲) میں ابن حبان کی بیان کرده روایت کی سند کے ساتھ نقل کی هے، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲:۴۲۲، سیوطی رحمه الله تعالیٰ نے الدر المنثور فی التفسير بالماثور (۴:۳۷۲) میں کها هے که یه حدیث ابن ابی دنیا، ابن جریر، ابن منذر، ابو شیخ، ابن مردویه، اور بیهقی نے حضرت ابو هریره رضی الله تعالیٰ عنه سے روایت کی هے)

سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہو گا، ان کی مسندوں اور اللہ سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ کا اس طرح انتخاب کرتے ہیں جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔"[1]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال: النبی ﷺ ان من عباد اللہ لأناسا ما ھم بأنبیاء و لا شھداء یغبطھم الأبیاء و الشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ، قالوا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک و سلم! تخبرنا من ھم؟ قال: ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر أرحام بینھم و لا أموال یتعاطونھا فواللہ ان وجوھھم لنور و انھم لعلی نور لا یخافون اذا خاف الناس و لا یحزنون اذا حزن الناس و قرأ ھذہ الآیۃ۔ {أَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ}

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ شہداء، قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کے اللہ کی طرف سے عطا کردہ مقام پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! آپ ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے پُر نور ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہو گا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہو گا، جب لوگ غم زدہ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔"[2]

عن أبی مالک الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت عند النبی ﷺ فنزلت ھذہ الآیۃ: {لَا تَسۡأَلُوۡا عَنۡ أَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ} قال: فنحن نسألہ اذا قال: ان للہ عبادا لیسوا بأنبیاء و لا شھداء یغبطھم النبیون و الشھداء بقربھم و مقعدھم من اللہ یوم القیامۃ۔ قال: و فی ناحیۃ القوم أعرابی، فقام فجثا علی رکبتیہ و رمی بیدیہ، ثم قال: حدثنا یا رسول اللہ عنھم من ھم؟ قال: فرأیت وجہ النبی ﷺ ینتشر، فقال النبی ﷺ: عباد من عباد اللہ من بلدان شتی و قبائل من شعوب أرحام القبائل لم یکن بینھم أرحام یتواصلون نورا، یجعلم لھم منابر من لؤلؤ قدام الرحمٰن تعالیٰ، یفزع الناس و لا یفزعون و یخاف الناس و لا یخافون۔

---

[1] (ھیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۷۷ میں کھا ھے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ھے اور اس کے رجال ثقہ ھیں، منذری نے الترغیب و الترھیب (۲:۲۶۱، رقم:۲۳۲۶) میں کھا ھے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ھے، ھندی نے کنز العمال (۱۰:۲۴۸، رقم:۲۹۳۲۶) میں کھا ھے کہ اسے طبرانی نے عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ھے)

[2] (ابو داؤد، السنن ۳:۲۸۸، رقم ۳۵۲۷، ھناد، الزھد ۱:۲۷۲، رقم ۴۷۵، بیھقی، شعب الایمان ۶:۴۸۶، رقم:۸۹۹۸، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ۱:۵، میں یہ حدیث جید اسناد کے ساتھ روایت کی ھے)

”حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ہم نے اس کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ انبیاء اور شہداء روزِ قیامت ان کے اللہ تعالیٰ سے قرب اور ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مسندوں پر رشک کریں گے۔ محفل کے ایک طرف ایک دیہاتی بیٹھا تھا، وہ کھڑا ہوا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے دونوں ہاتھ مارے اور کہا: یارسول اللہ! ہمیں ان کے بارے میں بتائیے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے وہ بندے ہیں جو مختلف علاقوں، قبائل اور مختلف خاندانوں سے ہیں، جن کے درمیان کوئی خونی رشتہ داریاں بھی نہیں مگر وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں، صرف اللہ کے لئے، دنیا کے لئے نہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ وہ صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ ان کے چہروں کو منور کردے گا، ان کے لئے خدائے رحمان کے سامنے موتیوں کے منبر بچھائے جائیں گے۔ اس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، اور لوگ غمگین ہوں گے مگر انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔“[1]

عن أبی مسلم الخولانی، قال: قلت لمعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ: و اللہ! انی لأحبک لغیر دنیا أرجو أن أصیبها منک، ولا قرابة بینی وبینک، قال: فلأی شئ؟ قلت: للہ۔ فجذب حبوتی، ثم قال: أبشر ان کنت صادقا، فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: المتحابون فی اللہ فی ظل العرش یوم لا ظل الا ظله، یغبطهم بمکانهم النبیون والشهداء، ثم قال: فخرجت فأتیت عبادة بن الصامت، فحدثته بحدیث معاذ، فقال عبادة بن الصامت: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول عن ربه تبارک وتعالیٰ: حقت محبتی علی المتحابین فیّ، وحقت محبتی علی المتناصحین فیّ، وحقت محبتی علی المتزاورین فیّ، وحقت محبتی علی المتباذلین فیّ، وهم علی منابر من نور، یغبطهم النبیون والصدیقون بمکانهم۔

ترجمہ: ”ابومسلم خولانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خدا کی قسم! میں بغیر کسی دنیاوی مقصد کے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجھ سے محبت رکھیں جبکہ میرے اور آپ کے

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۲۹۰، ۳۴۳۳، احمد بن حنبل نے المسند ۵:۳۴۳ میں طویل حدیث روایت کی ھے اور ۵:۳۴۱ میں مختصراً بیان کی ھے، هیثمی نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طویل روایت کو مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۶ میں نقل کرتے هوئے کہا ھے کہ طبرانی نے بھی اس جیسی حدیث روایت کی ھے۔ هیثمی نے اس حدیث کے رجال کو ثقہ قرار دیا ھے، هیثمی نے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ ایک اور روایت مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷ میں نقل کرتے هوئے لکھا ھے کہ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ھے، ابن مبارک، الزهد: ۲۴۸، معمر بن راشد، الجامع، ۱۱:۲۰۱، ۲۰۲، حارث، المسند، ۲:۹۹۳، رقم: ۱۱۰۹، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادث الرسول ﷺ ۴:۸۲، بیهقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۷، ۴۸۸، رقم: ۹۰۰۱، منذری، الترغیب والترهیب، ۴:۱۳، رقم: ۴۵۸۵، بغوی، معالم التنزیل، ۲:۳۵۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۲۰۹، ۴:۳۷۲، شوکانی نے فتح القدیر (۲:۴۵۸) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے هوئے کہا ھے کہ حاکم نے یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً لی ھے۔)

درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر کیوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ کے لئے: پس انہوں نے میرا کپڑا کھینچا پھر کہا: میں خوشخبری سناتا ہوں کہ اگر تم سچے ہو تو بے شک میں نے حضور نبی اکرم ﷺ نے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اس دن یعنی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا، ان کے اس مرتبہ پر انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ پھر کہا: میں وہاں سے نکلا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آیا اور ان سے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی گفتگو بیان کی۔ پس عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کیا: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت پکڑنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، انبیاء و صدیقین ان کے درجات پر رشک کریں گے۔''[1]

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ: المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون و الشھداء۔

ترجمہ: ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عظمت و جلالت کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کے لئے نور کے منبر ہوں گے، ان پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔''[2]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی ﷺ: ان من عباد اللہ لأناسا ما ھم بأنبیاء و لا شھداء یغبطھم الأنبیاء و الشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ، قالوا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و سلم! تخبرنا من ھم؟ یتعاطونھا، فو اللہ ان وجوھھم لنور و انھم لعلی نور، لا یخافون اذا خاف الناس، و لا یحزنون اذا حزن الناس، و قرأ ھذہ الآیۃ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۳۸، رقم:۵۷۷، احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۳۹، ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۴۵، رقم:۳۴۱۰۰، قرشی، الاخوان، ۱:۵۱، رقم:۹، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ۵:۱۲۲، مقدسی نے الاحادث المختارہ (۸:۳۱۲، رقم:۳۷۵) میں اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ھے۔ ابن عبد البر، التمھید، ۲:۱۳۱، منذری نے الترغیب والترھیب ۴:۱۱، رقم:۴۵۷۵ میں کھاھے کہ اسے ابن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم:۲۵۱۰، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۲۷۸، ۲۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۹۳، ثعالبی، جواھر الحسان فی تفسیر قرآن، ۴:۱۳۳)

[2] (ترمزی، الجامع الصحیح، ۴:۵۹۷، رقم:۲۳۹۰، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ۲:۱۳۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۴:۱۱، رقم:۴۵۷۶، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم:۲۵۱۰، ابن قیم، حاشیہ علی سنن ابی داؤد، ۱۴:۲۱، مزی، تھذیب الکمال، ۳۴:۲۹۲، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۸۵، مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۷:۵۶)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مقام پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے پُرنور ہوں گے، اور وہ نور پر ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہیں ہو گا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہو گا جب لوگ غم زدہ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔“[1]

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ان من عباد الله عبادا ليسوا بأنبياء يغبطهم الأنبياء و الشهداء۔ قيل: من هم لعلنا نحبهم؟ قال: هم قوم تحابوا بنور الله من غير أرحام و لا انتساب، و جوههم نور على منابر من نور، لا يخافون اذا خاف الناس، و لا يحزنون اذا حزن الناس، ثم قرأ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں ہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: وہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ ایسے بندے ہیں جو آپس میں بغیر کسی قرابت داری اور واسطہ کے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے پُرنور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ انہیں اس وقت کوئی خوف نہ ہو گا جب لوگ خوف زدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہو گا جب لوگ غمزدہ ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔“[2]

---

[1] (ابو داؤد، السنن، ۳:۲۸۸، رقم:۳۵۲۷، هناد، الزهد، ۱:۲۷۲، رقم:۴۷۵، بيهقي، شعب الايمان، ۶:۴۸۶، رقم:۸۹۹۸، ابو نعیم نے حلية الاولياء وطبقات الاصفياء (۱:۵) میں یہ حدیث جید اسناد کے ساتھ روایت کی ھے، حاکم نے المستدرک (۴:۱۸۸، رقم:۳۱۸) میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ھے اور اسے صحیح قرار دیا ھے جبکہ ذھبی نے بھی ان کی موافقت کی ھے، ابن عبد البر، التمهيد، ۱۷:۴۳۶، ابن ابی حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۶:۱۹۶۳، ۱۹۶۴، رقم:۱۰۴۵۳، ابن جوزی، زاد المسير في علم التفسير، ۴:۴۳، ابو سعود، ارشاد العقل السليم الى مزايا القرآن الكريم، ۴:۱۵۹، سیوطی نے الدر المنثور في التفسير بالماثور (۴:۳۷۲) میں کھا ھے کہ اسے ابو داؤد، هناد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مرویہ کے علاوہ ابو نعیم نے حلية الاولياء و طبقات الاصفياء اور بیھقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ھے، ثعالبی، جواهر الحسان في تفسير القرآن، ۲:۱۸۴)

[2] (ابن حبان، الصحيح، ۲:۳۳۲، ۳۳۳، رقم:۵۷۳، نسائي، السنن الكبرىٰ، ۶:۳۶۲، رقم:۱۱۲۳۶، ابو يعلىٰ، المسند، ۱۰:۴۹۵، رقم:۶۱۱۰، بيهقي، شعب الايمان، ۶:۴۸۵، رقم:۸۹۹۷، منذری نے الترغيب والترهيب ۴:۱۲ میں کھا ھے کہ اسے نسائی نے روایت کیا اور بن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، ھیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷ میں کھا ھے کہ اسے بزار نے روایت کیا ھے جبکہ میں اس کے راویوں کو نھیں جانتا، هيثمي موارد الظمآن، ۶۲۱، رقم:۲۵۰۸، طبری نے یہ حدیث جامع البیان فی تفسیر القرآن ۱۱:۱۳۲ میں ابن حبان کی بیان کردہ روایت کی سند کے ساتھ نقل کی ھے، ابن کثیر، تفسير القرآن العظيم، ۲:۴۲۲، سیوطی نے الدر المنثور في التفسير بالماثور ۴:۳۷۲ میں کھا ھے کہ یہ حدیث ابن ابی دنیا، ابن جریر، ابن منذر، ابو شیخ، ابن مردویہ، اور بیھقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ھے)

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: عن یمین الرحمٰن و کلتا یدیه یمین رجال لیسوا بأنبیاء و لا شهداء یغشی بیاض وجوههم نظر الناظرین، یغبطهم النبیون و الشهداء بمقعدهم و قربهم من اللہ ل قیل: یا رسول اللہ ﷺ! من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل، یجتمعون علی ذکر اللہ، فینتقون أطایب الکلام کما ینتقی آکل التمر أطایبه۔

ترجمہ: ''حضرت عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہون گے جو نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، ان کے چہروں کا نور سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہو گا، ان کی مسندوں اور اللہ ل سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ کا اس طرح انتخاب کرتے ہیں جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔''[1]

عن أبی مالک الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: کنت عند النبی ﷺ فنزلت هذه الآیة: {لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَآءَ اِنْ تُبْدِلَكُمْ تَسُؤْكُمْ} قال: فنحن نسأله اذ قال: ان للہ عبادا لیسوا بأنبیاء و لا شهداء یغبطهم النبیون و الشهداء بقربهم و مقعدهم من اللہ ل یوم القیامة۔ قال: وفی ناحیة القوم أعرابی، فقام فجثا علی رکبتیه و رمی بیدیه، ثم قال: حدثنا یا رسول اللہ عنهم من هم؟ قال: فرأیت وجه النبی ﷺ ینتشر، فقال النبی ﷺ: عباد من عباد اللہ من بلدان شتی و قبائل من شعوب أرحام القبائل لم یکن بینهم أرحام یتواصلون بها اللہ لا دنیا، یتباذلون بها تیحابون بروح اللہ ل یجعل اللہ وجوههم نورا یجعل لهم منابر من لؤلؤ قدام الرحمٰن تعالیٰ، یفزع الناس و لا یفزعون و یخاف الناس و لا یخافون۔

ترجمہ: ''حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ انبیاء اور شہداء روزِ قیامت ان کے اللہ تعالیٰ سے قرب اور ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مسندوں پر رشک کریں گے۔ لوگوں کے ایک طرف دیہاتی بیٹھا تھا، وہ کھڑا ہوا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے دونوں ہاتھ مارے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں ان کے بارے میں بتایئے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے وہ بندے ہیں جو مختلف علاقوں اور مختلف قبائل کے مختلف خاندانوں سے ہیں، جن کے درمیان کوئی رشتہ داریاں بھی نہیں مگر وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں، صرف اللہ کے لئے، دنیا کے لئے نہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں، وہ صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت

---

[1] (هیثمی نے مجمع الزوائد۷۷:۱۰ میں کها هے که اسے طبرانی نے روایت کیا هے اور اس کے رجال ثقه هیں، منذری نے الترغیب والترهیب ۲:۲۶۱، رقم:۲۳۲۶، میں کها هے که اسے طبرانی نے روایت کیا هے، هندی نے کنز العمال ۱۰:۲۴۸ رقم:۲۹۳۲۶ میں کها هے که اسے طبرانی نے عمر بن عبسه رضی اللہ تعالیٰ عنه سے روایت کیا هے، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر المأثور، ۱:۳۶۸)

کرتے ہیں۔ اللہ ان کے چہروں کو منور کر دے گا، ان کے لئے خدائے رحمان کے سامنے موتیوں کے منبر بچھائے جائیں گے۔ اس روز لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہیں ہو گا، اور لوگ غمگین ہوں گے مگر انہیں کوئی غم نہ ہو گا۔“[1]

عن أبي مسلم الخولاني، قال: قلت لمعاذ بن جبل: و اللہ! اني لأحبک لغير دنيا أرجو أن أصيبها منک، و لا قرابة بيني و بينک، قال: فلأی شئ؟ قلت: للہ۔ قال: فجذب حبوتي، ثم قال: أبشر ان کنت صادقا، فاني سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: المتحابون في اللہ في ظل العرش يوم لا ظل الا ظله، يغبطهم بمكانهم النبيون و الشهداء، ثم قال: فخرجت فأتيت عبدة بن الصامتص فحدثته بحديث معاذ، فقال عبادة بن الصامت: سمعت رسول اللہ ﷺ، يقوم عن ربه تبارک و تعالى: حقت محبتي على المتحابين على المتحابين فيّ، و حقت محبتي على المتناصحين فيّ، و حقت محبتي على المتزاورين فيّ، و حقت محبتي على المتباذلين فيّ، و هم على منابر من نور، يغبطهم النبيون و الصديقون بمكانهم۔

ترجمہ: ”ابو مسلم خولانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خدا کی قسم! میں بغیر کسی دناوی مقصد کے آپ سے محبت کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجھ سے محبت رکھیں، میرے اور آپ کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر کیوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ کے لئے، پس انہوں نے میرا کپڑا کھینچا پھر کہا: میں خوشخبری سناتا ہوں کہ اگر تم سچے ہو تو بے شک میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اس دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا، ان کے اس مرتبہ پر انبیاء و شہداء رشک کریں گے، پھر کہا: میں وہاں سے نکلا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی گفتگو بیان کی۔ پس عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کیا: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت پکڑنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور

[1] (احمد بن حنبل نے المسند ۵:۳۴۳ میں طویل حدیث روایت کی هے اور ۵:۳۴۱ میں یه حدیث مختصراً بیان کی هے، احمد بن حنبل کی بیان کرده طویل روایت هیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۶ میں نقل کرتے هوئے کها هے که طبرانی نے بهی اس جیسی حدیث روایت کی هے۔ هیثمی نے اس حدیث کے رجال کو ثقه قرار دیا هے۔ هیثمی نے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ ایک اور روایت مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷ میں نقل کرتے هوئے لکها هے که اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا هے، ابن مبارک، الزهد، ۲۴۸، معمر بن راشد، الجامع، ۱۱:۲۰۱، ۲۰۲، حارث، المسند، ۲:۹۹۳، رقم: ۱۱۰۹، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول ﷺ ۴:۸۲، بیهقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۷، ۴۸۸، رقم: ۹۰۰۱، منذری، الترغیب والترهیب، ۴:۱۳، رقم: ۴۵۸۵، بغوی، معالم التنزیل، ۲:۳۵۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۲۰۹، ۴:۳۷۲، شوکانی نے فتح القدیر ۲:۴۵۸ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے هوئے کها هے که حاکم نے یه حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه سے مرفوعاً لی هے۔)

میرے لئے آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، انبیاء و صدیقین ان کے درجات پر رشک کریں گے۔"[1]

عن سعيد بن المسيب، قال: للمتحابين في الله منابر من نور يغبطهم بها الشهداء۔

ترجمہ: "حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے نور کے منبر ہوں گے جن پر شہداء رشک کریں گے۔"[2]

عن أبي مالك الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: عباد الله توضع لهم منابر من نور يوم القيامة، ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغبطهم النبيون والشهداء۔ قالوا: فمن هم؟ قال: المتحابون في الله۔

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جن کے لئے بروزِ قیامت نور کے منبر بچھائے جائیں گے، نہ تو وہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء، لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہیں۔"[3]

عن العلاء بن زياد رضي الله تعالىٰ عنه عن نبي الله ﷺ قال: عباد من عباد الله ليسوا بأنبياء ولا شهداء، يغبطهم الأنبياء والشهداء يوم القيامة بقربهم من الله على منابر من نور۔ يقول الأنبياء والشهداء: من هؤلاء؟ فيقولون: هؤلاء كانوا يتحابون في الله على غير أموال تعاطوها ولا أرحام كانت بينهم۔

ترجمہ: "علاء بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بندگانِ خدا میں سے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی شہداء۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قرب اور نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہونے کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ انبیاء اور شہداء پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ پس وہ کہیں گے: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں کسی مالی لین دین یا قرابت داری کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔"[4]

---

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۳۸، رقم:۵۷۷، احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۳۹، ابن ابی شیبه، المصنف، ۵:۴۵، رقم:۳۴۱۰۰، قرشی، الاخوان: ۵۱، رقم:۹، ابو نعیم، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۵:۱۲۲، مقدسی نے الاحادیث المختاره ۸:۳۱۲، رقم:۳۷۵ میں اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ھے، ابن عبد البر، التمهید، ۲۱:۱۳۱، منذری نے الترغیب والترهیب (۴:۱۱ رقم:۴۵۷۵) میں کھا ھے که اسے ابن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، هیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم:۲۵۱۰، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۲۷۸، ۲۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۹۳، ثعالبی، جواهر الحسان فی تفسیر القرآن، ۴:۱۳۳)

[2] (ابن مبارک، الزهد، ۱:۵۲۲، رقم:۱۴۸۲)

[3] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۲۹۰، ۲۹۱، رقم:۳۴۳۴)

[4] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۴۵، رقم:۳۴۰۹۶، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۴:۳۷۳)

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن نبی اللہ ﷺ قال: ان رجالا لیسوا بأنبیاء ولا شھداء یوضع لھم یوم القیامۃ منابر من نور، وجوھھم من نور، یأمنون یوم القیامۃ من الفزع الأکبر، فقال رجل: یا نبی اللہ ﷺ! ومن اولئک؟ قال: ھم نزاع القبائل یتحابون فی اللہ۔

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک کچھ لوگوں کے لئے روزِ قیامت نور کے منبر بچھائے جائیں گے، وہ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، وہ قیامت کے دن کی بہت بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ ایک آدمی نے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قبائل کے پڑوس میں رہنے والے اجنبی لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔“[1]

عن أبن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وفد موسی علیہ السلام الی طور سیناء، قال: یا رب! أی عبادک أحب الیک؟ قال: الذی یذکرنی ولا ینسانی۔

ترجمہ: ”حضرت (عبد اللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: جب حضرت موسی علیہ السلام طورِ سینا پر تشریف لے گئے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا: وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرتا رہتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں۔“[2]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال موسی علیہ السلام حین کلم ربہ: أی رب! أی عبادک أحب الیک؟ قال أکثرھم لی ذکراً۔ قال: أی عبادک أغنی؟ قال: اراضی بما أعطیتہ۔ قال: أی رب! أی عبادک أحکم؟ قال: الذی یحکم علی نفسہ بما یحکم علی الناس۔

ترجمہ: ”حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمارہا تھا، آپؑ نے عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا نام کثرت سے لیتا رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! تیرا کون سا بندہ سب سے زیادہ غنی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میری عطا پر راضی ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تیرا کون سا بندہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا: جو اپنے لئے ویسا ہی فیصلہ کرتا ہے جیسا کہ دوسرے لوگوں کے لئے کرتا ہے۔“[3]

عن میثم قال: لما قرب اللہ موسیٰ علیہ السلام نجیًا بطور سیناء قال: أی عبادک أحب الیک؟ قال: أکثرھم ذکرا۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر ۱۸: ۲۰، رقم ۳۵۸)

[2] (بیہقی، شعب الایمان، ۱: ۴۵۱، رقم: ۶۸۱، ابو بکر بغدادی، الرحلہ فی طلب الحدیث: ۱۰۳، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۵: ۲۷۷، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۹۷، طبری تاریخ الامم والملوک، ۱: ۲۲۳)

[3] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۷۲، رقم: ۳۴۲۸۶، ابو خیثمہ، کتاب العلم، ۲۲، رقم: ۸۶، بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۲۹۱، رقم: ۱۰۳۴۸)

ترجمہ: ’’میثم سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طورِ سینا پر ہم کلامی کے لئے بلایا تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے تجھے سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا ذکر سب سے زیادہ کرنے والا ہے۔‘‘[1]

عن أبی عمرو الشیبانی، قال موسیٰ علیہ السلام لربہ عز و جل: یا رب! أی عبادک أحب الیک؟ قال: أکثرھم لی ذکرا۔ قال: فأی عبادک أغنی؟ قال: أقنعھم بما أعطیتہ۔ قال: فأی عباد أعدل؟ قال: من أدان نفسہ من نفسہ۔

ترجمہ: ’’ابو عَمَر شیبانی سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا ذکر سب سے زیادہ کرتا ہے۔ عرض کیا: تیرے بندوں مین سب سے زیادہ غنی کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ میری عطاء پر قناعت کرنے والا ہے۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عادل کون ہے؟ فرمایا: جو خود اپنے خلاف بھی فیصلہ کرے۔‘‘[2]

عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: سأل موسیٰ ربہ: رب! أنبئنی أی عبادک أتقی؟ قال: الذی یذکرنی ولا ینسانی۔ قال: أی عبادک أعلم؟ قال: عالم لا یشبع من العلم، قال: الذی یجمع علم الناس الی علمہ۔ قال: فأی عبادک أعزّ؟ قال: الذی اذا قدر غفر۔

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے رب! مجھے بتا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ہر وقت میرا ذکر کرے اور مجھے بھولے نہیں۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو کبھی علم سے سیر نہ ہو، (پھر) فرمایا: وہ جو اپنے علم میں لوگوں کا علم جمع کرلے۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: وہ جو غالب آئے تو معاف کردے۔‘‘[3]

عن محمد بن کعب القرظی، قال: قال موسی ن: یا رب! أی خلقک أکرم علیک؟ قال: الذی لا یزال لسانہ رطبا من ذکری۔ قال: یا رب! أی خلقک أعلم؟ قال: الذی یلتمس الی علمہ علم غیرہ۔ قال: یا رب فأی خلقک أعدل؟ قال: الذی یقضی علی نفسہ کما یقضی علی الناس۔ قال: یا رب! فأی خلقک أعظم ذنبا؟ قال: الذی یتھمنی۔ قال: یا رب! وھل یتھمک احد؟ قال: الذی یستخیرنی ثم لا یرضی بقضائی۔

---

[1] (ضمی، کتاب الدعاء، ۲۸۲:۱، رقم:۱۰۳، ہناد، الزہد، ۲:۶۰۸، رقم:۱۳۰۱)
[2] (ہناد، الزہد، ۱:۲۷۷، رقم:۴۸۹)
[3] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۱۴، رقم:۳۴۱۹)

ترجمہ: ”محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! تیری مخلوق میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کی زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔ موسی علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! تیری مخلوق میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے علم کے ساتھ دوسروں کے علم کا طالب ہو۔ عرض کیا: اے رب! تیری مخلوق میں سب سے بڑا عادل کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنے نفس کے خلاف بھی ویسے ہی فیصلہ کرے جیسے دوسروں کے خلاف کرتا ہے۔ عرض کیا: اے پروردگار! تیری مخلوق میں سب سے بڑا گنہگار کون ہے؟ فرمایا: جو مجھ پر تہمت لگاتا ہے۔ عرض کیا: باری تعالیٰ! کوئی بھلا تجھ پر بھی تہمت لگاتا ہے؟ فرمایا: وہ جو مجھ سے خیر طلب کرے اور پھر میرے فیصلے پر راضی نہ ہو۔“[1]

عن عبداللہ بن الحرث، قال أوحی اللہ الی داؤد أن احبنی و أحب أحبائی و حببنی الی عبادی، قال: یارب أحبک و أحب أحبائک فیکہ أحببک الی عبادک، قال: اذکرنی لھم فانھم لن یذکرمنی الا خیرا۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن حرث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھ سے اور مجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرو اور میرے بندوں میں مجھے محبوب بناؤ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! میں آپ سے اور آپ سے محبت کرنے والوں سے محبت کروں گا لیکن آپ کو آپ کے بندوں میں کیسے محبوب بناؤں؟ فرمایا: ان کے سامنے میرا ذکر (کثرت سے) کیا کرو کہ بے شک میرا ذکر ہی ان کے لئے خیر کا باعث ہو گا۔“[2]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: علامۃ حبّ اللہ حبّ ذکر اللہ، و علامۃ بغض اللہ بغض ذکر اللہ۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ سے محبت کی علامت اللہ کے ذکر سے محبت کرنا ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اللہ کے ذکر سے بغض رکھنا ہے۔“[3]

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما أنّ رسول اللہ ﷺ قال: ان داؤد علیہ السلام قال فیہ یخاطب ربہ ل: یا رب! أی عبادک أحب الیک أحبہ بحبک؟ قال: یا داؤد! أحب عبادی الی نقیّ القلب نقی الکفین، لا یأتی الی أحد سوء و لا یمشی بالنمیمۃ تزول الجبال و لا یزول، و أحبنی و أحب من یحبنی و حببنی الی عبادی۔ قال: یا رب! انک لتعلم أنی أحبک و أحب من یحبک، فکیف أحببک الی عبادک؟ قال: ذکرھم بآیاتی و بلائی و نعمائی یا داؤد! انہ لیس من عبد یعین مظلوما أو یمشی معہ فی مظلمتہ الی أثبت قدمیہ یوم تزل الأقدام۔

---

[1](بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۱، رقم: ۶۸۲)

[2](ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۶۸، رقم: ۳۴۲۵۴)

[3](بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۶۷، رقم: ۴۰۹، ۴۱۰، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۵۴، رقم: ۴۱۴۱، ھندی، کنز العمال، ۱:۴۱۷، ۴۱۸، رقم: ۱۷۷۶)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کی: اے رب! آپ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے تاکہ میں آپ کی محبت کی وجہ سے ان سے محبت کروں؟ فرمایا: اے داؤد! مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کا دل اور دونوں ہتھیلیاں پاک وصاف ہوں، کسی سے برائی کرے نہ کسی کی چغلی کھائے اور اس پر ثابت قدم رہے۔ مجھ سے اور مجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرے، اور میرے بندوں کو میری محبت سکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے اور تجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرتا ہوں لیکن تیرے بندوں کو تیری محبت کیسے سکھاؤں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں میری نشانیاں، میری آفات اور میری نعمتیں (کثرتِ ذکر سے) یاد دلاؤ۔ اے داؤد! میرا جو بندہ بھی مظلوم کی مدد کرے گا یا اس کی دادرسی کے لئے اس کے ساتھ چلے گا، میں اسے اس دن ضرور ثابت قدم رکھوں گا جس دن قدم پھسل جائیں گے۔“[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله ﷺ قال: سأل موسی ربه عن ست خصال كان يظن أنها له خالصة والسابعة لا يكن موسی يحبها۔ قال: يارب! أی عبادک أتقی؟ قال: الذی يذكر ولا ينسی، قال: فأی عبادک أهدی؟ قال: الذی يتبع الهدی، قال: فأی عبادک أحكم؟ قال: الذی يحكم للناس كما يحكم لنفسه۔ قال: فأی عبادک أعلم؟ قال: عالم لا يشبع من العلم، يجمع علم الناس الی علمه، قال: فأی عبادک أعز؟ قال: الذی اذا قدر غفر۔ قال: فأی عبادک أغنی؟ قال: الذی يرضی بما يؤتی۔ قال فأی عبادک أفقر؟ قال: صاحب منقوص۔ قال رسول الله ﷺ: ليس الغنی عن ظهر، انما الغنی غنی النفس، واذا أراد الله بعبد خيرا، جعل غناه فی نفسه، وتقاه فی قلبه، واذا أراد الله بعبد شرا، جعل فقره بين عينيه۔

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے چھ خصائل کے بارے میں سوال کیا: ان کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ ان میں بتمام وکمال پائے جاتے ہیں اور ساتویں خصلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پسند نہ تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے رب! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ فرمایا: وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرے اور مجھے بھولے نہیں۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ کون ہے؟ فرمایا: وہ جو ہدایت کی پیروی کرے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا حاکم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو لوگوں کے لئے وہی فیصلہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ

[1] (بیہقی، شعب الایمان، ۶:۱۱۹، رقم:۷۶۶۸، دیلمی، الفردوس، بماثور الخطاب، ۳:۱۹۵، رقم:۴۵۴۳، مناوی، الاتحافات السنیه بالاحادیث القدسیه، ۱۱۲،۱۱۳، رقم:۲۵۸، سیوطی، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۱۲)

جو علم سے سیر نہ ہو اور لوگوں کا علم بھی اپنے علم میں جمع کرے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ فرمایا: وہ جو غالب آئے تو معاف کر دے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ غنی کون ہے؟ فرمایا: جو جتنا ملے اس پر راضی ہو جائے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا فقیر کون ہے؟ فرمایا: وہ جس کا غنا کم ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنا مال کا غنا نہیں ہے بلکہ دل کا غنی ہونا مراد ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں غنا پیدا فرما دیتا ہے اور اس کے دل میں تقویٰ ڈال دیتا ہے اور جب کسی بندے کو اس کے شر کی سزا دینا چاہتا ہے تو اس کا فقر اس کے سامنے کر دیتا ہے۔"[1]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: ثلاثه لا یرد اللہ دعاءهم: الذاکر للہ کثیرا و دعوة المظلوم و الامام المقسط۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا: کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے، مظلوم، اور عادل حکمران۔"[2]

عن ابی امامة الباهلی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من اوی الی فراشه طاهرا یذکر اللہ حتی یدرکه النعاس لم یتقلب ساعة من اللیل سأل اللہ من خیر الدنیا و الاخرة الا اعطاه ایاه۔

"حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو پاکیزگی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بستر پر دراز ہوا تو رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزری یہاں تک کہ اسے اونگھ آ گئی، کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کی ہو اور اس نے اسے عطا نہ کی ہو۔"[3]

عن معاذ أن النبی ﷺ قال من آوی الی فراشه طاهرا یذکر اللہ تعالیٰ حتی تغلبه عیناه فتعار من اللیل لم یسأل اللہ خیرا من خیر الدنیا و الاخرة الا اعطاه۔

"حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی پاکیزگی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بستر پر دراز ہوا یہاں تک کہ اسے نیند محسوس ہونے لگی لیکن اس نے رات حالتِ بیداری میں گزار دی تو دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہیں کہ جس کا وہ سوال کرے اور وہ اسے عطا نہ کرے۔"[4]

---

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۱۴:۱۰۱، رقم:۶۲۱۷، ہیثمی، موارد الظمان، ۵۰، رقم:۸۶)

[2] (بیهقی، شعب الایمان ۱:۴۱۹ رقم ۵۸۸، ۲:۱۱ رقم ۷۳۵۸، عجلونی، کشف الخفاء ۱:۳۹۰، رقم:۱۰۴۵)

[3] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۴۰، رقم:۳۵۲۶، طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۲۵، رقم:۷۵۶۸، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۲۳۱، رقم:۸۸۰، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۵۱، مبارکپوری، تحفة الاحوذی، ۹:۳۶۰، رقم:۱۰۲)

[4] (نسائی، السنن الکبریٰ، ۶:۲۰۱، رقم:۱۰۶۴۱، نسائی، عمل الیوم واللیلة، ۱:۴۶۹، رقم:۸۰۵)

عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من بات ذاکرا طاھرا ثم تعار من اللیل لم یسأل اللہ حاجة للدنیا و الآخرة الا اعطاہ اللہ۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حالتِ طہارت میں ذکر کرتے ہوئے رات گزاری اور پھر بیدار رہا تو دنیا و آخرت کی جو حاجت بھی وہ پیش کرے گا اللہ تعالیٰ پوری فرمائے گا۔“[1]

عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ ﷺ ما من رجل نام طاھرا علی ذکر فتعار من اللیل یسأل خیر الدنیا و الآخرة الا اعطاہ۔

ترجمہ: ”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو کہ حالت پاکیزگی میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے پھر بیدار ہو، وہ دنیا و آخرت کی جس بھلائی کا بھی طلب گار ہوتا ہے، اسے عطا کی جاتی ہے۔“[2]

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ ما من رجل نام طاھرا علی ذکر فتعار من اللیل یدعو اللہ حثیما الا اعطاہ۔

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی حالتِ پاکیزگی میں ذکر کرتے ہوئے لیٹے اور رات بھر جاگتا رہے تو وہ اللہ سے جو بھی مانگے گا عطا ہو گا۔“[3]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: یقول اللہ ل: من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ أفضل ما أعطی السائلین۔

ترجمہ: ”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے زیادہ دوں گا۔“[4]

عن مالک بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یقول اللہ ل من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ فوق ما أعطی السائلین۔

---

[1] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱۱۱:۱، رقم:۱۲۶۵)

[2] (رویانی، المسند، ۳۰۲:۲، رقم:۱۲۴۹)

[3] (بخاری، الکنیٰ:۴۷، رقم:۴۰۹)

[4] (بخاری، التاریخ الکبیر، ۱۱۵:۲، رقم:۱۸۷۹، بخاری، خلق افعال العباد: ۱۰۹، حکیم ترمذی، نوادرالاصول فی احادیث الرسول ﷺ ۲۶۴:۳، بیہقی، شعب الایمان، ۴۱۳:۱، رقم: ۵۷۲، ۴۶۷:۳، رقم:۴۰۸۰، بیہقی، فضائل الاوقات: ۳۷۳، ابن عبد البر، التمہید، ۴۵:۶، ۴۶، ابن قیسرانی، تذکرۃ الحفاظ، ۹۹۶:۳، رقم:۹۲۶، مزی، تہذیب الکمال، ۲۴۸:۴، رقم:۲۶۷، ۱۹۶:۱۳، رقم:۲۸۸۴، عسقلانی، فتح الباری، ۱۴۷:۱۱، ۴۸۹:۱۳، زرقانی، شرح الموطاء، ۴۴:۲، ۵۳، مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۳۳:۱۰، مناوی، فیض القدیر، ۳۴:۲، ۵۳۶:۳، ۱۲۰:۵ مناوی نے 'الاتحافات السنیہ بالاحادیث القدسیہ (ص ۶۶، رقم ۱۴۸) میں کہا ھے کہ اسے بخاری، بزار اور بیہقی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ھے، سیوطی، الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۵۴۸:۱، آلوسی، روح المعانی ۵۲:۱۵، ۲۵، ۳۷)

ترجمہ: ”حضرت مالک بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا، میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے بڑھ کر دوں گا۔“[1]

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنھما، عن النبی ﷺ یرویہ عن ربہ تبارک و تعالیٰ، قال ل: من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ أفضل ما أعطی السائلین۔

ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے ربّ سے روایت فرماتے ہیں کہ: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا، میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے بہتر دوں گا۔“[2]

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ، قال اللہ ل: من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ قبل أن یسألنی۔

”حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جسے میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگنے کی فرصت نہ ملی، میں اسے سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیتا ہوں۔“[3]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما، قال: یا رسول اللہ ﷺ! ما غنیمۃ مجالس الذکر؟ قال: غنیمۃ مجالس الذکر الجنۃ۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مجالس ذکر کی غنیمت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجالسِ ذکر کی غنیمت جنت ہے۔“[4]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ قال: لیذکرن اللہ قوما فی الدنیا علی الفرش الممھدۃ یدخلھم الدرجات العلی۔

---

[1] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۳۴، رقم: ۲۹۲۷۱، ابن ابی شیبہ نے المصنف (۶:۳۴، رقم: ۲۹۲۷۳) میں اسے مرفوعاعمرو بن مرہ سے بھی روایت کیا ھے، قضاعی، مسند الشھاب، ۲:۳۲۶، رقم: ۸۸۹، بیھقی، فضائل الاوقات، ۳۷۰)

[2] (قضاعی، مسند الشھاب، ۱:۳۴۰، رقم: ۵۸۴، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۳، ۴۱۴، رقم: ۵۷۳، بیہقی نے 'فضائل الاوقات' (ص ۳۷۰) میں، اور ابنِ تیمیہ نے 'دقائق التفسیر (۲:۳۶۲) میں، یہ حدیث مالک بن حویرث سے روایت کی ہے)

[3] (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷:۳۱۳، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۶۸، قم: ۴۴۴۶، سیوطی نے 'الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۶:۴۱۸) میں کھاھے کہ ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے 'دلائل النبوہ' میں یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ھے۔)

[4] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۹۰، رقم: ۶۷۷۷، ۲:۱۷۷، رقم: ۶۶۵۱، طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۲۷۳، رقم: ۱۳۲۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۱، رقم: ۲۳۲۴، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸، سیوطی، الدر المنثور فی التفرسیر بالماثور، ۱:۳۶۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں کچھ لوگ بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، وہ انہیں (جنت کے) بلند درجات میں داخل کر دے گا۔“[1]

عن أبی الدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: ان الذین لا تزال ألسنتھم رطبة من ذکر اللہ یدخلون الجنة وھم یضحکون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کی زبانیں ذکر اللہ سے ہمیشہ تر رہتی ہیں، وہ مسکراتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔“[2]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ قال: اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا، قالوا: وما ریاض الجنة؟ قال: حلق الذکر۔

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو خوب کھایا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔“[3]

عن الأسود بن ھلال المحاربی، قال: قال: لی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اجلس بنا نؤمن ساعة یعنی نذکر اللہ۔

ترجمہ: ”اسود بن ہلال محاربی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا: ہمارے ساتھ بیٹھو کہ ہم ایک گھڑی کے لئے ایمان لائیں یعنی مل کر اللہ کا ذکر کریں۔“[4]

کان عبد اللہ بن رواحة یأخذ بید النفر من أصحابه، فیقول: تعالوا نؤمن ساعة، تعالوا فلنذکر اللہ ونزدد ایمانا، تعالوا انذکرہ بطاعته، لعله یذکرنا بمغفرته۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: آؤ ایک گھڑی کے لئے مؤمن بن جائیں، آؤ ہم مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور ایمان میں اضافہ کریں، آؤ ہم اس کا ذکر اس کی اطاعت کے ساتھ کریں شاید کہ وہ اپنی شانِ مغفرت کے ساتھ ہمارا ذکر کرے۔“[5]

---

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۱۲۴، رقم:۳۹۸، ابو یعلی، المسند، ۲:۳۵۹، رقم:۱۱۱۰، ۲:۵۲۷، رقم:۱۳۹۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۶، رقم:۲۳۰۲، ھیثمی، موارد الظمآن، رقم:۲۳۱۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

[2] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۱۱۱، رقم:۳۴۵۸۷، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۲، ابن مبارک، الزھد، ۱:۳۹۷، ابن ابی عاصم، الزھد، ۱:۱۳۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۵، ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۱:۲۱۹، ۵:۱۳۳، ابن جوزی، صفة الصوفة، ۱:۶۳۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۶)

[3] (ترمذی، السنن، ۵:۵۳۲، رقم:۳۵۱۰، احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵۰، رقم:۱۲۵۴۵، ابو یعلیٰ، المسند، ۶:۱۵۵، رقم:۳۴۳۲، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۸، رقم:۵۲۹، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۲، رقم:۲۳۲۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۶)

[4] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۶:۱۶۴، رقم:۳۰۳۶۳، ۷:۱۲۶، رقم:۳۴۶۹۸، عبد اللہ بن احمد، السنه، ۱:۳۷۹، رقم:۸۲۳، عسقلانی، فتح الباری، ۱:۴۸، عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۲:۲۱)

[5] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۶:۱۷۰، رقم:۳۰۴۲۶)

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ان أهل السماء ليرون بيوت أهل الذكر تضئ لهم كما تضئ الكواكب لأهل الأرض۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آسمان والے اللہ کا ذکر کرنے والوں کے گھروں کو ایسے روشن دیکھتے ہیں جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔“[1]

عن سابط رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی ﷺ قال: ان البيت الذی يذكر فيه ليضئ لأهل السماء كما تضئ النجوم لأهل الأرض۔

ترجمہ: ”وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ آسمان والوں کے لئے اس طرح روشن ہوتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے روشن ہوتے ہیں۔“[2]

عن أبی سعيد رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله ﷺ قال: يقول الله جل و علا: سيعلم أهل الجمع اليوم من أهل الكرم؟ فقيل: من أهل الكرم، يا رسول الله صلى الله عليك و آلک و سلم؟ قال: أهل مجالس الذكر فی المساجد۔

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: قیامت کے دن اکٹھا ہونے والوں کو پتہ چلے گا کہ بزرگی اور سخاوت والے کون ہیں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیک وآلک وسلم، بزرگی والے کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مساجد میں مجالسِ ذکر منعقد کرنے والے۔“[3]

عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه: أن رسول الله ﷺ قال: ليذكرن الله قومٌ فی الدنيا على الفرش الممهدة يدخلهم الدرجات العلى۔

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں کچھ لوگ بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، وہ انہیں بزرگی والے درجات میں داخل کر دے گا۔“[4]

عن عقبة بن عامر الجهنی رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله ﷺ قال: يجمع الناس فی صعيد واحد ينفذهم البصر ويسمعهم الداعی، فينادی مناد: سيعلم أهل الجمع لمن الكرم اليوم ثلاث مرات، ثم يقول: أين الذين كانت {تَتَجَافَى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ} (السجده، ۳۲:۱۶) ثم يقول: أين الذين كانوا {لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ

---

[1] (ابن ابی شیبه المصنف، ۷:۱۷۰، رقم: ۳۵۰۵۵، ابن حبان، طبقات المحدثين، ۴:۲۸۲، رقم: ۲۶۸، سيوطی، الدر المنثور فی التفسير بالماثور، ۱:۳۶۷)

[2] (ابن حجر، الاصابه فی تميز الصحابه، ۳:۳، مناوی، فيض القدير، ۲:۳۲۵)

[3] (ابن حبان، الصحيح، ۳:۹۸، رقم: ۸۱۶، احمد بن حنبل، ۳:۶۸، رقم: ۱۱۶۷۰، ۳:۷۶، رقم: ۱۱۷۴۰، ابو يعلى، المسند، ۳:۷۶، رقم: ۱۰۴۶، بيهقی، شعب الايمان، ۱:۴۰۱، رقم: ۵۳۵، ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۵۳، رقم: ۸۱۰۴، منذری، الترغيب والترهيب، ۲:۲۵۹، رقم: ۲۳۱۸، هيثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۶، هيثمی، موارد الظمآن، ۱:۵۷۶، رقم: ۲۳۲۰)

[4] (ابن حبان، الصحيح، ۲:۱۲۴، رقم: ۳۹۸، ابو يعلى، المسند، ۲:۳۵۹، رقم: ۱۱۱۰، ۲:۵۲۷، رقم: ۱۳۹۱، منذری، الترغيب والترهيب، ۲:۲۵۶، رقم: ۲۳۰۲، هيثمی، موارد الظمآن، ۵۷۶، رقم: ۲۳۱۹، هيثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

اللّٰہ} (النور، ۲۴: ۳۷) الی آخر الآیۃ، ثم ینادی مناد: سیعلم الجمع لمن الکرم الیوم؟ ثم یقول: أین الحمادون الذین کانوا یحمدون ربھم۔

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ روزِ محشر تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا جہاں ہر آنکھ انہیں دیکھ سکے گی اور ہر پکارنے والا انہیں سنا سکے گا۔ روزِ محشر ایک منادی ندا دے گا: عنقریب جان لیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو اکرام کون ہیں؟ یہ جملہ تین بار دہرایا جائے گا، پھر کہے گا: کہاں ہیں وہ جن کے پہلو اُن کے بستر سے جدا رہتے تھے اور کہاں ہیں وہ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی؟ پھر وہ ندا دے گا: اہلِ محشر عنقریب جان لیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو اکرام کون ہیں؟ پھر کہے گا: کہاں ہیں اپنے رب کی بہت زیادہ حمد کرنے والے۔“[1]

عن أسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا، قالت: قال رسول اللہ ﷺ: یبعث اللہ یوم القیامۃ منادیا ینادی: سیعلم أھل الجمع الیوم من أولی بالکرم، أین الذین {لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ} فیقومون فیدخلون الجنۃ، ثم یرجع المنادی، فیقول: سیعلم أھل الجمع من أولی بالکرم أین الذی {تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ} فیدخلون الجنۃ، ثم یرجع المنادی، فیقول: سیعلم أھل الجمع من أولی بالکرم، فیقول: أین الحمادون اللہ علی کل شئ، وھم أکثر من الصنفین الأولین فیدخلون الجنۃ۔

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک منادی کو کھڑا کرے گا جو ندا دے گا: اہلِ محشر عنقریب جان لیں گے کہ صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں؟ کہاں ہیں وہ ”جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی“؟ پس وہ کھڑے ہوں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ منادی لوٹ آئے گا اور کہے گا اہل محشر عنقریب جان جائیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں۔ کہاں ہیں وہ جن کے پہلو ان کے بستر سے جدا رہتے تھے؟“ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ منادی واپس آکر پھر ندا دے گا اہل محشر عنقریب جان لیں گے کہ صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں؟ پھر وہ کہے گا: کہاں ہیں ہر حال میں اللہ کا زیادہ حمد کے ساتھ ذکر کرنے والے؟ اور وہ پہلی دونوں قسموں سے زیادہ ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔“[2]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عن رسول اللہ ﷺ قال: ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ لا یریدون بذلک الا وجھہ الا ناداھم مناد من السماء: ان قوموا مغفورا لکم، قد بدلت سیئاتکم حسنات۔

---

[1] (ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۷۸، حاکم، المستدرک، ۲: ۴۳۳)

[2] (عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۵۷)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کچھ لوگ محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اجتماعی طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے: کھڑے ہو جاؤ! تمہیں بخش دیا گیا ہے، تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے گئے ہیں۔“[1]

عن سهيل بن حنظلة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ما جلس قوم مجلسا يذكرون اللہ فيه فيقومون حتى يقال لهم: قوموا! قد غفر لكم ذنوبكم وبدلت سيئاتكم حسنات۔

ترجمہ: ”حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کچھ لوگ مجلسِ ذکر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اٹھتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے: کھڑے ہو جاؤ! تمہیں بخش دیا گیا ہے، تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے گئے ہیں“۔[2]

عن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رجلا قال: يا رسول اللہ صلی اللہ عليک وآلک وسلم! ان شرائع الاسلام قد كثرت علي فأخبرني بشيء اتشبث به، قال: لا يزال لسانک رطبا من ذكر اللہ۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! شرعی احکام میری استطاعت سے زیادہ ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس پر میں ثابت قدم رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔“[3]

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: سألت رسول اللہ ﷺ: أی الأعمال أحب الی اللہ؟ قال: أن تموت ولسانک رطب من ذكر اللہ۔

---

[1] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۴۲، رقم:۱۲۴۷۶، ابویعلی، المسند، ۹:۱۶۷، رقم: ۴۱۴۱، بیہقی نے 'شعب الایمان' (۱:۴۰۱، رقم:۵۳۴) میں حضرت عبد بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت لی ھے، (ابونعیم، حلية الاولياء و طبقات الاصفياء، ۳:۱۰۸، مقدسی، الاحاديث المختاره، ۷:۲۳۵، رقم:۲۶۷۷، منذری، الترغيب والترهيب، ۲:۲۶۰، رقم:۲۳۲۰، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۶)

[2] (طبرانی، المعجم الكبير، ۶:۲۱۲، رقم:۶۰۳۹، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۴، رقم:۶۹۵، منذری، الترغيب والترهيب، ۲:۲۶۰، رقم:۲۳۲۱، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۶)

[3] (ترمذی، الجامع الصحيح، ۵:۴۵۸، رقم:۳۳۷۵، ابن ماجه، السنن، ۲:۱۲۴۶، رقم:۳۷۹۳، احمد بن حنبل، المسند، ۴:۱۹۰، ابن حبان، الصحيح، ۳:۹۶، رقم:۸۱۴، ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۳، حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۲، رقم:۱۸۲۲، طبرانی، المعجم الاوسط، ۲:۱۱۹، رقم:۱۴۴۱، بیہقی، السنن الكبرىٰ، ۳:۳۷۱، رقم:۶۳۱۷، مقدسی، الاحاديث المختاره، ۹:۸۵، رقم:۶۸، منذری، الترغيب والترهيب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۰، ابن قانع، معجم الصحابه، ۲:۸۱)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تجھے موت آئے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔“[1]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان الذین لا تزال ألسنتھم رطبة من ذکر اللہ یدخلون الجنة وھم یضحکون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تَر رہتی ہیں وہ جنت میں مسکراتے ہوئے داخل ہوں گے۔“[2]

عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل النبی ﷺ: أی الأعمال أفضل؟ قال: أن تموت یوم تموت ولسانک رطب من ذکر اللہ۔

ترجمہ: ”حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس دن تجھے موت آئے، اس وقت تیری زبان اللہ کے ذکر سے تَر ہو۔“[3]

عن أبی المخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: مررت لیلة أسری بی برجل مغیب فی نور العرش، فقلت: من ھذا، أملک؟ قیل: لا، قلت: أنبی؟ قیل: لا، قلت: من ھو: قال: ھذا رجل کان لسانه رطب من ذکر اللہ وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط۔

ترجمہ: ”حضرت ابو مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا، وہ عرش کے انوار میں مستور تھا۔ میں نے کہا: یہ کون شخص ہے؟ کیا یہ فرشتہ ہے؟ کہا گیا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا یہ کوئی نبی ہے؟ کہا گیا نہیں۔ میں نے کہا: تو پھر یہ کون ہے؟ کہا: یہ وہ ذاکر ہے جس کی زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تَر رہتی تھی اور اس کا دل مسجدوں میں معلق رہتا تھا اور اس نے کبھی اپنے والدین کو گالی نہیں دی۔“[4]

---

[1] (ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۹، رقم:۸۱۸، بخاری، خلق افعال العباد: ۷۲، طبرانی، المسند الشامیین، ۱:۱۲۲، رقم:۱۹۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰:۹۳، رقم:۱۸۱، ۲۰:۱۰۷، رقم:۲۱۲، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۳، رقم:۵۱۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۶۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۱۲۵۳، رقم:۲۲۹۱، ہیثمی، مواردالظمآن، ۵۷۶، رقم:۲۳۱۸، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴، حسینی، البیان والتعریف، ۱:۳۰، رقم:۵۳)

[2] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۱۱۱، رقم:۳۴۵۸۷، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۲، ابن مبارک، الزھد، ۱:۳۹۷، ابن ابی عاصم، الزھد، ۱:۱۳۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۵، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ۱:۲۱۹، ۵:۱۳۳، ابن جوزی، صفۃ الصفوہ، ۱:۶۳۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۶)

[3] (ابن مبارک، الزھد، ۱:۴۰۱)

[4] (ابن ابی الدنیا، الاولیاء، ۱:۳۸، رقم:۹۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۲)

عن عبد اللہ بن بسر المازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء أعرابی الی النبی ﷺ فقال: یا رسول اللہ ﷺ! أی الناس خیر؟ قال: طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔ قال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! أی الأعمال أفضل؟ قال: أن تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کون سے لوگ افضل ہیں؟ فرمایا: مبارک ہو اس کو جس نے نیک عمل کے ساتھ لمبی عمر پائی۔ دیہاتی نے عرض کیا: کون سے اعمال افضل ہیں؟ ارشاد فرمایا: تیرا دل دنیا سے کٹ جائے اور تیری زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے۔“[1]

عن عبد اللہ بن بسر المازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جاء أعرابیان الی النبی ﷺ فقال احدھما: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! أی الناس خیر؟ فقال: طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔ فقال الآخر: أی العمل خیر؟ قال: أن تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ ل۔ قال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! ویکفینی، قال: نعم، ویفضل عنک۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں دو دیہاتی حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کون سے لوگ افضل ہیں؟ فرمایا: مبارک ہو جس نے نیک عمل کے ساتھ لمبی عمر پائی۔ دوسرے اعرابی نے عرض کیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا دنیا کی محبت سے الگ ہونا اور تیری زبان کا اللہ کے ذکر سے تر رہنا۔ اس نے عرض کیا: کیا یہ میرے لئے کافی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمای: ہاں، بلکہ یہ زیادہ بھی ہو جائے گا۔“[2]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من بقعة یذکر اللہ أو بذکر الا استبشرت بذلک الی منتھاھا من سبع أرضین وفخرت علی ما حولھا من البقاع، وما من عبد یقوم بفلاۃ من الأرض یرید الصلوۃ الا تزخرفت لہ الأرض۔

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین کا ہر وہ خطہ جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ اس ذکر کی وجہ سے ساتوں زمینوں کی انتہا تک خوشی مناتا ہے اور اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور جب بھی بندہ بنجر زمین پر کھڑا ہو کر نماز کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر زمین فخر کرتی ہے۔“[3]

---

[1] (ابن جعد، المسند، ۲۹۲:۱، رقم: ۱۳۴۳)

[2] (شیبانی، الآحاد والمثانی، ۱۵:۳)

[3] (ابو یعلی، المسند، ۱۴۳:۷، رقم: ۴۱۱۰، ابن مبارک، الزھد، ۱۱۵:۱، رقم: ۳۳۹، قزوینی، التدوین فی اخبارِ قزوین، ۱۶:۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۱۶۲:۱، رقم: ۵۹۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۷۸:۱۰)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من بقعة يذكر الله الا فخرت على ما حولها من البقاع و استبشرت بذكر الله منتهاها الى سبع أرضين۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس خطہ ارضی پر اللہ کا ذکر کیا جائے وہ اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ساتوں زمینوں کی انتہاء تک خوشی مناتا ہے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من بقعة يذكر الله الا فخرت على ما حولها من البقاع، و ما من عبد يقوم بفلاة من الأرض الا استبشرت لذكر الله الى منتهاها الى سبع أرضين۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس خطۂ ارضی پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور بنجر زمین کا وہ خطہ جس پر کوئی شخص نماز ادا کرتا ہے اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور اللہ کے ذکر سے ساتوں زمینوں کی انتہا تک خوشی مناتا ہے۔“[2]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من بقعة يذكر اسم الله و ذكر الا استشرف بذكر الله الى منتهاها من سبع أرضين الا فخرت على ما حولها من البقاع۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: زمین کے جس خطہ پر اسم الٰہی کا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے وہ ساتوں زمینوں کی انتہاء تک شرف والا ہو جاتا ہے اور ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے۔“[3]

قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما: ان الجبل لينادى الجبل باسمه: أى فلان! هل مر بك أحد ذكر الله؟ فاذا قال: نعم، استبشر۔

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پکارتا ہے: اے فلاں (پہاڑ)! کیا تیرے پاس سے کوئی اللہ کا ذاکر گزرا ہے؟ پس جب وہ پہاڑ ”ہاں“ میں جواب دیتا ہے تو وہ خوشی مناتا ہے۔“[4]

قال أبو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذكروا الله كل حجيرة و شجيرة لعلها تأتي يوم القيامة تشهد لكم۔

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہر حجر و شجر کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ قیامت کے دن وہ تمہارے حق میں گواہی دے۔“[5]

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱:۱۹۳، رقم: ۱۱۴۷۰)

[2] (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹)

[3] (ابن حیان، العظمہ، ۵:۱۷۱۲، ۱۷۱۳)

[4] (طبرانی، المعجم الکبیر ۹:۱۰۳، رقم: ۸۵۴۳، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۲، رقم: ۵۳۸، ۱:۴۵۳، رقم: ۶۹۱، ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء، ۴:۴۲، ابن حیان، العظمہ، ۵:۱۷۱۷، رقم: ۱۱۷۶۲، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۱۴۰)

[5] (طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۳۸۸، رقم: ۶۷۱، ابن حیان، العظمہ، ۵:۱۷۱۳، عجلونی، کشف الخفاء، و مزیل الالباس، ۲:۱۸، رقم: ۱۵۶۶)

عن أسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا: أنہا سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ألا أنبئکم بخیارکم؟ قالوا: بلی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! قال: خیارکم الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم میں سے سب سے بہتر کے بارے میں تمہیں خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں کہ جنہیں دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[1]

عن أسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا: أن رسول اللہ ﷺ قال: ألا أخبرکم بخیارکم؟ قالوا: بلی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! قال: الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم میں سے بہتر کے بارے میں تمہیں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکر الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[2]

عن عبد الرحمن ابن غنم، یبلغ بہ النبی ﷺ: خیار عباد اللہ الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں: اللہ کے سب سے بہترین بندے وہ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکر الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[3]

عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: ان خیار أمتی الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں دیکھنا ہی ذکر الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[4]

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان من الناس مفاتیح لذکر اللہ اذا رؤوا ذکر اللہ۔

---

[1] (ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۳۷۹، رقم: ۴۱۰۹)

[2] (احمد بن حنبل، المسند، ۶:۴۵۹، رقم: ۲۷۶۴۰، بخاری، الادب المفرد، ۱:۱۱۹، رقم: ۳۲۳، ابن راھویہ، المسند، ۱۸۰، رقم: ۲۴، ابن حمید، المسند، ۱:۴۵۷، رقم: ۱۵۸۰، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴:۱۶۷، رقم: ۴۲۴، بیہقی، شعب الایمان، ۷:۴۹۴، رقم: ۱۱۱۰۸، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۷۱، رقم: ۳۶۵۷، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۸:۹۳، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۴۰۵)

[3] (احمد بن حنبل، المسند، ۴:۲۲۷، بزار، المسند، ۷:۱۵۸، رقم: ۲۷۱۰، منذری، الترغیب والترھیب، ۳:۳۲۵، رقم: ۲۴۷۶، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۴۰۵)

[4] (بزار، المسند، ۷:۱۵۸، رقم: ۲۷۱۹)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعض لوگ اللہ کے ذکر کی چابیاں ہیں کہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث بنتا ہے۔“[1]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ أنہ قال: خیارکم الذین اذا رؤوا ذکر اللہ بھم۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو۔“[2]

عن سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال: سئل رسول اللہ ﷺ عن أولیاء اللہ فقال: الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اولیاء اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رجل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! من أولیاء اللہ؟ قال: الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکر الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[4]

عن خالد بن معدان، قال: ان اللہ یتصدق کل یوم بصدقۃ فما تصدق علی عبدہ بشیئ أفضل من ذکرہ۔

خالد بن معدان سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ روزانہ خیرات عطا کرتا ہے پس بندے کو اپنے ذکر سے افضل کوئی خیرات عطا نہیں کرتا۔[5]

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ما من یوم ولا لیلۃ ولا ساعۃ الا و اللہ فیھا صدقۃ، یمنّ بھا علی من یشاء من عبادہ، وما منّ علی عبد بمثل أن یلھمہ ذکرہ۔

---

[1] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰:۲۰۵، رقم:۱۰۴۷۶، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸، ابن ابی دنیا، الاولیاء، ۱:۱۷، رقم:۲۶، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۵، رقم:۶۹۹، شیبانی، العلل ومعرفۃ الرجال، ۳:۱۷۱، رقم:۴۷۶۰، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۱:۱۳۱، ابو زکریا، تاریخ ابن معین، ۳:۴۱۴، رقم:۲۰۲۵)

[2] (بیہقی، شعب الایمان، ۵:۲۹۷، رقم:۶۷۰۸)

[3] (طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۱:۱۳۱، ۱۳۲، ابن مبارک، الزھد، ۱:۷۲، رقم:۲۱۷، ابن ابی دنیا، الاولیاء، ۱:۱۸، رقم:۲۷)

[4] (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸، ابن مبارک، الزھد، ۱:۷۲، رقم:۲۱۸، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول ﷺ ۴:۸۰، ۸۶، مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۱۰:۱۰۸، ۱۰۹، رقم:۱۰۶، ۱۰۵، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲:۴۲۳، حسینی، البیان والتعریف، ۱:۳۰۸، رقم:۸۲۷)

[5] (ابن ابی شیبہ، المصنف ۶:۶۱، رقم:۲۹۴۸۱، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۱:۳۶۳)

”حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر دن اور رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے خیرات سے نوازتا ہے اور کسی بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی توفیق سے بڑھ کر کسی خیرات سے نہیں نوازا۔“[1]

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان اللہ تبارک و تعالیٰ یقول: یا ابن آدم! انک اذا ذکرتنی شکرتنی، و اذا نسیتنی کفرتنی۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! جب تو نے میرا ذکر کیا تو میرا شکر ادا کیا، اور جب تو میرے ذکر سے غافل ہوا تو میری ناشکری کی۔“[2]

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ألا! ان الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ، و ما والاہ و عالم أو متعلم۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خبردار! بے شک دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر اور اس چیز کے جو ذکر میں مدد دے، اور عالم اور متعلم۔“

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا عالم أو متعلم و ذکر اللہ و ما والاہ۔

حضرت (عبد اللہ) بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب ملعون ہے سوائے عالم، متعلم، ذکرِ الٰہی اور اس کے مددگار کے۔[3]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ و ما أدی ذکر اللہ و العالم و المتعلم فی الأمر سواء و سائر الناس ھمج لا خیر فیھم۔

[1] (بزار، المسند، ۹:۳۳۶، رقم: ۳۸۹۰، شیبانی، الآحاد والمثانی، ۲:۲۳۱، رقم: ۲۸۹، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۷، رقم: ۲۳۰۸، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۳۷، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۹:۳۴۷، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۳)

[2] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۷:۲۰۰، رقم: ۷۲۶۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۸۱، رقم: ۴۴۹۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۸، رقم: ۲۳۱۴، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴:۳۳۸، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۸۰)

[3] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۲۳۶، رقم: ۴۰۷۲، طبرانی، المسند الشامیین، ۱:۱۰۷، رقم: ۱۶۳، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۲)

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی اور اس کے جو ذکر الٰہی میں مدد گار ثابت ہو اور عالم اور متعلم کے، ان کا حکم ایک جیسا ہے اور (ذکرِ الٰہی سے غافل) تمام لوگ رذیل ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں۔“[1]

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما، قال: قال رسول اللہ ﷺ ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل عن الفارین و ذاکر اللہ فی الغافلین کالمصباح فی البیت المظلم، و ذاکر اللہ فی اللہ مقعده و لا یعذب بعده و ذاکر اللہ فی الغافلین له من الأجر بعدد کل فصیح فی السوق و اعجمی، و ذاکر اللہ فی الغافلین ینظر اللہ الیه نظرة لا یعذبه اللہ بعدها أبدا و ذاکر اللہ فی السوق له بکل شعرة نور یوم القیامة۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غافلین میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے بعد بر سرپیکار رہنے والے کی مانند ہے۔ غافلین میں ذکر کرنے والا تاریک گھر میں چراغ کی مانند ہے۔ غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی ہی میں جنت میں اس کا مقام دکھا دیتا ہے اور غافلین میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو تمام ناطق و غیر ناطق افراد کی تعداد کے برابر اجر دیا جاتا ہے اور غافلین میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ایسی نظر فرماتا ہے کہ اس کے بعد اسے کبھی عذاب نہیں دے گا اور بازار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کے ہر بال پر قیامت کے دن نور ہو گا۔“[2]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنهما، عن النبی ﷺ قال: ذاکر اللہ فی الغافلین بمنزلة الصابر فی الفارین۔

حضرت (عبد اللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا (میدان جنگ سے) بھاگنے والوں کے درمیان ثابت قدم رہنے والے کے درجہ میں ہے۔“[3]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: ذاکر فی الغافلین مثل الذی یقاتل عن الفارین، و ذاکر اللہ فی الغافلین مثل الشجرة الخضراء فی وسط الشجر، الذی قد تحات یعنی من الضریب، ذاکر اللہ فی الغافلین یعرفه اللہ ل مقعده فی الجنة۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غافلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کی مثال میدانِ جنگ میں راہ فرار اختیار کرنے والوں میں سے لڑنے والے کی طرح ہے اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے

---

[1] (ابن ابی عاصم، کتاب الزهد، ۱:۱۳۷، ابن مبارک، الزهد، ۱:۱۹۲، رقم:۵۴۳، بیهقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱:۲۶۹، رقم:۳۸۳، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۶:۴۱۵)

[2] (بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۲، رقم:۵۶۷، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۳۳۷، رقم:۲۶۲۲، ابن مبارک، الزهد، ۱:۱۲۲، رقم:۳۵۷، بزار، المسند، ۵:۱۲۶، رقم:۱۷۵۹)

[3] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۱:۹۰، رقم:۲۷۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰:۱۶، رقم:۹۷۹۷، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۳۳۸، رقم:۲۶۲۳، دیلمی، الفردوس بالماثور الخطاب، ۲:۲۴۲، رقم:۳۱۳۹، ابو نعیم، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴:۲۶۸، مناوی، فیض القدیر، ۳:۵۵۸)

والے کی مثال خزاں رسیدہ درختوں کے درمیان سبز درخت کی طرح ہے اور غافلوں میں ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا مقام دکھا دیتا ہے۔“[1]

”حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے! اہلِ ذکر اور اہلِ غفلت کی مثال روشنی اور تاریکی کی سی ہے۔“

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: فقلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک و سلم! فھل من دعوۃ أقرب من أخری أو ساعة؟ قال: نعم، ان أقرب مایکون الرب من العبد جوف اللیل الآخر، فان استطعت أن تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعة فکن۔

حضرت عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کیا کوئی دعا یا گھڑی کسی دوسری دعا یا گھڑی سے بڑھ کر اللہ کا قرب بخشنے والی ہے؟ آقا ﷺ نے فرمایا: ہاں، بے شک اللہ رب اللہ العزت رات کے آخری پہر میں بندے کے انتہائی قریب ہوتا ہے، اگر تم سے ہوسکے تم اس گھڑی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔[2]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ بعث بعثا قبل نجد فغنموا غنائم کثیرۃ فأسرعوا الرجعة، فقال رجل ممن لم یخرج ما راینا بعثا اسرع رجعة و لا أفضل غنیمة من ھذا البعث، فقال ﷺ: ألا أدلکم علی قوم أفضل غنیمة و أسرع رجعة؟ قوم شھدوا صلوٰۃ الصبح، ثم جلسوا یذکرون اللہ حتی طلعت علیھم الشمس فأولٰئک أسرع رجعة و أفضل غنیمة۔

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف لشکر بھیجا۔ انہوں نے بہت سامالِ غنیمت حاصل کیا اور بہت جلد واپس آ گئے جو لوگ اس لشکر میں نہیں تھے ان میں سے ایک نے کہا: ہم نے اس لشکر سے زیادہ کسی لشکر کو اتنی جلدی واپس آتے اور اتنا مالِ غنیمت لاتے نہیں دیکھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی قوم نہ بتاؤں جو مال غنیمت حاصل کرنے میں اس سے بھی بہتر ہے اور واپسی کے لحاظ سے اس سے تیز ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح

---

[1] (بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۱، رقم:۵۶۵، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۶:۱۸۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۲۴۲، رقم:۳۱۴۰، ذھبی، میزان الاعتدال، ۵:۲۹۵، رقم:۶۳۱۷، عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۱:۵۰۵، رقم:۱۳۴۶)

[2] (ابن خزیمہ، الصحیح، ۲:۱۸۲، رقم:۱۱۴۷، حاکم، المستدرک، ۱:۴۵۳، رقم:۱۱۶۲، نسائی، السنن، ۱:۲۷۹، رقم:۵۷۹، نسائی، السنن الکبریٰ، ۱:۴۸۲، رقم:۱۵۴۴، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳:۴، رقم:۴۴۳۹، طبرانی، المسند، ۱:۳۴۹، رقم:۲۰۵، عبدالبر، التمہید، ۲۲:۴۴)

کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں، پھر طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت جلد واپس ہونے والے اور بہتر غنیمت حاصل کرنے والے ہیں۔‘‘[1]

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ ﷺ قال: من صلی صلاۃ الصبح ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس وجبت لہ الجنۃ۔

’’حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر ذکرِ الٰہی میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تو اس پر جنت واجب ہو گئی۔‘‘[2]

عن أبی أمامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صلی صلاۃ الغداۃ فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم قام فصلی رکعتین انقلب بأجر حجۃ وعمرۃ۔

’’حضرت ابو عمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے طلوع آفتاب تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہا پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز (اشراق) ادا کی اسے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔‘‘[3]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ الامام العادل، وشاب نشا فی عبادۃ ربہ، ورجل قلبہ معلق فی المساجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ، ورجل طلبتہ امراۃ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق اخفی حتی لا تعلم شمالہ ماتنفق یمینہ ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ۔

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا: عادل حکمران اور ایسا جوان جو اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھا ہو اور ایسا شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا (معلق) رہتا ہو اور ایسے دو اشخاص جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور اللہ کے لئے اکٹھے ہوں اور اسی کے لئے جدا ہوں اور ایسا شخص جس کو صاحب منصب و جمال عورت برائی

---

[1] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۵۹، رم: ۳۵۶۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۹، رقم: ۶۷۶، ابن قیم، اعلام الموقیف، ۴:۳۰۷)

[2] (ابو یعلی، المسند، ۳:۲۶، رقم: ۱۴۹۵، ۳:۶۱، رقم: ۱۴۸۷، ھیثمی، لمجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۸، رقم: ۶۶۹، مناوی، فیض القدیر، ۶:۱۶۵، خطیب بغدادی، موضح اوھام الجمع والتفریق، ۲:۹۰)

[3] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۸، رقم: ۷۷۴۱، طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۴۲، رقم: ۸۸۵، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۷۰، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۹، رقم: ۶۷۲، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۴)

کی دعوت دے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایسا شخص جو کہ ایسے چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا علم نہ ہو اور ایسا شخص جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے۔‘‘[1]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله يقول يوم القيامة اين المتحابون بجلالی؟ اليوم اظلهم فی ظلی يوم لا ظل الا ظلی۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت و جلالت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے آج کہاں ہیں؟ میں انہیں اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا کروں گا کہ جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔‘‘[2]

عن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أن رجلا سأل فقال: أی الجهاد أعظم أجرا؟ قال: أكثرهم لله تبارک و تعالیٰ ذكرا۔ قال: فأی الصائمين أعظم أجرا؟ قال: أكثرهم لله تبارک وتعالیٰ ذكرا، ثم ذكر لنا الصلاة والزكاة والحج والصدقة، كل ذلک رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: أكثرهم لله تبارک وتعالیٰ ذكرا۔ فقال أبو بكر رضی الله تعالیٰ عنه لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: يا أبا حفص! ذهب الذاكرون بكل خير، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أجل۔

’’حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا جہاد اجر میں سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ اس نے عرض کی: روزہ داروں میں سے کس کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہے، پھر سائل نے ہمارے سامنے نماز، زکوۃ، حج اور صدقے سے متعلق پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ ہر ایک کے بارے میں یہی فرماتے رہے: جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہو اس کا اجر زیادہ ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے ابو حفص! اللہ کا ذکر کرنے والے تمام نیکیاں لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالکل۔‘‘

[3]

---

[1] (بخاری، الصحیح، ۲۳۴:۱، رقم: ۶۲۹، بخاری، الصحیح، ۵۱۷:۲، رقم:۱۳۵۷، مسلم، الصحیح ۷۱۵:۲، رقم: ۱۰۳۱، ترمذی، الجامع الصحیح، ۵۹۸:۴، رقم: ۲۳۹۱، احمد بن حنبل، المسند، ۴۳۹:۲، مالک، الموطا، ۹۵۲:۲، رقم:۱۷۰۹، ابن حبان، الصحیح، ۳۳۲:۱۶، رقم:۷۳۳۸، بیهقی، شعب الایمان، رقم: ۳۴۳۹)

[2] (مسلم، الصحیح، ۱۹۸۸:۴، رقم:۲۵۶۶، مالک، الموطا، ۹۵۲:۲، رقم:۱۷۰۸، احمد، المسند، ۳۷۰:۲، دارمی، السنن، ۴۰۳:۲، رقم:۲۷۵۷، ابن مبارک، الزهد، ۲۴۷:۱، رقم: ۷۱۱، ابن حبان، الصحیح، ۳۳۴:۲، رقم: ۵۷۴، طیالسی، المسند، ۳۰۷، رقم:۲۳۳۵، بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲۳۲:۱۰، بیهقی، شعب الایمان، ۴۸۲:۶، رقم: ۹۸۹)

[3] (احمد بن حنبل، المسند، ۴۳۸:۳، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸۶:۲۰، رقم:۴۰۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۱۷۱:۲، رقم: ۱۹۷۹، ۲۵۷:۲، رقم: ۲۳۰۹، هیثمی، مجمع الزوائد، ۷۴:۱۰ حسینی، البیان والتعریف، ۱۳۲:۱، رقم:۳۴۸، اس حدیث کی اسناد حسن هیں)

عن أم حبيبة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ عن النبی ﷺ قال: كل كلام ابن آدم عليه لا له الا أمر بمعروف او نهی عن منكر، او ذكر الله۔

”ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے اور اللہ کا ذکر کرنے کے علاوہ ابن آدم کا کوئی بھی کلام اس کے لئے فائدہ مند نہیں۔“[1]

عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: ذكر الله شفاء القلوب۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کا ذکر دلوں کے لئے شفاء ہے۔“[2]

عن عون ابن عبد الله قال: مجالس الذكر شفاء القلوب۔

”حضرت عون بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: مجالسِ ذکر دلوں کے لئے شفاء ہیں۔“[3]

عن أنس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: لان اقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة الغداة حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعة من ولد اسماعيل، ولان اقعد مع قوم يذكرون الله من صلاة العصر الی ان تغرب الشمس أحب الی من أن أعتق أربعة۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نمازِ فجر سے طلوعِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے اولادِ اسماعیل میں سے چار غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، اور نمازِ عصر سے غروبِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“[4]

عن أنس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لان اجلس مع قوم يذكرون الله بعد صلاة الصبح الی ان تطلع الشمس أحب الی مما طلعت عليه الشمس، ولان اجلس مع قوم يذكرون الله بعد العصر الی ان تغيب الشمس أحب الی من ان أعتق ثمانية من ولد اسماعيل دية كل رجل منهم اثنا عشر ألفا۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نمازِ فجر سے طلوعِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ اور وہ لوگ جو نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب

[1] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۴:۴۰۸، رقم: ۲۴۱۲، حاکم، المستدرک، ۲:۵۵۷، رقم: ۳۸۹۲، ابو یعلی، المسند، ۱۳:۵۶، رقم: ۷۱۳۲، عبد بن حمید، المسند، ۱:۴۴۸، رقم: ۱۵۵۴، قضاعی، مسند الشھاب، ۱:۲۰۲، رقم: ۳۰۵، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۳، رقم: ۵۱۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۳:۳۴۵، رقم: ۴۳۶۷، ابن عبد البر، التمھید، ۲۰۲۲، فاکھی، اخبار مکہ، ۳:۳۲۹)

[2] (عجلونی، کشف الخفاء، ۱:۵۰۵)

[3] (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۴:۲۴۱)

[4] (ابو داؤد، السنن، ۳:۳۲۴، رقم: ۳۶۶۷، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۱۹، رقم: ۳۳۹۲، طبرانی، المعجم الاوسط، ۶:۱۳۷، رقم: ۶۰۲۲، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۹، رقم: ۵۶۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۸، رقم: ۶۶۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۵)

تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھنا مجھے اولادِ اسماعیل میں سے آٹھ آدمیوں کو آزاد کرانے سے زیادہ محبوب ہے جن میں سے ہر ایک کی دیت بارہ ہزار ہے۔‘‘[1]

عن سالم قال: قیل لأبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ : ان أبا سعد بن منبه جعل فی ماله مائة محررة، فقال: ان مائة محررة فی مال رجل لکثیر، ألا أخبرکم بأفضل من ذلک ایمان ملزوم باللیل والنهار ولا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ۔

’’حضرت سالم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ ابو سعد بن منبہ نے اپنے مال سے سو غلاموں کو آزاد کیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: آدمی کا اپنے مال سے سو غلام آزاد کرنا بہت بڑی بات ہے لیکن کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ فضیلت والی بات نہ بتاؤں؟ وہ ہے دن رات ایمان پر قائم رہنا اور تیری زبان کا ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا۔‘‘[2]

۱۷۳۔ **عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: یقول اللہ أخرجوا من النار من ذکرنی یوما أو خافنی فی مقام۔**

’’حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا یا کسی مقام پر بھی مجھ سے ڈرا اسے آگ سے نکال دو۔‘‘[3]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی ﷺ قال: من ذکر اللہ ففاضت عیناه من خشیة اللہ حتی یصیب الأرض من دموعه لم یعذبه اللہ تعالیٰ یوم القیامة۔

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے خشیت کی وجہ سے آنسو جاری ہو گئے یہاں تک کہ اس کا ایک آنسو زمین پر گر پڑا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کوئی عذاب نہیں دے گا۔‘‘[4]

عن أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنه کان رسول اللہ ﷺ قال: اذا ذهب ثلثا اللیل قام، فقال: یا أیها الناس اذکروا اللہ جاءت الراجفة تتبعها الرادفة جاء الموت بما فیه جاء الموت بما فیه۔

---

[1] (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸:۳۸، ابو یعلی، المسند، ۷:۱۵۴، رقم:۴۱۲۶-۴۱۲۵، حارث، المسند، ۲:۹۵۰، رقم:۱۰۴۸، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸:۷۹، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۹، رقم:۵۶۰، ۱:۴۱۰، رقم:۵۶۲، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۸۱)

[2] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲:۵۹، رقم:۲۹۴۶۴، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۷، ضبی، کتاب الدعاء ۱:۲۶۸، رقم:۹۱، ابن ابی عاصم، الزہد، ۱:۱۳۶، ابو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱:۲۱۹، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۳۵، رقم:۶۲۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۵، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۳، سیوطی، الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۲)

[3] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۶:۲۱۷، رقم:۲۵۹۴، ابن ابی عاصم، السنہ، ۲:۴۰۰، رقم:۸۳۳، ابن ابی عاصم، کتاب الزہد، ۱:۳۶۹، حاکم، المستدرک، ۱:۱۴۱، رقم:۲۳۴، بیہقی، الاعتقاد، ۱:۲۰۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۷۰، رقم:۷۴۰، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۴۴، رقم:۸۰۸۴، منذری، الترغیب والترہیب، ۴:۱۳۰، رقم:۵۱۰۸، ابن حیان، طبقات المحدثین باصبہان، ۳:۱۶، رقم:۲۴۲)

[4] (حاکم، المستدرک، ۴:۲۸۹، رقم:۷۶۶۸، طبرانی، المعجم الاوسط، ۶:۱۹۲، رقم:۶۱۷۱، منذری، الترغیب والترہیب، ۴:۱۱۳، رقم:۵۰۲۳)

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، اللہ کا ذکر کرو، ہلا دینے والی آگئی، اس کے بعد پیچھے آنے والی۔ موت اپنی سختی کے ساتھ آگئی، موت اپنی سختی کے ساتھ آگئی۔“[1]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، قال قال رسول اللہ ﷺ: یصاح برجل من أمتی یوم القیامة علی رؤس الخلائق فینشر له تسعة و تسعون سجلا، کل سجل مد البصر، ثم یقول اللہ: هل تنکر من هذا شیئا؟ فیقول: لا، یا رب! فیقول: أظلمتک کتبتی الحافظون؟ ثم یقول ألک عن ذلک حسنة فیهاب الرجل، فیقول: لا فیقول بلی ان لک عندنا حسنات و انه لا ظلم علیک الیوم فتخرج له بطاقة، فیها اشهد ان لا اله الا اللہ و أن محمدا عبده و رسوله، قال فیقول: یا رب، ما هذه البطاقة مع هذه السجلات؟ فیقول انک لا تظلم فتوضع السجلات فی کفة، و البطاقة فی کفة، فطاشت السجلات، و ثقلت البطاقة۔

”حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر پھیلا دیئے جائیں گے۔ ہر رجسٹر حد نظر تک پہنچ رہا ہو گا پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کر سکتا ہے؟ آدمی کہے گا: اے رب! نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ کیا اس حوالے سے تیرے پاس کوئی نیکی ہے؟ آدمی خوفزدہ ہو جائے گا، جواباً کہے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس تیری نیکیاں ہیں اور بے شک آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر اس کے لئے ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں ہو گا: **أشهد أن لا اله الا اللہ و أشهد أن محمد عبده و رسوله۔** حضور ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی کہے گا: اے پروردگار، یہ پرچہ ان رجسٹروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: بے شک تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا، پھر رجسٹروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور پرچے کو دوسرے پلڑے میں، رجسٹر اوپر اٹھ جائیں گے اور پرچہ بھاری ہو جائے گا۔“[2]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان الشیطان واضع خطمه علی قلب ابن آدم، فان ذکر اللہ خنس و ان نسی التقم قلبه۔

---

[1] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۴:۶۳۶، رقم:۲۴۵۷، عبد بن حمید، المسند، ۱:۸۹، رقم:۱۷۰، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۴، رقم:۵۱۷، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۴، رقم:۵۱۷، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۷۲، رقم:۸۱۶۰، ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۱:۲۵۶، مقدسی، الاحادیث المختارة، ۳:۳۸۹، رقم:۱۱۸۴، منذری، الترغیب و الترهیب، ۲:۳۲۷، رقم:۲۵۷۷)

[2] (ابن ماجه، السنن، ۲:۱۴۳۷، رقم:۴۳۰۰، حاکم، المستدرک، ۱:۷۱۰، رقم:۱۹۳۷، کنانی، جزء البطاقه، ۱:۳۴، ذهبی، معجم المحدثین، ۱:۴۸، ابن قیم، حاشیه علی سنن ابی داؤد، ۱۳:۷۰)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان نے اپنا منہ ابن آدم کے دل پر رکھا ہوا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کے دل کو لقمہ بنا لیتا ہے۔“[1]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا سھا و غفل و سوس و اذا ذکر اللہ خنس۔

”حضرت (عبد اللہ) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: شیطان ہر وقت بندے کے دل پر سوار رہتا ہے، اگر وہ بھول جائے یا غافل ہو جائے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔“[2]

عن عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ما من آدمی الا لقلبه بیتان: فی أحدھما الملک و فی الآخر الشیطان، فاذا ذکر اللہ خنس و اذا لم یذکر اللہ وضع الشیطان منقرہ فی قلبه و وسوس۔

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی کے دل میں دو مکان ہیں: ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور دوسرے میں شیطان، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ لیتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے۔“[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ما من مولود الا علی قلبه الوساوس، فان ذکر اللہ خنس و ان غفل وسوس۔

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی مولود ایسا نہیں جس کے دل پر وسوسہ اندازی کرنے والا نہ ہو، پس اگر وہ بندہ اللہ کا ذکر کرے تو وسوسہ اندازی کرنے والا پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ اس سے غافل ہو جائے تو وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔“[4]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: یعقد الشیطان علی قافیة رأس أحدکم اذا ھو نام ثلاث عقد، یضرب کل عقدۃ، علیک لیل طویل فارقد، فان استیقظ فذکر اللہ انحلت عقدۃ، فان توضأ انحلت عقدۃ فان صلی انحلت عقدۃ فأصبح نشیطا طیب النفس و الا أصبح خبیث النفس کسلان۔

---

[1] (ابو یعلی، المسند، ۷:۲۷۸، رقم: ۴۳۰۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۳، رقم: ۵۴۰، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۷۹، رقم: ۳۶۹۱، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۲۵۷، رقم: ۲۳۰۷، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۷:۱۴۹، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۸۶)

[2] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۱۳۵، رقم: ۳۴۷۷۴، مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۱۰:۳۶۷، رقم: ۳۹۳، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۷۶-۵۷۶، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۳۰:۳۵۵، مناوی، فیض القدیر، ۲:۳۵۸، عسقلانی، فتح الباری، ۸:۹)

[3] (حصن حصین، ۶۹)

[4] (حاکم، المستدرک، ۲:۵۹۰، رقم: ۳۹۹۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۹، رقم: ۶۸۶، ابن عبد البر، التمہید، ۱۸، ۳۰۷، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۳۰:۳۵۵، عسقلانی، فتح الباری، ۸:۷۴۱، عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۴:۳۸۱)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی سوتا رہے تو شیطان اس کی گُدی پر تین گرہ لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کے وقت تھپکی دیتا ہے: ابھی لمبی رات باقی ہے، سو یارہ۔ اب اگر وہ جاگ گیا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرے تو اور گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھ لے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے۔ تو وہ ہشاش بشاش، خوش وخرم صبح کرتا ہے ورنہ وہ خبیث النفس سست رہتا ہے۔“[1]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال ﷺ: قال ابلیس: یا رب! کل خلقک قد سبت أرزاقهم، فما رزقی؟ قال: کل مالم یذکر اسمی علیه۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ابلیس نے کہا: یا رب! تو نے جو چیز پیدا کی اس کا رزق بھی عطا کیا، پس میرا رزق بھی معین کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر وہ شے جس پر میرا نام نہ لیا جائے، وہ تیرا رزق ہے۔[2]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من عجز منکم عن اللیل أن یکابده وبخل بالمال أن ینفقه وجبن عن العدو أن یجاهده فلیکثر من ذکر اللہ۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے جو کوئی رات کو عبادت کرنے کی مشقت سے عاجز ہو اور مال خرچ کرنے میں بخیل ہو اور دشمن کے مقابلہ کرنے میں بزدل ہو اسے چاہیئے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔“[3]

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ ﷺ انه قال: غطوا الاناء وأوکوا السقاء واغلقوا الباب، وأطفئوا السراج، فان الشیطان لا یحلق سقاء، ولا یفتح بابا، ولا یکشف اناء فان لم یجد أحدکم الا أن یعرض علی انائه عودا، ویذکر اسم اللہ، فلیفعل فان الفویسقة تضرم علی أهل البیت بیتهم۔

”حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزوں کا منہ بند کر دو، دروازے بند کر دو، چراغ بجھا دو کیونکہ شیطان مشک نہیں کھولتا، دروازہ نہیں کھولتا اور نہ ہی برتن کھولتا ہے۔ اگر تم میں

---

[1] (بخاری، الصحیح، ۱:۳۸۳، رقم:۱۰۹۱، ۳:۱۱۹۳، رقم:۳۰۹۶، مسلم، الصحیح، ۱:۵۳۸، رقم:۷۷۶، نسائی، السنن، ۳:۲۰۳، رقم:۱۶۰۷، ابوداؤد، السنن، ۲:۳۲، رقم:۱۳۰۶، ابن ماجه، السنن، ۱:۴۲۱، رقم:۱۳۲۹، مالک، الموطا، ۱:۱۷۶، رقم:۴۲۴، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۴۳، رقم:۷۳۰۲، ابویعلی، المسند، ۱۱:۱۶۷، رقم:۶۲۷۸، ابو عوانه، المسند، ۲:۲۹۵، ۲۹۶، حمیدی، المسند، ۲:۴۲۶، رقم: ۹۶۰، بیهقی، ۲:۵۰۱، رقم:۴۴۱۸، ۳:۱۵، رقم:۴۵۰۳، بیهقی، السنن الصغریٰ، ۱:۴۷۲، رقم:۸۲۷، ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۲:۳۷۱، رقم: ۱۷۶۸، دیلیمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۵۱۵، رقم:۸۹۳۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۲۳۸، رقم:۹۰۴، ۱:۲۵۱، رقم:۹۵۵)

[2] (ابن حیان، الاحادیث المختاره، ۱۰:۳۶۱، رقم:۳۸۵، ابو نعیم، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۸:۱۲۹)

[3] (بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۱، رقم:۵۰۸، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱:۸۴، رقم:۱۱۱۲۱، عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۱۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۴، رقم:۲۲۹۷، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴)

سے کسی کو برتن کو ڈھانپنے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو وہ برتن کے عرض پر ایک لکڑی رکھ دے اور بسم اللہ پڑھے کیونکہ چوہا لوگوں کے گھر جلا دیتا ہے۔“[1]

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ سبق المفردون قالوا: وما المفردون يا رسول اللہ صلی اللہ عليک وآلک وسلم! قال: المستهترون فی ذكر اللہ يضع الذكر عنهم أثقالهم، فيأتون يوم القيامة خفافا۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جنہیں ذکر الٰہی کے نشہ نے فریفتہ اور دیوانہ بنادیا ہے، ذکر ان کے بوجھ اتار دے گا اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔“[2]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: كنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فقال: سبق المفردون۔ قالوا: يا رسول اللہ صلی اللہ عليک وآلک وسلم! وما المفردون؟ قال: المفردون بذكر اللہ وضع الذكر عنهم أثقالهم، فيأتون يوم القيامة خفافا۔

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مفردون وہ لوگ ہیں جنہیں ذکر الٰہی کے نشے نے فریفتہ اور دیوانہ بنادیا ہے، ذکر ان کے بوجھ اتار دے گا، پس وہ قیامت کے دن اللہ کے پاس ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔“[3]

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنهما ان رجلا يرفع صوته بالذكر فقال رجل لو ان هذا خفض من صوته فقال رسول اللہ ﷺ فانه آواه قال فمات فرای رجل نارا فی قبره فاتاه فاذا رسول اللہ ﷺ فيه وهو يقول هلموا الی صاحبكم فاذا هو الرجل الذی كان يرفع صوته بالذكر۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، ایک آدمی نے کہا: اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ بہت آہیں کرنے والا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال

---

[1] (مسلم، الصحیح، ۳:۱۵۹۴، رقم:۲۰۱۳، ابن ماجه، السنن، ۲:۱۱۲۹، رقم:۳۴۱۰، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۷۸، رقم:۲۲۵۸، ابو عوانه، المسند، ۵:۱۴۲، رقم:۸۱۵۲، بیهقی، السنن الکبری، ۱:۲۵۶، رقم:۱۱۴۳، بیهقی، شعب الایمان، ۵:۱۲۷، رقم:۶۰۲۱، طبرانی، المعجم الاوسط، ۹:۳۵، رقم:۹۰۶۵)

[2] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۷۷، رقم:۳۵۹۶، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۰، رقم:۵۰۶، بخاری، التاریخ الکبیر، ۸:۴۴۹، رقم:۳۶۵۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۰۹، رقم:۳۳۹۷، حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی احادیث الرسول، ۴:۱۰۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۳، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۶، رقم:۲۳۰۶، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶:۲۵۵)

[3] (هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۵۸، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶:۴۵۵)

کر گیا۔ پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں (پہلے سے) موجود تھے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔‘‘[1]

عن جابر بن عبد اللہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر و اذا ھو یقول ناولونی صاحبکم واذاھو الرجل الأواہ الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

ترجمہ: ’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبر میں روشنی دیکھی اور اس کے قریب آئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ قبر میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ساتھی مجھے پکڑا دو اور یہ وہ بہت آہیں کرنے والا آدمی تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔‘‘[2]

عن جابر بن عبد اللہ قد رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ ﷺ فی القبر و اذا ھو یقول ناولونی صاحبکم فاذاھو الرجل الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبرستان میں روشنی دیکھی تو وہاں گئے۔ دیکھا تو رسول اللہ ﷺ ایک قبر میں کھڑے فرمارہے تھے، مجھے اپنا ساتھی پکڑاؤ۔ وہ ایسا شخص تھا جو بلند آواز سے ذکر الٰہی کیا کرتا تھا۔‘‘[3]

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ قال لرجل، یقال لہ ذو البجادین: انہ أواہ، وذلک أنہ کان رجلا کثیر الذکر اللہ فی القرآن، ویرفع صوتہ فی الدعاء۔

’’حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں بتایا جسے ذو البجادین کہا جاتا تھا، کہ وہ بہت آہیں کرنے والا ہے کیونکہ وہ تلاوتِ قرآن کی صورت میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہے اور دعا میں اپنی آواز بلند کرتا تھا۔[4]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ یسیر فی طریق مکۃ فمر علی جبل یقال لہ: جمدان فقال: سیرو ھذا جمدان سبق المفردون قالو وما المفردون یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم، قال: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔

---

[1] (حاکم، المستدرک، ۵۲۲:۱، رقم: ۱۳۶۱، بیہقی، شعب الایمان، ۴۱۸:۱، رقم: ۵۸۵، مناوی، فیض القدیر، ۴۵۷:۱)

[2] (حاکم، المستدرک، ۳۷۵:۲، رقم: ۳۳۱۸، بیہقی، السنن الکبری، ۵۳:۴، رقم: ۶۸۳۶، بیہقی، شعب الایمان، ۴۱۸:۱، رقم: ۵۸۴)

[3] (ابو داؤد، السنن، ۲۰۱:۳، رقم: ۳۱۶۴، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳۱:۴، رقم: ۶۷۰۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸۲:۲، رقم: ۱۷۴۳، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۳۵۱:۳، زیلعی، نصب الرایۃ، ۳۰۶:۲، اندلسی، تحفۃ المحتاج، ۲۸:۲، رقم: ۸۸۱، شوکانی، نیل الاوطار، ۱۳۷:۴، مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۱۲۵:۴، ۱۳۹:۴)

[4] (احمد بن حنبل، المسند، ۱۵۹:۹، رویانی، المسند، ۱۷۰:۱، رقم: ۲۱۰، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۹۵:۱۷، رقم: ۸۱۳، بیہقی، شعب الایمان، ۴۱۶:۱، رقم: ۵۸۰، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳۶۹:۹، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۵۲:۱۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ کا گزر جمدان نامی پہاڑ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو چلو! یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔“[1]

اس کے علاوہ بھی ذکر کی فضیلت اور اس کیلئے اجتماع اور ذکر جہری وسری کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

[1] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۲، رقم:۲۶۷۶، ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۴۰، رقم:۸۵۸، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۸۹، رقم:۵۰۳، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۳، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۶، رقم:۲۳۰۶)

ذکر کی فضیلت میں علمائے کرام کے اقوال

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی عبادت کو فرض کیا تو اس کی ایک معلوم حد متعین کر دی۔ اور حالت عذر میں معذوروں کو رخصت دی سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ کہ اس کی نہ کوئی حد متعین کی اور نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا سوائے مجنون کے۔ اس کے علاوہ اپنے بندوں کو تمام احوال میں ذکر کرنے کا حکم دیا۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُم (نساء:۱۰۳)

"ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)"۔

اور فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (احزاب:۴۱)

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو دن اور رات میں، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، غنا اور فقر میں، صحت اور بیماری میں، پوشیدہ اور علانیہ طور پر۔ اور حتیٰ کہ ہر حال میں۔[1]

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نسیان اور غفلت سے چھٹکارا بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ کے اسم ذاتی یا اس کی کسی صفت کو بار بار دہرانے کا نام ہے۔ اسی طرح اس کے کسی حکم، فعل یا اس کے علاوہ دوسرے امور جو قربِ الٰہی کے باعث ہوں۔ یہ تمام ذکر میں شامل ہیں۔[2]

امام ابو قاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: آپ فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کا منشور، وصال کا منارہ، راہ سلوک پر چلنے کی علامت اور منزل تک پہنچنے کی دلیل ہے۔ ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ تمام خصائل حمیدہ جو ذکر کی طرف ہی راجع ہیں تمام کا

[1](نورالتحقیق:ص:۱۴۷)

[2](مفتاح الفلاح:ص:۴)

منبع ذکر ہی ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف طریقت میں بہت قوی رکن ہے، بلکہ سب سے عمدہ طریقہ ہے، اور کوئی فرد اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچا سوائے دائمی ذکر کے ذریعے۔ [1]

ابن قیم الجوزیہ: ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں! ”بلا شک وریب چاندی اور تانبے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صفائی ذکر سے ممکن ہے۔ ذکرِ الٰہی دل کو چمکتے ہوئے آئینہ کی مانند کر دیتا ہے۔ اور جب ذکر ترک کر دیا جاتا ہے تو دل پھر زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جبکہ زنگ لگنے کے دو سبب ہیں:

(۱): غفلت (۲): گناہ

اور اس کی صفائی بھی دو چیزوں سے ہوتی ہے۔

(۱): استغفار (۲): ذکر

کثرتِ غفلت سے قلب انسانی پر دبیز تہہ جم جاتی ہے۔ اور جب قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے تو معلومات کی حقیقی تصاویر اس میں منعکس نہیں ہوتیں۔ نتیجتاً اس کے نزدیک حق وباطل میں تمیز نہیں رہتی۔ اور وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے دل پر زنگ تہہ در تہہ جم جاتا ہے تو اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حقائق کی اصلی تصاویر ظاہر نہیں ہوتیں۔ پھر مزید سیاہ ہو کر اس پر رین (زنگ) جم جاتا ہے۔ اس کا تصور اور ادراک فاسد ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ تو وہ حق کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی باطل کا انکار کرتا ہے۔ اور یہ دل کیلئے سخت ترین سزا ہے اور اس کا سبب غفلت اور خواہشاتِ نفسانیہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں نورِ دل کو مٹا کر بصیرت کو اندھا کر دیتی ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا“۔

ترجمہ: ”اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے جس کے دل کو اپنی یاد سے ہم نے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے۔“[2]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں آیت: ”للہ الاسماء الحسنیٰ“ کے تحت فرماتے ہیں:

”جہنم میں داخل ہونے کا سبب ذکر اللہ سے غفلت ہے۔ اور عذابِ جہنم سے چھٹکارا ذکر اللہ سے ہی ممکن ہے“۔

---

[1] (الرسالۃالقشیریۃ ص ۱۱۰)

[2] (کہف:۲۸)(الوابل الصیب:ص:۵۲:ابن قیم)

اصحابِ ذوق و محبت فرماتے ہیں!''جب قلب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے اور دنیا اور اس کی خواہشات کی طرف متوجہ ہو کر حرص و حرمان میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک رغبت سے دوسری رغبت کی طرف، اور ایک طلب سے دوسری طلب کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ تاریکیوں میں گر جاتا ہے۔ اور جب اس کے دل پر اللہ کے ذکر اور معرفت کا دروازہ کھلتا ہے تو ان تمام آفات اور مصائب سے چھٹکارا حاصل کر کے اسے رب تعالیٰ کی معرفت کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ [1]

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ علیہ: آپ فرماتے ہیں کہ اقوال، افعال اور اعیان کے خواص ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں۔ لیکن ذکر کے خواص ان سب سے بڑھ کر واضح ہیں۔ اور کوئی عمل، ذکر اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی دواؤں اور معجونوں کے خواص مقرر کئے ہیں۔ جس طرح طبیب ہر مریض کو اس کی طبیعت کے موافق دوائی دیتا ہے۔ اسی طرح شیخ بھی مرید کی ضرورت کے مطابق وظائف و اوراد مختص کرتا ہے۔ [2]

شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت ہی مقام رضا تک رسائی حاصل کرتا ہے جب وہ سلوک کے ابتدائی تین مراحل کو عبور کرے۔

(۱): وہ اسم جلالت (اللہ) کے ذکر میں مستغرق ہو۔

(یہ اسی کیلئے ممکن ہے جسے مرشد کامل سے ذکر کی اجازت ہو)۔

(۲): اسے ذاکرین کی صحبت میسر ہو۔

(۳): وہ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰت والتسلیمات، پر سختی سے کاربند ہو۔ [3]

خلاصہ بحث: تمام صوفیائِ کرام اپنے مریدین کو منازلِ سلوک طے کرنے کیلئے ذکر کی نصیحت کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا تک پہنچنے کا عملی طریقہ تمام احوال میں کثرتِ ذکر اور صحبتِ ذاکرین ہے۔ کیونکہ ان کی صحبت نفس امارہ کی شہوات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

---

[1] (تفسیر کبیر: امام رازی: ج:۴: ص:۲۷۴)

[2] (قواعد تصوف: احمد ذورق: ص:۳۷)

[3] (تخریج شرح الاجرومیہ: ابن عجیبہ، ص ۲۹)

ذکر کی اقسام

ذکر کی مختلف اقسام ہیں:

ذکر سری وجہری: ذکرِ الٰہی یقیناً مشروع ہے خواہ سرًا ہو یا جہرًا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قسموں کی طرف رغبت دلائی ہے۔ لیکن علمائے شریعت فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت افضل ہے جب وہ ریا اور نمازی، قاریٔ قرآن اور سونے والے کی اذیت سے خالی ہو۔ اور انہوں نے اپنے موقف پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: یقول اللہ ! انا عند ظن عبدی بی و انا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاذ کرتہ فی ملا خیر منھم۔

ترجمہ: "میرا اپنے بندے کے ساتھ برتاؤ ویسا ہوتا ہے جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں اپنی شان کے مطابق اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرے تو میں اس سے افضل جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔"[1]

اس حدیث پاک میں جماعت میں ذکر کا تذکرہ آیا ہے اور یہ ذکر، ذکر بالجہر ہی ہو سکتا ہے۔

(۲): قال ابن الادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ انطلقت مع النبی ﷺ لیلۃ فمر برجل فی المسجد یرفع صوتہ قلت یا رسول اللہ ﷺ عسی ان یکون مرائیا قال لا و لکنہ اواہ۔

"حضرت ابن ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کا گزر ایک ایسے آدمی سے ہوا جو مسجد میں با آواز بلند ذکر کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ممکن ہے کہ یہ شخص ریاکار ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ تو انتہائی مخلص اور رقیق القلب ہے"۔[2]

(۳): عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی ﷺ۔ قال ابن عباس: کنت اعلم اذا انصرفوا بذلک اذا سمعتہ۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فرضی نمازوں کے بعد ذکر بالجہر معروف تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کی آواز سنتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ لوگ نماز سے واپس آرہے ہیں"۔[3]

(۴) عن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: جائنی جبریل قال مر اصحابک یرفعوا اصواتھم بالتکبیر۔

---

[1] (أخرجہ بخاری فی صحیحہ، والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

[2] (رواہ البیہقی کمافی الحاوی للفتاویح ۱ ص ۳۹۱)

[3] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ، والمعنیٰ کنت أعلم انصرافھم بسماع الذکر، کما قال صاحب الفتح الحافظ ابن حجر العسقلانی ج ۲ ص ۲۵۹)

"حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور عرض کی کہ اپنے صحابہ کو حکم دو کہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہیں"۔ [1]

(۵) قال شداد بن حاکم: انا لعند النبی ﷺ اذ قال: ارفعوا ایدیکم فقولوا: لا الہ الا اللہ ففعلنا فقال: اللّٰھم انک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وامرتنی بھا وعدتنی بھا الجنۃ انک لا تخلف المیعاد ثم قال: ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔

یعنی "حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو "لا الہ الا اللہ" ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی تو آپ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کا مجھے حکم دیا اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا یقیناً تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرمادی"۔ [2]

ان کے علاوہ اور بھی احادیث کثیرہ ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے پچیس احادیث کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "نتیجۃ الفکر فی الجھر فی الذکر" میں رقم کیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، اللہ تعالیٰ تجھے عزت سے نوازے، تو نے صوفیائے کرام کے مروجہ حلقات ذکر اور مساجد میں ذکر بالجہر کے متعلق سوال کیا ہے کہ کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔ کیونکہ بہت سی ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جو ذکر بالجہر کے استحباب کی مقتضی ہیں۔ اور اسی طرح ایسی احادیث بھی ہیں جو ذکر سری کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ ان ہر دو اقسام میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ذکر کا حکم حالات اور اشخاص کے تبدیل ہونے سے بدلتا رہتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے وہ تمام احادیث ذکر فرمائیں جو ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں پھر آخر میں فرماتے ہیں: "ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں کچھ کراہت نہیں۔ بلکہ بعض احادیث تو اس کے استحباب پر صراحۃً یا کنایۃً دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ اور حدیث "خیر الذکر الخفی" ذکر بالجہر کے معارض نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تو اسی طرح ہے، جس طرح کہ بعض احادیث میں بلند آواز سے اور بعض میں پست آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح کی ہے کہ ذکر سری اس وقت افضل ہے جب ذاکر کو ریا کا خوف ہو یا اس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل کثیر ہوتا ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے۔ ذکر کرنے والے کو بیدار رکھتا ہے۔ اور اس کے

---

[1] (رواہ الامام أحمد وأبو داؤد والترمذی وصححہ السیوطی فی کتابہ، "الحاوی للفتاویٰ" ج ۱ ص ۳۸۹)

[2] (الحاکم کمافی مصدر السابق ج ۱ ص ۳۹۱)

کانوں کو ذکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نیند دور کرتا ہے۔ اور نشاط میں اضافہ کرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے!" تلاوت کا کچھ حصہ سرًا اور کچھ جہرًا ہونا چاہئے کیونکہ سرًا تلاوت کرنے والا کبھی اکتا جاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ جہر سے انس حاصل کرے اور اسی طرح ذکر بالجہر کرنے والا جب اکتا جائے تو اسے چاہئے کہ ذکر سری سے راحت حاصل کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (اعراف:۲۰۵)

"اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر۔"

میرے نزدیک اس کے تین جوابات ہیں:

جواب نمبر ۱: یہ آیت مکی ہے جس طرح کہ سورۂ اسراء میں ہے:

"ولا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها" (اسراء:۱۱۰)

"اور نہ تم بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو"۔

یہ آیت مکی ہے۔ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ بلند آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور مشرکین مکہ اس کو سن کر قرآن اور صاحبِ قرآن کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو سد ذرائع کے طور پر با آواز بلند تلاوت سے روک دیا گیا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے بتوں کو گالی دینے سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا مبِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (انعام:۱۰۸)

"اور گالی مت دو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کہ وہ بھی گالی دینے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔"

لیکن اب یہ علت ختم ہو چکی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب نمبر ۲: بہت سے مفسرین جن میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم جو کہ امام مالک کے شیخ ہیں اور ابن جدیر وغیرہ نے فرمایا ہے! اس آیت میں قرآن کریم کی تلاوت کے وقت ذاکر کو پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ حکم قرآن کریم کی تلاوت کی تعظیم کی وجہ سے ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت ذکر کی آواز اس سے بلند نہیں ہونی چاہئے۔ ان دونوں آیات کا متصل ہونا اس احتمال کو مزید تقویت دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا" (الاعراف:۲۰۴)

ترجمہ: "اور جب پڑھا جائے قرآن مجید تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ"۔

میں کہتا ہوں کہ مکلف کو جب بوقت تلاوت قرآن خاموشی کا حکم دیا گیا تو خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ اس خاموشی پر دوام اختیار نہ کر جائے۔

اس لئے اسے تنبیہہ کی گئی کہ اگرچہ اسے زبان کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم ہے لیکن قلبی ذکر کی صورت تو باقی ہے حتیٰ کہ وہ کسی حالت میں بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اسی وجہ سے اس قول کے ساتھ آیت کو ختم کیا گیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔"

مت ہونا غافلوں میں سے۔

جواب نمبر ۳: صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ، جو کہ کامل و مکمل تھے، خاص تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگ جو مختلف وساوس اور ناپسندیدہ خواطر قلبیہ سے دوچار رہتے ہیں تو انہیں ذکر بالجہر کا حکم ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ ان کو وساوس سے نجات دلانے میں انتہائی مؤثر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت بزاز کی معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث بھی اسی مفہوم کی مؤید ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلی منکم باللیل فلیجهر بقرائته۔ فان الملائکة تصلی بصلوته وتسمع بقرائته وان مومنی الجن الذین یکونون فی الهواء وجیرانه معه فی مسکنه یصلون بصلوته ویستمعون قراته وانه ینطرد بجهره بقرائته عن داره وعن الدور التی حوله فساق الجن ومرده الشیاطین۔

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم میں سے جو رات کو نماز پڑھے اسے بلند آواز سے قرأت کرنی چاہئے کیونکہ فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے اور اس کی قرأت سنتے ہیں۔ اور اسی طرح مؤمن جن جو کہ ہوا میں رہتے ہیں اور اس کے پڑوس میں رہتے ہیں وہ بھی اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت سنتے ہیں اور اس کی بلند قرأت سے اس کے گھر اور اس کے اردگرد کے گھروں کے فاسق جن اور سرکش شیطان بھاگ جاتے ہیں"۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" (اعراف: ۵۵)

"پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔"

اور اعتداء کی تفسیر بلند آواز سے کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

(۱): اس کی راجح تفسیر یہ ہے کہ دعا مانگنے والا مامور بہ سے تجاوز کرے یا ایسی دعا مانگے جس کی شرع میں کوئی اصل نہ ہو۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو نعامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو سنا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے: اے اللہ! تیری بارگاہ میں جنت کے دائیں طرف سفید محل کا طالب ہوں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعا کرنے میں حد درجہ بڑھ جائیں گے۔ (الحدیث)

تو یہ صحابی کی تفسیر ہے اور وہی معنی کو بہتر جانتے ہیں۔

(۲): اگر ہم اس آیت کے ظاہری معنی کو تسلیم کر لیں تو بھی یہ آیت کریمہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور دعا میں افضل اسرار ہے کیونکہ وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

اسی لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" (مریم:۳)

"جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے"۔

اسی وجہ سے نماز میں بالاتفاق سرًا پڑھنا مستحب ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میرے خیال کے مطابق تم لوگ بدعتی ہو۔ حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس اثر کی سند کی تحقیق ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کن کن محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔ بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ ان بہت سی احادیث کے معارض ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور تعارض کے وقت یہ احادیث صحیحہ ان پر مقدم ہیں۔ پھر میں نے ایسی روایت بھی دیکھی ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کے برعکس ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو وائل سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں! یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر سے روکا کرتے تھے حالانکہ جس مجلس میں مجھے ان کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ وہ ذکر اللہ ضرور کرتے تھے۔ اسی طرح امام احمد بن

حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کتاب الزہد" میں ثابت بنانی سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہلِ ذکر جب اللہ کے ذکر کیلئے بیٹھتے ہیں ان پر پہاڑوں کی مثل گناہ ہوتے ہیں اور جب وہ اللہ کے ذکر سے اٹھتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔[1]

علامہ شیخ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت "وان تجهر بالقول فانه يعلم السر واخفٰی" کے تحت فرماتے ہیں کہ: کہا گیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے منع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة دون الجهر من القول" اس کی دلیل ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے منع اپنے اطلاق پر نہیں۔ امام نووی اپنے فتاوی میں ذکر کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر شرعًا ممنوع نہیں ہے بلکہ مشروع اور مستحب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں اخفاء سے افضل ہے اور یہی امام حنبل کا ظاہر مذہب، اور امام مالک سے ایک روایت میں مروی ہے جس کو حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں نقل کیا ہے۔ اور یہی قول قاضی خان کا ہے۔ وہ اپنے فتاوی کے باب "غسل الميت" میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ ذکر کی آواز بلند کرنا مکروہ ہے پھر فرماتے ہیں یہ اس شخص کیلئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو۔ جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے۔ مطلقاً ذکر کی آواز کو بلند کرنا مکروہ نہیں۔ شیخ آلوسی فرماتے ہیں کہ دون الجهر سے مراد ضرورت سے زائد آواز کو بلند کرنا ہے۔ اس وجہ سے معتدل جہر اور بقدر ضرورت جہر مامور بہ میں داخل ہے۔ کیونکہ بیس سے زائد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر وبیشتر ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابوزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"كان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلوته يقول بصوته الاعلى، لا اله الا الله وحده لا شريك له۔ له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل"۔

"رسول اللہ ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے:

"لا اله الا الله وحده لا شريك له۔۔۔الى آخره"۔ (الحديث)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں دو عظیم رسالے لکھے ہیں۔ پہلے کا نام "نشر الزهر في الذكر بالجهر" اور دوسرا رسالہ "اتحاف المنيب الاواه بفضل الجهر بذكر الله" ہے۔[2]

---

[1](الحاوی للفتاوی: ج: ۱: ص: ۳۹۴: امام جلال الدین سیوطی)

[2](روح المعانی ۱۴۸-۱۴۷: ۱۶)

ذکر بالجہر کی افضلیت:

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراقی الفلاح پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ ذکر خفی افضل ہے یا ذکر جہر؟ کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

"خیر الذکر خفی و خیر الرزق مایکفی"۔

"بہترین ذکر، ذکر خفی ہی، اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے"۔

کیونکہ ذکر خفی میں زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے اور یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ذکر جہر افضل ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

نبی کریم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"[1]

رسول اللہ ﷺ مسجد میں قرآن پڑھنے والے کو بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے کا حکم فرماتے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قاری کو حکم دیتے کہ وہ بلند آواز سے قرآن پاک پڑھے تاکہ وہ اور ان کے ساتھی اسے سنیں کیونکہ یہ زیادہ ثواب کا باعث، اور قرآنی آیات میں تدبر کا مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر غافلین کے دلوں کو بیدار کرنے کیلئے بھی نفع مند ہے۔

ان احادیث میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ اشخاص اور احوال کے مطابق اس کا حکم تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جس شخص کو ریا کا خوف ہو یا اس کی بلند آواز سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کیلئے ذکر سری افضل ہے۔ اور جس شخص کو ان اشیاء کا خطرہ نہ ہو اس کیلئے ذکر بالجہر افضل ہے۔ فتاوی قاضی خان میں ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زمرہ میں نہ آجائیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ۔ (بقرہ:۱۱۴)

یعنی "اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کا نام"۔

[1] (مسلم کتاب المساجد، ترمذی کتاب الصلاۃ)

اور اسی طرح فتاوی بزازیہ میں ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!"علمائے خلف وسلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں حلقے کی صورت میں ذکر کرنا مستحب ہے۔ مگر جب ذکر سونے والوں، نمازیوں اور تلاوت قرآن کرنے والوں کیلئے تشویش کا باعث بنے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس چیز کا ثبوت ہے۔"[1]

حضرت علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ فتاوی خیریہ کے "باب الکراھیۃ والاحسان" میں منقول ہے کہ بہت سی احادیث ذکر بالجہر کی مقتضی ہیں جیسے:

"ان ذکرنی فی ملاذکرتہ فی ملاخیر منہ"۔

"اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرتا ہے تو میں اس سے کہیں بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔" (الحدیث)

اس کے علاوہ بعض احادیث ایسی ہیں جو ذکر سری کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان دونوں کے مابین تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ یہ حکم اشخاص اور احوال کے تبدیل ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح کہ ان احادیث میں تطبیق کی گئی ہے جن میں بلند اور پست آواز سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ذکر بالجہر کے معارض یہ حدیث: "خیر الذکر خفی" نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت کا اندیشہ ہو۔ ان صورتوں کے علاوہ اہلِ علم کے نزدیک ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس سے سامعین بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اور ذاکر کے دل کو بیدار اور اس کی قوت سماعت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نیند کو دور اور نشاط میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح "حاشیۃ الحموی" میں امام شعرانی سے منقول ہے: "علمائے خلف وسلف کا مساجد میں اجتماعی ذکر کے استحباب پر اجماع ہے۔ جبکہ ان کی بلند آواز سونے والوں، نمازیوں اور تلاوت قرآن والوں کیلئے تشویش کا باعث نہ ہو۔"[2]

(ب): دل اور زبان کا ذکر:

شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ذکر باللسان اکابر اور اصاغر سب کیلئے مشروع ہے کیونکہ حجاب عظمت کسی کیلئے بھی منکشف نہیں ہوا، حتیٰ کہ انبیاء کیلئے بھی یہ حجاب ہوتا ہے لیکن انتہائی رقیق ہوتا ہے۔[3]

---

[1] (حاشیہ طحطاوی: ص: ۲۰۸)

[2] (حاشیہ ابن عابدین: ج: ۵: ص: ۲۶۳)

[3] (المیزان: ج: ۱: ص: ۱۶۰: عبدالوھاب شعرانی)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ بے وضو، جنبی اور حیض و نفاس والی عورتوں کیلئے قلبی اور لسانی ذکر جائز ہے اور یہ ذکر تسبیح و تہلیل اور تکبیر، نبی پاک ﷺ پر درود و دعا کی صورت میں ہو سکتا ہے۔[1]

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکر قلب کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور زبان سے بھی لیکن افضل ذکر یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے ایک ساتھ کیا جائے۔ ان دونوں میں سے افضل قلبی ذکر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے والا اپنا مطلوب و مقصود رضائے خداوندی رکھے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں !لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا شمار ہوتا ہے۔ اگر انسان اعمال خیر میں لوگوں کی فضول تانک جھانک اور ظنون باطلہ میں الجھ جائے تو بہت سی نیکیوں سے محروم ہو جائے۔ اور بہت سے اہم دینی امور کو ترک کر دے۔ اور یہ عارفین کا طریقہ نہیں۔[2]

غافل کے دل پر ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ذکر اور دیگر عبادات میں لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

"لا خیر فی ذکر ما فی قلب غافل ساہ"۔

غافل اور غیر حاضر دل کے ساتھ ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حالت غفلت میں ذکر کو ترک کر دے۔ بلکہ بلند ہمت انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے اور بار بار اپنے دل کی نگرانی کرے۔ یہاں تک کہ وہ حالتِ غفلت سے حالتِ حضور میں منتقل ہو جائے۔ اور یہ اس تیر انداز کی طرح ہے جو پہلی مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کوشش کرنے سے ہدف تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح انسان اپنے دل کے ساتھ ذکر میں بار بار کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل عادی اور اللہ کی بارگاہ میں اسے حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ بصیرت پر یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ اعمال میں سب سے افضل ذکر ہے لیکن اس کے تین غلاف ہیں ان تین غلافوں کے بعد اصل مغز ہے۔ لیکن ان غلافوں کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ یہ اس اصل تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

(۱): صرف لسانی ذکر۔

---

[1](الفتوحات الربانیۃ، ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۶)

[2](فتوحات ربانیہ، ج ۱ ص ۱۲۷)

(۲): قلبی ذکر۔ جبکہ دل کو اس کی موافقت کی ضرورت ہو۔ یہاں تک کہ وہ ذکر کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر دل کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ افکار کی وادیوں میں گم ہو جائے۔

(۳): دل میں ذکر اس قدر پختہ اور غالب ہو جائے کہ اس کو کسی غیر کی طرف متوجہ کرنے کیلئے تکلف کی ضرورت ہو جس طرح کہ دوسری صورت میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ کرنے کیلئے تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ ان تینوں صورتوں کا لبِ لباب اور حاصل ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مذکور دل میں گھر کر جائے اور ذکر مخفی ہو جائے اور اس کا اثر زائل ہو جائے۔ یہی اصل مقصود ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر نہ ذکر کی طرف متوجہ ہو اور نہ دل کی طرف بلکہ مذکور میں مستغرق ہو جائے۔ اسی اثناء میں اگر ذاکر کی توجہ ذکر کی طرف ہو جائے تو یہ حجاب متصور ہو گا۔ عارفین کے نزدیک یہ فنافی اللہ کا مقام ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں یہی اس ذکر کا حاصل اور ثمرہ ہے۔ اس کی ابتداء لسانی ذکر سے پھر تکلفاً ذکر قلب سے پھر طبعاً ذکر قلبی سے ہوتی ہے پھر آخر میں مذکور دل میں متمکن ہو جاتا ہے اور دل سے ذکر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔[1]

انفرادی اور اجتماعی ذکر:

اجتماعی عبادت انفرادی عبادت کے مقابلہ میں افضل واعلیٰ ہے کیونکہ اجتماعی عبادت میں مختلف قلوب باہم ملتے ہیں، باہمی تعاون کی فضا سازگار ہوتی ہے، ضعیف قوی سے، تاریک روشن سے، کثیف لطیف سے اور جاہل عالم سے استفادہ کرتا ہے۔

حدیث پاک ہے:

"عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا: وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر"۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو۔ عرض کی گئی کہ جنت کے باغ کون سے ہیں؟ فرمایا! وہ ذکر کے حلقات ہیں"۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے چل پھر کر زمین میں مجالسِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ اور جب کسی مجلس ذکر کو پالیں تو آسمان تک اس مجلس ذکر کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح و تحمید بیان کرتے تھے، تیری بارگاہ میں دامنِ طلب دراز کرتے تھے اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے۔ اللہ

---

[1] (کتاب الاربعین فی اصول الدین: ص: ۵۲/۵۵: امام غزالی)

[2] (الترمذی: کتاب الدعوات)

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ کس چیز کا سوال کرتے تھے؟ حالانکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں: اے مولیٰ! وہ تجھ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں یارب: تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ جبکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں! آگ سے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے! کیا نہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں۔ وہ فرماتا ہے: اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان کو بخش دیا۔ اور ان کو میں نے عطا کر دیا جس کا انہوں نے سوال کیا۔ اور ان کو پناہ دی جس سے انہوں نے پناہ مانگی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: یاباری تعالیٰ: ان میں ایک گناہ گار آدمی تھا جو ان کے ساتھ بیٹھ گیا، جبکہ ان میں سے نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اسے بھی معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہو سکتا۔"[1]

اور حدیثِ پاک ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ما من قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا! ذکر کرنے والے لوگوں کو اللہ کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے، اطمینان وسکون ان پر نازل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں میں کرتا ہے"۔[2]

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ خرج علی حلقۃ اصحابہ فقال ما یجلسکم قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ فقال! انہ اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکۃ۔

ترجمہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور فرمایا: تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کی: ہم یہاں بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے۔"[3]

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات، والحاکم)
[2] (مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)
[3] (مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)

حدیث پاک ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان للہ سیارۃ للملائکۃ یطلبون حلق الذکر فاذا اتوا علیھم حفوا بھم۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اہلِ ذکر کے حلقات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اصحابِ ذکر کی محفل ملنے پر اسے ڈھانپ لیتے ہیں۔“[1]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ قال: اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا، قالوا: وما ریاض الجنۃ؟ قال: حلق الذکر۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو خوب کھایا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔“[2]

علامہ ابن عابدین اجتماعی ذکر کی بحث کے ضمن میں اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انفرادی اور اجتماعی ذکر کو تنہا اذان اور بہت سے اذان دینے والوں سے تشبیہ دی ہے۔ کثیر اذانیں دینے والوں کی آواز ہوا کا سینہ چیر کر دور دراز تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح اجتماعی ذکر رفع حجابات کیلئے بڑا موثر ذریعہ ہے۔[3]

قال العلامۃ ابن علان شارح الأذکار فی معنیٰ ھذا الحدیث: (والمعنیٰ: إذا مررتم بجماعۃ یذکرون اللہ فاذکروا موافقۃ لھم، أو اسمعوا أذکارھم، فإنھم فی ریاض من الجنۃ حالاً أو مالاً۔ قال تعالیٰ: {وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ}[الرحمٰن:۴۶][4]

وقال العلامۃ ابن عابدین فی حاشیتہ فی معرض ذکر اللہ تعالیٰ مع الجماعۃ: (وقد شبہ الإمام الغزالی ذکر الإنسان وحدہ وذکر الجماعۃ بأذان المنفرد وأذان الجماعۃ، قال: فکما أن أصوات المؤذنین جماعۃ تقطع جرم الھواء أکثر من صوت المؤذن الواحد، کذلک ذکر الجماعۃ علیٰ قلب واحد أکثر تأثیراً فی رفع الحجب الکثیفۃ من ذکر شخص واحد)۔[5]

---

[1] (رواہ البزار، وقال الھیثمی: إسنادہ حسن)

[2] (ترمذی، السنن، ۵:۵۳۲، رقم: ۳۵۱۰، احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵۰، رقم: ۱۲۵۴۵، ابو یعلیٰ، المسند، ۶:۱۵۵، رقم: ۳۴۳۲، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۸، رقم: ۵۲۹، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۲، رقم: ۲۳۲۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۶)

[3] (حاشیہ ابن عابدین: ج:۵: ص:۲۶۳)

[4] (الفتوحات الربانیۃ، ج ۱ ص ۹۴)

[5] (حاشیۃ ابن عابدین ج۵ ص ۲۶۳)

وقال الطحطاوی فی حاشیة: ونص الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرھا من غیر نکیر، إلا أن یشوش جھرھم بالذکر علیٰ نائم أو مصلّ أو قاری ءقرآن، کما ھو مقرر فی کتب الفقہ۔[1]

انفرادی ذکر دل کی صفائی، اس کو بیدار کرنے، اپنے رب کے ساتھ انسیت کا عادی بنانے، اس سے مناجات میں مشغولیت اور اس کے قرب کا انتہائی موئثر ذریعہ ہے۔

مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ خلوت میں ذکر کیلئے اپنا وقت مختص کرے اور قبل از ذکر اپنے نفس کا محاسبہ اور اپنے عیوب اور خطایا میں غور وفکر کرے۔ اگر اسے کوئی گناہ نظر آئے تو توبہ کرے اور اگر کوئی عیب نظر آئے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کے سائے کے نیچے پناہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اور ان میں سے ایک وہ آدمی ہو گا جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا تو اس کے آنسو بہہ نکلے۔[2]

انفرادی ذکر کے آداب:

ذاکر کو چاہیئے کہ صفات کاملہ کا جامع ہو۔ اگر وہ بیٹھ کر ذکر کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ قبلہ جانب منہ کرے۔ اپنے سر کو جھکا کر بڑے سکون وو قار کے ساتھ بحالت عاجزی وانکساری ذکر کرے۔ اگر اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں ذکر کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور کوئی کراہت نہیں۔ لیکن بلا عذر اس حالت کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ اسی طرح مجلسِ ذکر صاف اور شور وغل سے خالی ہو۔ کیونکہ یہی ذکر اور مذکور کے احترام کیلئے موزوں ہے۔ اسی وجہ سے مساجد اور بابرکت مقامات میں ذکر کی مدح کی گئی ہے۔ اسی طرح ذاکر کا منہ بھی صاف ہونا چاہئے۔ جب اس کی ظاہری صفائی و نظافت مستحب ہے تو دل جو کہ رب کی نظر کا محل ہے اس کی صفائی زیادہ اہم ہے۔ دل کا حقد وحسد، بخل، تکبر، ریا اور دنیاوی روابط ومشاغل اور اغیار جیسی نجاسات سے پاک ہونا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ کی ہم نشینی کا اہل ہو سکے۔ اور فیوضات ربانیہ سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

ذکر تمام احوال میں محبوب وپسندیدہ ہے اور ذکر سے مراد حضور قلب ہے ذاکر کو چاہئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے اور ذکر کے معانی میں غور وفکر کرے۔ اگر وہ استغفار کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ قلبی طور پر اللہ تعالیٰ سے توبہ ومغفرت کا طالب ہو۔ اور اگر وہ نبی کریم ﷺ پر دورد پاک پڑھ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلب میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو اجاگر

---

[1] (حاشیة طحطاوی ص ۲۰۸)

[2] (صحیح بخاری کتاب أبو اب صلاة الجماعة، مسلم کتاب الزکاة)

کرے۔ اور اگر وہ نفی و اثبات (یعنی لا الہ الا اللہ) کا ذکر کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہر شئی کی نفی کرے۔ بہر حال ذاکر کو چاہئے کہ عدمِ حضورِ قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی زبان کے ساتھ ذکر اللہ کرتا رہے اگرچہ دل غافل ہی ہو کیونکہ ذکر سے انسان کا غافل ہونا اللہ تعالیٰ سے کلیۃً اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ زبان کو ذکر میں مشغول کرنا اطاعتِ خداوندی میں مصروف رکھنا ہے۔ اور اگر لسانی ذکر کو بھی ترک کر دیا جائے تو زبان غیبت، چغل خوری اور اس طرح کی دیگر معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ابنِ عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ذکر اللہ میں حضور قلبی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ تیرا اس کے ذکر سے کلیۃً غافل ہونا اس کے ذکر میں عدمِ حضورِ قلب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت والے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف اور بیداری کے ذکر سے حضورِ قلب کی طرف اور پھر حضورِ قلب سے ایسے ذکر کی طرف منتقل کر دے جس میں اللہ کے سوا کسی اور چیز کا تصور تک نہ ہو۔ اور ایسا کرنا خدا کیلئے مشکل نہیں ہے۔[1]

المختصر یہ کہ انسان لسانی ذکر کو جاری رکھے یہاں تک کہ اس کا دل کھل جائے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو جائے۔

اجتماعی ذکر بالجہر کے آداب:

ذکر بالجہر کے تین آداب ہیں:

(۱): آداب سابقہ　　(۲): آداب مقارنہ　　(۳): آداب لاحقہ

ان تین قسموں میں سے ہر ایک کے دو حصے ہیں:

(۱): ظاہری　　(۲): باطنی

(۱): قبل از ذکر ظاہری آداب: یہ درج ذیل ہیں:

(۱) کپڑے پاک ہوں　　(۲): باوضو ہو　　(۳): خوشبو وغیرہ لگائے

(۴): حرام کی غذا اور کمائی سے محفوظ ہو

[1] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۷۹، ابن عجیبہ)

(۲): قبل از ذکر باطنی آداب:

یہ بھی مختلف قسم کے آداب ہیں:

(۱): سچی توبہ کے ساتھ اپنے دل کو پاک کرے۔

(۲): تمام امراض قلبیہ سے نجات حاصل کرے۔

(۳): اپنی قوت پر بھروسہ نہ کرے۔

(۴): انتہائی عاجزی وانکساری سے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر بھروسہ کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو۔

(۳) دورانِ ذکر ظاہری آداب:

اگر لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں تو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے اور اگر کھڑے ہوں تو ان کے پیچھے کھڑے ذکر میں مشغول ہو جائے حتیٰ کہ اس کے قریب والے ساتھی اس کیلئے حلقے میں وسعت پیدا کر دیں تاکہ وہ ان کے درمیان داخل ہو کر نظم وضبط سے ذکر کر سکے۔ اور اگر بسبب عذر حلقہ ذکر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں اطراف سے ذاکرین کو ملادے تاکہ حلقہ ذکر میں انقطاع نہ ہو۔ ذاکر کو چاہیئے کہ اپنے اصحاب ذکر کے ساتھ موافقت کرے نہ کہ ان کی مخالفت۔ ان کی آوازوں میں اپنی آواز کو مخفی کرنے کی کوشش کرے تاکہ ان کے ساتھ گھل مل جائے۔ اور اپنی آنکھوں کو بند رکھے تاکہ بارگاہِ خداوندی میں حضور قلب کیلئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

(۴) دوارنِ ذکر باطنی آداب:

شیطانی وساوس اور نفسانی خواطر کو دور کرنے کیلئے مجاہدہ کرے۔ اپنے دل کو امور دنیا میں مشغول نہ کرے۔ اپنے دل کی ہمت کے ساتھ ذکر میں حضوری کی کوشش کرے بارگاہِ ایزدی سے حاصل ہونے والے انوار و تجلیات کیلئے ہمہ تن تیار ہو جائے۔

(۵) بعد از ذکر ظاہری آداب:

ذکر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت، پند ونصائح اور ارشادات شیخ کو غور سے سنے۔ اور شیخ کی نصیحت اور فرمان اور اس کی تفصیل کی طرف توجہ کرے۔ اور جب تک مجلس ذکر میں موجود رہے تو کسی قسم کی دنیاوی گفتگو نہ کرے۔ خلاف آداب ہر عمل سے پرہیز کرے اور وہ بعد از اختتام محفل ذکر ودعا، اپنے شیخ اور پیر بھائیوں سے مصافحہ یاہاتھ چوم کر سلام کرے۔

(۶) بعد از ذکر باطنی آداب:

ذکر کے بعد باطنی آداب درج ذیل ہیں:

اس کا دل مختلف خواطر سے الگ اور التفات غیر سے محفوظ رہے۔ اور وہ عطائے خداوندی کا انتظار کرتا رہے۔ پھر کمر ہمت باندھ کر پختہ ارادہ اور عزم مصمم کرلے کہ وہ اس کے مع بعد کی مجلس میں ضرور جائے گا۔

ذکر مقید اور ذکر مطلق:

ذکر مقید: وہ ذکر ہے جس کا وقت اور جگہ نبی کریم ﷺ نے متعین کردی ہو۔ جیسا کہ بعد از نماز تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر، سفر، کھانے پینے اور نکاح کے اذکار، مصائب و آفات کو دور کرنے والا ذکر، مرض موت اور ان دونوں کے متعلقہ امراض ،بعد از نماز جمعہ، جمعرات، رویئتِ ہلال، افطار، صوم اور حج کے متعلق مختلف اذکار، اذکار صبح و شام، سونے جاگنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے اذکار اور اس کے علاوہ بہت سے متفرق اذکار ہیں، مرغ کی آذان، گدھے کی آواز سنتے وقت مخصوص دعائیں، مرض میں مبتلا کسی شخص کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعاوغیرہ۔ یہ اذکار مقیدہ کی چند ایک صورتیں ہیں اور اس کا تفصیلی بیان اذکار کی تفصیلی کتب میں موجود ہے۔

ذکر مطلق: یہ وہ ذکر ہوتا ہے جو کسی زمان و مکان وقت و حال قیام و قعود سے بالاتر ہوتا ہے۔

مؤمن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرتا رہے اور اس کی زبان اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے تر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کثیر مقامات پر ذکر کا حکم دیا ہے۔

ارشاداتِ خداوندی: (۱): فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (بقرہ: ۱۵۲) "سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا"۔

(۲): يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (انبیاء: ۲۰) "وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں صبح و شام اکتاتے نہیں"۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (احزاب: ۴۰، ۴۱) "اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی کیا کرو صبح و شام۔"

(۴): "الذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا" (احزاب: ۳۵) "اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم"۔

ان آیات بینات کے علاوہ اور بھی کثیر آیات ہیں جو مطلق ذکر اللہ کی کثرت کی داعی ہیں اور ان میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے تمام احوال و اوقات میں ذکر کا حکم فرمایا ہے۔

احادیثِ نبویہ سے ثبوت

فقد روی عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ ﷺ ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشیٔ اتشبث بہ قال لا یزال لسانک رطبا من ذکرک۔

”حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے کثیر احکام ہیں مجھے کوئی ایسا حکم بتائیں جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں۔ فرمایا! تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے“۔[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔

(أخرجہ مسلم فی کتاب الطھارۃ و کتاب الفضائل, والترمذی فی کتاب الدعوات, وأبو داؤد وابن ماجہ فی کتاب الطھارۃ)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مختلف قسم کے اذکار کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جب بھی کوئی عبادت مقرر کی تو اس کی ایک حد مقرر کر دی پھر حالتِ عذر میں معذورین کو رخصت دی۔ لیکن ذکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کی نہ تو کوئی حد مقرر کی نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا سوائے مجنون کے اور اپنے بندوں کو ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): **”فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ“(نساء:۱۰۳)**

”ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر۔“

(۲): **”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا“(احزاب:۴۱)**

”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔“

یعنی دن میں رات میں خشکی و تری سفر و حضر غنا و فقر صحت و مرض ظاہر و مخفی گویا کہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرو۔[2]

صوفیائے کرام اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے تمام احوال و اطوار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض ذکر زمانہ کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور بعض مطلق۔ اسی طرح بعض ذکر خاص تعداد کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ اور بعض اس سے مختلف۔ ہر نماز کے بعد تسبیح و تحمید تکبیر و تہلیل کی ایک خاص تعداد مقرر ہے۔

---

[1](ترمذی کتاب الدعوات وقال: حدیث حسن)

[2](نور تحقیق ص ۱۴۷)

حدیث پاک ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا۔ ان کو جمع کرنے سے ۹۹ کا ہندسہ بنتا ہے اور ۱۰۰ مکمل کرنے کیلئے کہا:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر"۔

تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ [1]

عن سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا عند رسول اللہ ﷺ فقال: ایعجز احدکم ان یکسب فی کل یوم الف حسنۃ۔ فسألہ سائل من جلسائہ۔ کیف یکسب احدنا الف حسنۃ۔ قال: یسبح مائۃ تسبیحا فتکتب لہ الف حسنۃ او تحط عنہ الف خطیئۃ۔

"حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک روزانہ ہزار نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ صحابہ میں سے ایک صحابی نے عرض کی کہ ہم ہزار نیکیاں کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ فرمایا! جو سو مرتبہ تسبیح پڑھے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی یا ہزار گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔" [2]

عن الاغر بن یسار المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ یا ایھا الناس! توبوا الی اللہ واستغفروہ فانی اتوب فی الیوم مائۃ مرۃ۔

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں۔" [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دن میں سو مرتبہ پڑھا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر تو اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، سو گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اس دن شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوتا مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ اس کلمے کا ورد کرے۔ [4]

---

[1] (مسلم، کتاب المساجد)

[2] (مسلم کتاب الذکر والدعاء)

[3] (مسلم کتاب الذکر والدعاء)

[4] (بخاری کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذکر)

ابن علان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: سو کا عدد ذکر کرنا اور ان اذکار کا اس میں محصور کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس ثواب کی غایت اور حد ہے اور پھر آپ کا ارشاد فرمانا کہ جس نے سو سے زیادہ مرتبہ اس کا ورد کیا اس کو زیادہ ثواب سے نوازا جائے گا۔ تاکہ کہیں یہ گمان نہ ہو کہ مقررہ عدد سے تجاوز کرنا منع ہے اور زیادتی کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا جس طرح کہ سنتوں کی مقررہ رکعات سے تجاوز کرنا اور اعضاء وضو کو مقررہ تعداد سے زیادہ دھونا منع ہے اس کے برعکس بعض علماء کا خیال ہے کہ مقررہ عدد سے تجاوز کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ مخصوص ثواب مقررہ عدد پر موقوف ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! یہ قول بعید از صواب اور قابلِ التفات نہیں ہے بلکہ صحیح یہی ہے کہ کوئی شخص جتنا زیادہ عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمادے گا۔

وبالغ آخرون فقالوا: إن الثواب الموعود به موقوف علىٰ العدد المذكور۔قال ابن الجوزی: وھذا غلط ظاھر، وقول لايلتفت إليه، بل الصواب أنه كما قال الشاعر: ومن زاد زاد الله فی حسناته۔ [1]

ذکر مطلق: وہ ذکر جس میں کسی خاص عدد کی قید نہ ہو۔ اور اس سے مراد وہ ذکر ہے جس کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ نے بلا تخصیص عدد دیا ہے۔

جس طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (احزاب: ۴۱)

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے"۔

جوں جوں مؤمن کی ہمت بلند ہوتی ہے اور اللہ کے ساتھ اس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے کیونکہ "من احب شیئا اکثر ذکرہ" جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ بکثرت اس کا ذکر کرتا ہے۔ (الحدیث)

شیخ کا اپنے مرید کیلئے ذکر کی تعداد کو متعین و مقرر کر دینا باعثِ حرج نہیں ہے۔ اس طرح شیخ اپنے مرید کی ہمت کو بڑھاتا اور اس کے عزم وارادہ کو پختہ کرتا ہے اور اس سے سستی و کاہلی کو دور کرتا ہے حتیٰ کہ اس کا شمار بکثرت ذکر کرنے والوں میں ہو جاتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کے مختلف کلمات: ذکرِ الٰہی کے مختلف کلمات قلبی امراض اور نفسانی بیماریوں کیلئے دواء کا کام کرتے ہیں۔ اور ان اذکار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً لا الہ الا اللہ۔ درود بر نبی ﷺ۔ بعض اسمائِ حسنیٰ اور لفظ اللہ کا ورد۔ یہ تمام دوائیں قرآن وحدیث کے روحانی شفاخانے سے ہی دستیاب ہیں۔

---

[1] (الفتوحات الربانیة، ج ۱ ص ۲۰۹)

کیونکہ ذکر کے مختلف کلمات ہیں اور ہر کلمے کا دل پر ایک خاص اثر و تاثیر ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام جو کہ دلوں کے طبیب اور تعلیم و تربیت میں رسول اللہ ﷺ کے نائب ہوتے ہیں وہ اپنے مریدوں کو خاص اور معین ذکر کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ ذکر ان کے احوال اور ضروریات کے مناسب ہوتا ہے۔ اور منازلِ سلوک کو طے کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح جسمانی طبیب مریض کیلئے مختلف قسم کی دوائیں تجویز کرتا ہے جو اس طبیعت اور مزاج کے موافق ہوتی ہیں۔ پھر صحتِ مریض کے مطابق دوا میں تبدیلی لاتا رہتا ہے۔ اسی طرح سالک کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رکھے۔ اور وقتاً فوقتاً اس سے مشورہ کرتا رہے۔ اور دورانِ ذکر جو روحانی فوائد اور فیوض و برکات حاصل ہوں وہ اپنے شیخ کو بتائے۔ اس طرح وہ منازلِ سلوک میں ترقی کرتا جائے گا اور آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرے گا۔

صرف لفظ "اللہ" کے ذکر کا حکم:

صرف لفظ "اللہ" کا ذکر جائز ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا" (مزمل:۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ (دھر:۲۵)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔"

ارشاداتِ نبویہ سے ثبوت:

ارشادِ نبوی ہے:

"عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض "اللہ اللہ"۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جب تک روئے زمین پر "اللہ اللہ" کا ذکر رہے گا تو اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی"۔[1]

اس حدیث میں لفظ اللہ کا ذکر مکرر آیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعۃ علی احد یقول "اللہ اللہ"۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کسی "اللہ اللہ" کا ورد کرنے والے پر قیامت قائم نہیں ہوگی"۔[2]

---

[1] (مسلم کتاب الایمان، ترمذی کتاب الفتن، وقال: حدیث حسن، والامام احمد فی مسندہ)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج۵ ص ۲۲۶)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب اللہ کا ذکر نہیں کیا جائے گا تو لوگوں کی بقا کی حکمت مفقود ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی بقا علماء عاملین، اولیاء صالحین اور عام مؤمنین کی برکت سے ہے اور امام طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی مراد ہے۔ وہ اس حدیث پاک کا یہ معنی بیان کرتے ہیں! "حتی لا یذکر اسم اللہ و لا یعبد" حتیٰ کہ نہ اللہ کے اسم کا ذکر ہو گا اور نہ ہی اس کی عبادت کی جائے گی۔

اس کے علاوہ وہ آیات کریمہ اور احادیث طیبہ جو ذکر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں عام اور مطلق ہیں کسی معین ذکر کی تخصیص نہیں کرتیں۔ اور نہ کوئی ایسا حکم وارد ہوا ہے جس نے لفظ "اللہ" کے ذکر کو حرام قرار دیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جلد باز لوگ غلطی پر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مفرد ذکر پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور ان کی حجت یہ ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآن و سنت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر صرف لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو جملہ مفیدہ نہیں بنتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ مفرد کے ساتھ ذاکر کسی مخلوق کے ساتھ گفتگو نہیں کر رہا اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا کلام مکمل جملہ مفیدہ ہو کیونکہ وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے جو اس کے دل کے اسرار سے بھی آگاہ ہے۔ جمہور علماء نے لفظ اللہ کے ذکر کے جواز کی تصریح کی ہے۔ یہاں بعض اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔ امام طحاوی اور کثیر علماء وصوفیاء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے حتیٰ کہ وہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ مقام کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔ [1]

علامہ الخادمی لکھتے ہیں کہ لفظ اللہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الکسائی، الشعبی، اسماعیل بن اسحاق، ابو حفص اور جمہور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسم اعظم ہے۔ اور یہی عقیدہ صوفیائے کرام اور مشائخ کا ہے اور ان کے نزدیک صاحبِ مقام کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے: "قل اللہ ثم ذرھم"۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی "انا مع عبدی ما ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ" (مسند، مستدرک، ابن حبان) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں! جو دل کے ساتھ رب کا ذکر کرتا ہے اسے اس کی معیت حاصل ہوتی ہے اور جو زبان کے ساتھ اس کا ذکر کرے اسے بھی اس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت اور ذکر جب بندے کی

---

[1] (حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۵)

روح اور دل پر چھا جاتا ہے تو اسے اپنے رب کی معیت اور ہم نشینی حاصل ہوتی ہے۔ اور ذکر کی تین اقسام ہیں۔ عوام الناس کا ذکر زبان سے، اور خواص کا دل سے ہوتا ہے اور خواص الخواص کا ذکر اپنی ذات کو ذکر میں فنا کرنے اور مذکور کے مشاہدہ میں مستغرق رہنے سے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہر حال میں مشاہدۂ حق میں گم رہتے ہیں۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: منازلِ سلوک طے کرنے والے کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی نفع مند ذکر نہیں۔ یہ ذکر دل سے محبت غیر کو نکال دیتا ہے۔ ذکر کی حقیقت اور اس کے آثار انوار و تجلیات کے بارے میں عارفین کے اقوال کو اہلِ ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔[1]

شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! لفظ اللہ کا ذاکر اپنی ذات سے بے خبر اور اپنے رب کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔ وہ احکامِ الٰہی پر سختی سے کاربند اور دل کے ساتھ اس کے مشاہدہ میں مشغول رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مشاہدہ کے انوار و تجلیات اس کی بشری صفات کو جلا کر رکھ دیتے ہیں۔[2]

سید ابو العباس موسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اے سالک! تجھے اللہ اللہ کا ذکر کرنا چاہئے کیونکہ یہ اسم تمام اسماء کا سلطان ہے اس کا آغاز علم اور انتہاء نور ہے لیکن یہ نور بالذات مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصود وہ کشف اور مشاہدہ ہے جو ذاکر کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے اسی اسم کا ذکر بکثرت کرنا چاہئے باقی تمام اذکار پر اسے ترجیح دینی چاہئے کیونکہ یہ ذکر کلمہ توحید میں موجود تمام عقائد، علوم، آداب اور حقائق کو شامل ہے۔[3]

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! لفظ اللہ سلطان الاسماء اور اسم اعظم ہے ذاکر زبان کے ساتھ اس ذکر میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ یہ ذکر اس کے گوشت اور خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے انوار ذاکر کے کلیات و جزئیات میں سرایت کر جاتے ہیں اور پھر ذکر زبان سے دل کی طرف اور دل سے روح کی طرف اور روح سے سر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس وقت زبان ساکت و صامت ہو جاتی ہے اور ذاکر کو وصال اور مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے۔[4]

مصنف فرماتے ہیں: اے مرید صادق! لفظ اللہ کے ذکر پر ثابت قدم رہ جبکہ تجھے اس کی کسی مرشد کامل نے اجازت دی ہو کیونکہ یہ ذکر خواہشات نفسانیہ کو ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیتا ہے۔ اور بعض اوقات مرید کو ابتداء میں اس ذکر کی وجہ سے حرارت اور تنگی محسوس ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس اس ذکر کا عادی نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذکر دل سے عالم خلق کو زائل کر

---

[1] (فیض القدیر ج ۲ ص ۳۰۹)
[2] (نور التحقیق ص ۱۷۴)
[3] (نور التحقیق، ص ۱۷۴)
[4] (تجرید ابن عجیبہ علیٰ شرح الأجرومیۃ، ص ۱۵)

دیتا ہے اور اسے کائنات سے خالی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ ابتداء میں اپنے مریدین کو لا الہ الا اللہ کے ذکر کا حکم دیتے ہیں۔ جب ان کے دلوں میں نفی واثبات پختہ ہو جاتی ہے تو انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس پر دوام اور اس کی تلخی برداشت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر مرید ابتداءً اس تلخی پر صبر نہ کر سکے اور اس ذکر کو ترک کر دے تو منازل سلوک میں آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اپنی کم ہمتی کی وجہ سے خیر کثیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ مگر جو مرید صادق اس ذکر کا پختہ ارادہ کر کے صبر واستقامت سے کام لیتا ہے تو یہ اسم اس کے دل میں نقش اور کندہ ہو جاتا ہے۔ غفلت اور کاہلی دور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ مبارک اسم اس کی رگوں میں سرایت کر کے اس کی روح کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پھر مذکور (ذاتِ باری تعالیٰ) ہمیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ جب لوگ غفلت کریں تو وہ غافل نہیں ہوتا۔ اس وقت وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے جس کی طرف نبی پاک ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے! "الاحسان ان تعبداللہ کانک تراہ۔"

ترکِ ذکر پر تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے تارکینِ ذکر کو تنبیہ فرمائی ہے جس طرح کہ مشائخِ عظام نے بھی اپنے مریدین کو ترکِ ذکر پر خبردار کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ o وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (زخرف: ۳۷,۳۶)

"اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمٰن کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہِ ہدایت سے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

(۲) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ o (اعراف: ۲۰۵)

"اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ اور نہ ہو جاؤ (یادِ الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔"

منافقین کی مذمت میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلاً (نساء: ۱۴۲)

اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت تھوڑا۔

احادیث رسول ﷺ:

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون فیه اللہ الا قاموا عن مثل جیفة حمار و کان علیهم حسرة یوم القیامة۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب کوئی قوم اللہ کے ذکر کے بغیر مجلس سے اٹھتی ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسے مردار گدھے سے اٹھتے ہیں۔ اور قیامت کے دن انہیں حسرت ہوگی۔“[1]

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیه کان علیه من اللہ ترة۔ و من اضطجع مضطجعا لا یذکر اللہ فیه کان علیه من اللہ ترة۔ و ما مشی احد ممشی لا یذکر اللہ فیه الا کان علیه من اللہ ترة۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ مجلس اس پر حسرت ہوگی اور جو شخص کسی بستر پر لیٹا اور اللہ کا ذکر نہ کیا، اسے اس پر حسرت رہے گی۔ اور جو شخص کسی راستے پر چلا، اور اللہ کا ذکر نہ کیا تو اسے بھی اس پر حسرت رہے گی۔“[2]

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ ما جلس قوم مجلسا لم یذکر اللہ فیه و لم یصلوا علی نبیهم الا کان علیهم ترة فان شاء عذبهم و ان شاء غفر لهم۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور اس نے نہ تو اللہ کا ذکر کیا اور نہ ہی اپنے نبی پاک ﷺ پر درود بھیجا انہیں اس پر حسرت وندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے، اور اگر چاہے تو اُنہیں بخش دے۔“[3]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے! ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اہلِ جنت ان اوقات پر حسرت کریں گے جن میں انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔“ **(طبرانی و بیہقی)**

صوفیائے کرام کے ارشادات:

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ما اعلم معصیۃ اقبح من ترک ذکر ھٰذا الرب۔ ”رب کا ذکر ترک کرنے سے زیادہ قبیح معصیت کا مجھے علم نہیں“۔

---

[1] (اخرجه أبو داؤد و الحاکم و قال: صحیح علی شرط مسلم کما فی الترغیب ص ۴۱۰)

[2] (رواه أبو داود فی سننه و الامام أحمد و ابن ابی الدنیا و النسائی ابن حبان فی صحیحه و اللفظ لأبی داود، و الترة: النقص و التبعة و الحسرة و الندامة)

[3] (رواه الترمذی فی کتاب الدعوات: و قال: حدیث حسن، و أبو داؤد فی سننه)

حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: زبان پر ذکر کا بوجھل ہونا نفاق کی علامت ہے۔۔۔ اے سالک! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر تاکہ وہ ذکر کو تیری زبان پر خفیف کر دے۔ انہوں نے یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اخذ کیا ہے جس میں منافقین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ [1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج وَإِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا قَلِيْلاً۔ (النساء: ۱۴۲)

ترجمہ: ''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر لوگوں کو دکھانے کیلئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شئی کی سزا اور عقوبت ہوتی ہے اور عارف کی عقوبت ترک ذکر ہے۔ عقلمند کو چاہئے کہ وہ غفلت سے بیدار ہو اور ذکرِ خداوندی سے اپنے دل کو بیدار کرنے میں سنجیدگی سے کوشاں اور ذکرِ کثیر کرنے والے مؤمنین کی صفات سے متصف ہو اور قلیل الذکر منافقین کی صفات سے نہ ہو۔

دورانِ ذکر جذب ووجد:

ذکر میں حرکت امر مستحسن ہے کیونکہ یہ بدن کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے اور اس کی دلیل امام احمد اور حافظ مقدسی کی روایت کردہ حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشی لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کر رہے تھے اور اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں: ''محمد ﷺ نیک بندے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہے تھے عرض کی گئی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے صالح بندے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو ناپسند نہیں فرمایا: اور ان کے اس فعل کو ثابت رکھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ احکام شرعیہ نبی کریم ﷺ کے قول فعل اور تقریر سے ماخوذ ہیں جب آپ ﷺ نے ان کے فعل کو ثابت رکھا اور اس کو ناپسند نہ کیا تو ثابت یہ ہوا کہ یہ فعل جائز ہے۔ اس حدیث پاک میں جھوم جھوم کر نعت رسول ﷺ پڑھنے کی دلیل ہے۔ حرکت ذکر کو رقص کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ جسم کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے۔ اور دورانِ ذکر حضوری قلب کا باعث ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بندے کی نیت صحیح ہو کیونکہ اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔

---

[1] (روضۃ الناظرین ص ۴۴)

حضرت ابو اراکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ دائیں طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر بیٹھے رہے۔ آپ کے چہرے پر رنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر جب سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہوا تو دو رکعتیں ادا کیں۔ اور اپنے ہاتھوں کو ملنے لگے پھر ارشاد فرمایا:

"و اللہ لقد رأیت اصحاب محمد ﷺ فما اری الیوم شیئا بشبھھم لقد کانوا یصبحون صفرا شعثا غبرا بین ایدیھم کامثال رکب المعزی، قد باتوا اللہ سجدا و قیاما یتلون کتاب اللہ، یتراوحون بین جباھم و اقدمھم فاذا اصبحوا فذکروا اللہ مادوا کما یمید الشجر فی یوم الریح و ھملت اعینھم حتی تتبل و اللہ ثیابھم"

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی بھی ان کی مثل نظر نہیں آتا۔ بوقت صبح ان کے رنگ پیلے اور بال بکھرے اور گرد آلود ہوتے، رات بھر اللہ کے حضور سجود و قیام میں رہتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور سجود و قیام سے تسکین اور راحت حاصل کرتے۔ علی الصبح ذکرِ الٰہی کرتے اور اس طرح حرکت کرتے جیسے ہوا میں درخت حرکت کرتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو رواں ہوتے کہ قسم بخدا ان کے کپڑے تر ہو جاتے۔"[1]

اس ساری عبارت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ **"مادوا کما یمید الشجر فی یوم الریح، و ھملت اعینھم حتی تتبل و اللہ ثیابھم"** قابلِ توجہ ہے کیونکہ یہ دورانِ ذکر جذب و حرکت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ اور جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ دورانِ ذکر حرکت کرنا بدعت محرمہ ہے ان کے دعوی کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے اپنے ایک رسالے میں دورانِ ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دورانِ ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نہ تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور نہ ہی اس کا قصد۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن ان کا صوفیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حلقات ذکر کے جمال کو مسخ کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سی بدعات ضالہ اور ایسے ناپسندیدہ افعال اس میں داخل کر دیئے ہیں جو شرع مطہرہ کے نزدیک حرام ہیں۔ ان کی محافل گانے بجانے کے آلات نوخیز لڑکوں اور آلات موسیقی سے مزین ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی محافل تصفیۂ قلب اور وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ غافلین کیلئے فرحت و سرور اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے بھرپور مواقع ہوتے ہیں۔

---

[1] (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸، الحلیۃ ج ۱ ص ۷٦)

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مدعیان علم مطلقاً حلقات ذکر کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جعلی صوفیوں اور حقیقی مشائخ میں فرق نہیں کرتے۔ حقیقی مشائخ اللہ سے ہی سنتے ہیں اسی کے مشتاق رہتے ہیں، اگر اس کا ذکر کریں تو ان پر آہ وبکا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور اس کا شکر کریں تو ان کے احوال ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو پالیں تو نعرہ مستانہ لگاتے ہیں، اگر مشاہدہ حق حاصل ہو جائے تو سکون وراحت میں ہو جاتے ہیں۔ جب ان پر کیفیت وجد غلبہ پذیر ہوتی ہے تو شراب عشق ومستی کے جام نوش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن کے دل پر خوف اور ہیبت کی چوٹ زنی ہوتی ہے تو عالم مدہوشی میں گر جاتے ہیں اور واصل بحق ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں پر لطف وکرم کی کرن درخشاں ہوتی ہے تو وہ عالم فرحت وسرور میں جھومنے لگتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو مقامِ قرب سے پیام محبت ملتا ہے تو وہ مدہوشی کے عالم میں اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اور میرے نزدیک مذکورہ سوال کا یہی جواب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

پھر فرماتے ہیں ہمیں ان لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں جو ان مخلص مشائخ کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے مشرب سے مستفید اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان پر خداوند کریم کی محبت اور شوق غالب آجاتا ہے بلکہ ہمارا اعتراض ان فاسق وفاجر لوگوں پر ہے جو صوفیاء کے لبادہ مین لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔[1]

ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام سے ظاہر ہوا کہ ذکر میں جذب ووجد جائز ہے اور آپ کا فتویٰ بھی اس کے جواز پر ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ردالمختار کی تیسری جلد میں ان اشیاء کو ممنوع قرار دیا ہے تو یہ ان حلقاتِ ذکر پر محمول ہو گا جن میں خلافِ شرع افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے یعنی وہ لوگ اس میں مختلف قسم کے آلاتِ موسیقی استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس کلام سے جذب ووجد کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ آپ کے "مجموعہ رسائل" تک رسائی نہیں کر سکے۔ اگر وہ مجموعہ رسائل کو پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے حقیقی صوفیاء اور لبادہ تصوف اوڑھنے والوں میں فرق کیا ہے اور حقیقی صوفیاء ومشائخ کیلئے تواجد کو مباح قرار دیا ہے۔ تواجد جو حقیقی وجد نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تکلف اور تصنع ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں جب ذاکر کی نیت صحیح ہو۔

جیسا کہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

مافی التواجد ان حققت من حرج   ولا لتمایل ان اخلصت من باس

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ص: ۱۷۲، ۱۷۳)

"اگر تو حقیقت سے آشنا ہے تو تیرے تواجد میں کوئی حرج نہیں اور اگر تو مخلص ہے تو تیرا جھومنا بھی قابلِ اعتراض نہیں"۔

جب تواجد شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح کہ فقہاء کرام نے بیان کیا ہے تو وجد بدرجہ اولی جائز ہو گا۔

صوفیائے کرام کا وجد اور تواجد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف احوال سے ماخوذ ہے۔ مکہ مکرمہ کے شافعی المذہب مفتی اور عظیم سکالر شیخ احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب "سیرۃ نبویہ" میں اسی قسم کے ایک واقعہ کی منظر کشی کرتے ہیں فرمایا: فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے سولہ مسلمان حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے قیام فرمایا، اور جب آپ ﷺ ان سے ملے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: ما ادری بایھما افرح بفتح خیبر ام بقدوم جعفر۔ وقال لجعفر: اشبھت خلقی و خلقی۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتحِ خیبر کی یا آمدِ جعفر کی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر کو ارشاد فرمایا: تو شکل وصورت میں اخلاق میں میرے مشابہہ ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو اس خطاب کی لذت میں رقص کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر انکار نہ کیا۔ اور یہی صوفیائے کرام کے رقص کی اصل ہے۔"[1]

علامہ آلوسی، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "اَلَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللہَ قِیَامًا وَّ قُعُودًا" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھ بہت سے لوگ عید کے دن نماز عید کیلئے نکلے تو راستے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "یذکرون اللہ قیاما و قعودا" نہیں سنا۔ تو وہ کھڑے ہو کر ذکر کرنے لگے۔ اور اس سے ان کا مقصد اس آیت کریمہ کے مطابق عمل کرنا تھا۔[2]

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وقل للذی ینھی عن الوجد اھلہ — اذا لم تذق معنی شراب الھوی دعنا
اذا اھتزت الارواح شوقا الی اللقا — نعم ترقص الاشباح یا جاھل المعنی

کہہ دو اس آدمی کو جو اہلِ وجد کو وجد کرنے سے منع کرتا ہے۔ اگر تو نے شرابِ محبت کا ذائقہ نہیں چکھا تو ہمیں اپنی حالت پر چھوڑ دو، جب روحیں ملاقات کیلئے بے قرار ہوتی ہیں۔ اے ناواقف اسرار! تو جسم بھی محور قص ہو جاتا ہے۔

[1](السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

[2](روح المعانی، ج ۴ ص ۱۴۰)

خلاصہ بحث: یہ ہے کہ ذکر میں جذب ووجد شرعاً مباح ہے۔ مزید براں یہ کہ ذکر کا حکم مطلق ہے اور تمام احوال کو شامل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، چلتے ہوئے، جھومتے ہوئے اور بحالت سکون کیا، وہ امرِ الٰہی کو بجالایا۔ اور جو شخص دورانِ ذکر وجد وجذب کی حرمت کا دعوی کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔ کیونکہ وہ مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال مسلمان کا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ حلقاتِ ذکر میں داخل ہو کر عبادت ذکر میں مشغول رہے کیونکہ یہ وجد وغیرہ ذکر کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ یہ تو اس عبادت میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور اگر نیت صحیح ہو تو اہلِ وجد کے ساتھ مشابہت بھی فائدہ مند ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

فتشبهوا ان لم تكونوا امثلهم ان التشبه بالكرام فلاح

اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو ان سے مشابہت کر لو کیونکہ شرفاء کی مشابہت اختیار کرنے میں کامیابی ہے۔

مسجد میں سماع اور اشعار کا حکم: حدیث پاک ہے:

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: ان من الشعر حکمة۔

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! بعض اشعار میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔"[1]

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان ینقل اللبن مع القوم فی بناء المسجد وهم يرتجزون ويقولون: اللهم لا عيش الا عيش الاخرة فانصر الانصار والمهاجرة۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لئے اینٹیں اٹھا رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رجز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے پس تو انصار ومہاجرین کی مدد فرما"۔[2]

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اکوع سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں خیبر کی طرف رات کا سفر کر رہے تھے تو کسی نے حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اکوع سے کہا آپ ہمیں اپنے اشعار سنائیں۔ حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر تھے آپ اپنی سورای سے اترے اور حدی خوانی شروع کر دی۔

---

[1] (بخاری کتاب الأدب، مسلم کتاب الجهاد)

[2] (صحیح بخاری فی کتاب الأدب، صحیح مسلم فی کتاب الجهاد)

آپ نے ارشاد فرمایا:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداءلک ما اقتضینا وثبت الاقدام ان لاقینا
والقین سکینۃ علینا انا اذا صیح بنا اتینا

اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ حاصل کرتے اور نہ ہی صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، تو اپنی مہربانی سے ہمارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اگر ہم دشمن پر حملہ کریں، ہم پر سکون واطمینان نازل فرما۔ دشمن نے جب ہمیں پکارا تو ہم آ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حدی خواں کون ہے؟ عرض کی عامر بن اکوع تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے تو صحابہ کرام میں ایک صحابی نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ اس کی شہادت لازم ہو گئی۔ کاش کہ آپ ہمیں کچھ دیر لطف اندوز ہونے دیتے۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ عامر بن اکوع اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔[1]

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے قریب سے گزرے۔ آپ نے دیکھا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھے اشعار پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بھرپور نظر سے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے میں تو مسجد میں اس وقت بھی اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بھی افضل ہستی (رسول اللہ ﷺ) موجود تھی۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنا: اجب عنی اللھم ایدہ بروح القدس قال نعم "اے حسان تم میری طرف سے انہیں جواب دے دو۔ اور اے میرے پروردگار تو روح القدس سے اس کی تائید فرما۔" حضرت ابوہریرہ کہنے لگے۔ ہاں سنا ہے۔"[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کے مفاخر بیان

---

[1] (صحیح بخاری فی کتاب الأدب، صحیح مسلم فی کتاب الجھاد)

[2] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الصلاۃ، وأول الحدیث "یا حسان أحب عن رسول اللہ ﷺ اللھم أیدہ بروح القدس" ورواہ مسلم فی صحیحہ فی باب فضائل حسان بن ثابت)

فرماتے تو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے: ان اللہ یؤید حسان برُوح القدس مانافح اَو فاخر عن رسول اللہ ﷺ۔ ”کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضرت حسان کی تائید فرماتا ہے۔ جب تک وہ مفاخر رسول اللہ ﷺ بیان کرتے رہتے ہیں۔“[1]

علامہ سفارینی فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن انباری کی روایت میں ہے کہ کعب بن زہیر جب توبہ کرکے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا اور جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسیف یستجاء بہ — مھند من سیوف الھند مسلول

ترجمہ: ”بے شک رسول اللہ ﷺ ہندی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔“

تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر انہیں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار درہم سے اس چادر کو خریدنا چاہا تو کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی چادر کو کسی صورت میں بھی نہیں بیچ سکتا۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خرید لی۔ حضرت کعب کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے قصیدہ پڑھنے اور آپ کا انہیں چادر مبارک عطا کرنے سے چند سنتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱): شعر پڑھنے کا جواز۔

(۲): مسجد میں اشعار کا سننا۔

(۳): شاعر کو انعام واکرام سے نوازنا۔[2]

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ”الاعتصام“ میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن القرافی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نماز سے فارغ ہونے کے بعد شعر پڑھنے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کون ہیں؟ عرض کی گئی کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا چلو اس کے پاس چلتے ہیں کیونکہ اگر ہم نے اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو وہ اس معاملے کو سمجھ جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں اس آدمی کے پاس تشریف لائے۔ اس آدمی نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا اور عرض کی یا امیر المؤمنین! کس کام اور غرض کی وجہ سے آپ یہاں تشریف لائے ہیں؟ اگر ہمارے ساتھ کام تھا تو ہمارا زیادہ حق بنتا تھا کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور

---

[1](رواہ مسلم فی صحیح فی کتاب فضائل صحابۃ)

[2](غذاء الألباب ص ۱۵۵)

اگر دین کا کام تھا تب بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی تعظیم ہمارے لئے فرض ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہارے متعلق مجھے قابلِ اعتراض بات پہنچی۔ اس نے عرض کی وہ کیا ہے یا امیر المؤمنین آپ نے فرمایا: تم نماز کے بعد اشعار پڑھتے ہو۔ اس نے عرض کی نہیں یا امیر المؤمنین یہ تو نصیحت ہے جو میں اپنے نفس کو کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ان اشعار کو پڑھو اگر تو اچھا کلام ہوا تو میں تمہارے ساتھ پڑھوں گا۔ اور اگر قبیح ہوئی تو میں تمہیں روک دوں گا۔

اشعار یہ ہیں:

وفؤادی کلماعاتبته — فی مری الھجر ان یبغی تعبی
لا اراہ الدھر الا لاھیا — فی تمادیہ فقد برح بی
یاقرین السوء ماھذا الصبیا — فنی العمر کذا فی اللعب
وشباب بان عنی فمضی — قبل ان اقضی منی اربی
ما ارجی بعدہ الا الفنا — ضیق الشیب علی مطلبی
ویح نفسی لا اراھا ابدا — فی جمیل لا ولا فی ادب

میں نے اپنے دل کو جب بھی ہجر کے بارے میں جھڑکا تو مجھے تنگ کرتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ وہ ہر وقت اپنی سرکشی میں غافل ہے حتیٰ کہ اس نے مجھے پریشان کر دیا، اے برے ساتھی! یہ کیا بچپنا ہے کہ اسی طرح عمر کھیل کود میں ضائع ہو گئی، جوانی مجھ سے جدا ہو گئی اور کوچ کر گئی قبل اس کے کہ میں اس سے کوئی حاجت پوری کر لیتا، اس کے بعد اب مجھے فنا کی امید ہے بڑھاپے نے میرے مطلوب و مقصود کو مشکل کر دیا، ہلاکت ہو میرے نفس کی میں نے اسے کبھی نیکی کے کام میں اور نہ ہی ادب کے کام میں دیکھا ہے۔

اس کلام کا آخری شعر یہ ہے جب امام صاحب نے یہ شعر پڑھا:

نفس لا کنت ولا کان الھوی — راقبی مولاہ وخافی وارھبی

اے نفس! نہ تو رہے اور نہ تیری خواہشات، اپنے مولیٰ کا خیال رکھ اس سے خوف کھا اور اسی سے ڈر۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ شعر پڑھنے لگے اور فرمایا جو شعر پڑھنا چاہے تو اسی قسم کے اشعار پڑھے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شعر عام گفتگو کی طرح ہے اس میں معیاری اور اچھے اشعار کو اچھا تصور کیا جائے گا اور قبیح کو قبیح۔[2]

---

[1](الاعتصام للامام الشاطبی ج ۱ ص ۲۲۰)

[2](فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ج ۱۰:۴۴۳)

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”لا باس بانشاد الشعر فی المسجد اذا کان مدحا للنبوۃ او الاسلام او کان حکمہ او فی مکارم الاخلاق او الزھد ونحو ذٰلک من انواع الخیر“۔

مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ نبی کریم ﷺ کی نعت ہو یا اسلام کی مدح، یا حکمت کا ذکر ہو یا مکارم اخلاق کا زہد ہو یا دیگر افعالِ خیر۔[1]

ابو بکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں:

لا بأس بإنشاد الشعر فی المسجد إذا کان فی مدح الدین و إقامۃ الشرع۔

مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اشعار دین اور احکام شرع کی تعریف میں ہوں۔[2]

حدیٰ خوانی:

اس کے متعلق حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں حدی خوانی عام تھی۔ اور حدی خوانی سے مراد وہ اشعار ہیں جو خاص طرز پر خوبصورت آواز میں پڑھے جاتے تھے۔ صحابہؓ کرام میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔[3]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں جارہے تھے آپ کا ایک غلام انجشہ، عورتوں کی سواریوں کو ہانک رہا تھا اور ساتھ ساتھ حدی خوانی کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا! اے انجشہ! سواریوں کو آہستہ ہانکو۔ یہ عورتیں آبگینوں کی مانند ہوتی ہیں۔[4]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انجشہ نامی غلام حدی خوانی کیا کرتا تھا۔ اس کی آواز انتہائی خوبصورت تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا! اے انجشہ ذرا آہستہ کہیں آبگینوں کو توڑ نہ دینا۔[5]

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں ابن بطال سے نقل کرتے ہیں کہ آبگینوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اونٹوں پر سوار تھیں۔ اور حضور ﷺ نے حدی خوان کو آہستہ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ پھر اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیز تیز چلتے تھے جس سے

---

[1] (شرح صحیح مسلم: ج:۱۶ :ص:۴۵)

[2] (تحفۃ الأحوذی شرح سنن ترمذی ۲۷۶ : ۲)

[3] (احیاء العلوم: ج: ۲ :ص: ۲۴۲)

[4] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب، و مسلم فی کتاب فضائل الصحابۃ)

[5] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب)

عورتوں کے گرنے کا خدشہ تھا۔ آخر میں ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں کہ حدی خوانی کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ بعض حنابلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن یہ اختلاف صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کی واضح دلیل ہے۔

حاجیوں کو حج کا شوق دلانے کیلئے کعبہ شریف اور دیگر مقامات کے متعلق پڑھے جانے والے اشعار اور اسی طرح مجاہدین کو جہاد پر برانگیختہ کرنے والے ترانے بھی اسی کے ضمن میں آتے ہیں۔

شیخ امام طبری، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے حدی خوانی، شعر اور غنا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں جب تک ان میں فحش کلام نہ ہو۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ وہ اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی عظمت و وحدانیت اس کی طاعت و انقیاد کا ذکر ہو وہ اچھے اور قابلِ توجہ ہیں۔ اور اس حدیث "ان من الشعر حکمة" سے اسی قسم کے اشعار مراد ہیں۔ اور اسی طرح وہ اشعار جن میں کذب اور بے ہودگی پائی جائے جائز نہیں اور قابل التفات نہیں۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حدی خوانی ہوتی تھی اور بعض اوقات آپ ﷺ خود بھی اس کا حکم فرماتے تھے اور حدی خوانی میں بھی اشعار خاص طرز پر پڑھے جاتے ہیں۔[1]

علامہ سفارینی فرماتے ہیں کہ الاقناع وغیرہ میں ہے کہ وہ حدی خوانی جس کے ساتھ اونٹوں کو ہانکا جاتا ہے اور بدّووں کے ترانے مباح ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق حدی خوانی بلا کراہت مباح ہے کیونکہ احادیث و آثار میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے۔[2]

علامہ الفقیہہ خلیل الخلاوی اپنی کتاب الحظر والاباحۃ میں فتاویٰ خیریہ سے نقل کرتے ہیں کہ صاحبِ فتاویٰ خیریہ مسئلہ سماع میں علماء کے اقوال اور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جہاں تک صوفیائے کرام کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ اس سماع کو مستحب کا درجہ حاصل ہے۔[3]

جیسا کہ کثیر محققین نے اس کا ذکر کیا ہے کہ سماع کا اصلی مقصد وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت ہے۔ کیونکہ سماع فطری طور پر انسانی جذبات ابھارتا ہے۔ اس سے بارگاہِ قدسی سے انس اور انوارِ محمدی تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام کا سماع لہو و لعب اور فضول امور سے خالی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کا حال عام لوگوں سے کہیں مختلف ہوتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام جو کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں عوام الناس کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ ان کا سماع اچھے احوال میں اضافے کا باعث

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری لإمام ابن حجر العسقلانی، ج ۱۰ ص ۴۴۲)

[2] (غذاء الألباب شرح منظومة الآداب، للعلامة السفارینی ج ۱ ص ۱۴۵)

[3] (الدرر المباحة فی الحظر و الإباحة للفقیة الشیخ خلیل بن عبد القادر الشیبانی الشهیر بالنحلاوی ص ۹۳)

ہوتا ہے۔ یہ وجد کو ظاہر کرتا ہے اور دل کو متحرک کرتا ہے کیونکہ ان کے دلوں کا اپنے رب سے گہرا تعلق اور ربط اور اس کی بارگاہ میں حضوری اور قرب حاصل ہوتا ہے تو یہ سماع ان کی ارواح کو سیراب کرتا ہے۔ اور منازلِ سلوک کو جلد طے کرنے کا سبب بنتا ہے لیکن کمینے اور گھٹیا لوگوں کا سماع اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ لہو و لعب اور آلاتِ موسیقی سے آراستہ محافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کے قلبی فسق و فجور کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اور فرائض و واجبات کو بھلا دیتی ہے۔ تو کیا ان فاسقوں اور فاجروں پر اولیائے صالحین کو قیاس کرنا ممکن اور مناسب ہے؟

سماع اور صوفیائے کرام:

حضرت مسلم عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! کہ ہمارے پاس صالح مری عتبہ الغلام عبد الواحد بن زید اور مسلم سواری تشریف لائے۔ ایک رات وہ ساحل پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان کیلئے کھانا تیار کر کے انہیں دعوت دی۔ وہ تشریف لائے تو میں نے کھانا ان کے سامنے رکھا تو کسی نے یہ شعر پڑھا:

وتلهيک عن دار الخلود مطاعم   و لذة نفس غيها غير نافع

تجھے جنت سے غافل کر دیا ہے ماکولات اور نفس کی لذت نے جس کی گمراہی فائدہ مند نہیں۔

جب انہوں نے یہ شعر سنا تو عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور باقی لوگ گریہ کناں ہو گئے۔ اور قسم بخدا کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ چکھا۔[1]

حضرت ابو عثمان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ حضرت الحارث محاسبی کے سامنے کسی قوال نے یہ اشعار پڑھے:

انا فی الغربة ابکی   ما بکت عین غریب

لم اکن یوم خروجی   من بلادی بمصیب

عجبًا لی و لترکی   وطنا فیه حبیبی

"میں بحالت سفر روتا ہوں، جیسا کہ ایک اجنبی کی آنکھ روتی ہے۔ میرا اپنے وطن سے نکلنے کا فیصلہ درست نہ تھا۔ اور تعجب ہے میرے لئے کہ میں اس وطن کا تارک ہو گیا، جہاں میرا محبوب رہتا تھا۔" آپ نے جب یہ اشعار سنے تو وجد میں آ گئے اور رونے لگے حتیٰ کہ تمام حاضرین آپ پر ترس کھانے لگے۔[2]

جب ذوالنون مصری بغداد تشریف لائے تو بعض صوفیاء اپنے قوال لے آئے اور آپ کے سامنے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔

---

[1] (الإحياء ج ۲ ص ۱۵۲)

[2] (طبقات الصوفية لأبی عبد الرحمن السلمی بتحقیق نور الدین شریبة ص ۶۰)

آپ نے اجازت دے دی تو اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

صغیر ھواک عذبنی | فکیف بہ اذا اختکا
وانت جمعت فی قلبی | ھوی قد کان مشترکا
اما ترثی لمکتب | اذا ضحک الخلی بکی

تیری چھوٹی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال دیا جب یہ پختہ ہو جائے گی تو کیا حال ہو گا؟ تو نے میرے دل میں اس محبت کو جمع کر دیا جو مشترک تھی۔ کیا تجھے اس شکستہ خاطر پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جب فارغ البال ہنستا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار سنے تو آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ پہلے کھڑے ہوئے پھر منہ کے بل گر پڑے۔[1]

مروی ہے کہ ابو الحسن نوری ایک دعوت میں شریک تھے وہاں ایک علمی مسئلہ میں بحث شروع ہو گئی۔ آپ پہلے خاموش رہے پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: کتنی ہی فاختائیں ہیں جو بوقت چاشت ٹہنیوں میں غمگین گانا گاتی ہیں انہوں نے مجھے میرا محبوب اور گزرا ہوا اچھا زمانہ یاد دلا دیا۔ وہ غم سے روئی اور میرے غم میں اضافہ کر دیا۔ کبھی میرے رونے نے اسے اور کبھی اس کے رونے نے مجھے بیدار رکھا۔ میں شکوہ کرتا تو اسے نہ سمجھا سکتا اور اگر وہ شکوہ کرتی تو مجھے نہ سمجھا سکتی۔ لیکن دردِ دروں کی وجہ سے میں اسے پہچانتا تھا اور وہ مجھے اس درد کی وجہ سے۔

فرماتے ہیں! جب حاضرین نے یہ اشعار سنے تو کھڑے ہو گئے اور ان پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ یہ وجد کی کیفیت اس علمی بحث کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی جس میں وہ مصروف تھے۔ اگرچہ یہ علم حق وصواب ہے۔[2]

شیخ سفارینی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ سماع دل کے پوشیدہ جذبات کو ابھارتا ہے اور حرکت دیتا ہے۔ اور صوفیائے کرام کے دل اللہ کے ذکر سے معمور اور نفسانی خواہشات سے پاک اور محبتِ الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور ان میں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ شوق وجد ہیجان اور اضطراب ان کے دلوں میں اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے جس طرح آگ اور یہ چیزیں اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب دل پر کوئی مناسب چوٹ لگتی ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک سماع کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ دورانِ سماع ان کے دل پر اچانک چوٹ لگتی ہے چوٹ کی شدت سے ان کے دل کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے اس

---

[1] (الإحیاء ج ۲ ص ۲۵۰)
[2] (الإحیاء ج ۲ ص ۲۶۳)

وجہ سے ان سے بعض حرکات چیخ وپکار صادر ہوتے ہیں حتی کہ بعض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ سماع ان کے دلوں میں پوشیدہ جذبات کو ابھار دیتا ہے نہ کہ دلوں میں کوئی نئی چیز پیدا کرتا ہے۔

اسی وجہ سے شیخ ابو القاسم جنید قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دلوں میں پہلے جو کچھ موجود ہوتا ہے اسی کو حرکت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیائے عظام پر وجد کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ کلام شاعر کی وجہ سے کیونکہ وہ کلام کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

حضرت ابو حکمان صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ اسی طرف مشیر ہے آپ نے بیچنے والے کو سنا کہ وہ آواز لگا رہا ہے یا معتر بری آپ غش کھا کر گر پڑے جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے وجد کی حرکت ان کے دل میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے تھی نہ کہ قائل کی ظاہری آواز سے۔

اسی طرح بعض مشائخ سے مروی ہے انہوں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا: "الخیار عشرة بحبه" (ایک پیسے کے دس کھیرے) تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔

جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اذا کان الخیار عشرة بحبه فما قیمة الاشرار؟"۔

جب نیکو کار پیسے کی دس ہیں تو بدکاروں کی قیمت کیا ہو گی۔

محبت الہٰی میں مستغرق کثیف الفاظ سے لطیف معانی سمجھ لیتا ہے کیونکہ وہ ظاہری صورت اور ترنم کی جانب ملتفت نہیں ہوتا اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ سماع عمدہ معانی اور خوبصورت ترنم کا نام ہے۔ تو وہ حقیقت سے بہت دور ہے بزرگ فرماتے ہیں سماع حقیقتِ ربانیہ اور لطائفِ روحانیہ ہے جب یہ سماع قلوب میں سرایت کرتا ہے تو ماسوی اللہ ہر چیز کو مٹا دیتا ہے اور یہی سماع حق ہے۔

مشائخ کا بیان ہے کہ کیفیت وجد طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ صاحبِ وجد میں واردات برداشت کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب اس کے دل پر انوار و لطائف کی کثرت ہوتی ہے تو اس پر وحشت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے کبھی وہ چیخنے لگتا ہے اور کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور یہ حالت عموماً سلوک کے ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے۔ لیکن کاملین پر یہ وجد کی کیفیت طاری نہیں ہوتی بلکہ ان پر سکون و طمانیت غالب ہوتی ہے کیونکہ

ان کے قلوب اور سینوں میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ ان تمام چیزوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر پر سکون نظر آتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر جذبات و ہیجانات کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ شیخ ابو القاسم جنید سے عرض کی گئی کہ کیا وجہ ہے کہ دورانِ سماعت حرکت میں نہیں آتے۔

فرمایا:

"وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ النمل"۔

یعنی اور دیکھیں گے آپ پہاڑوں کو تو گمان کریں گے ٹھوس جبکہ وہ بادلوں کی مانند چلتے ہیں![1]

ذکر کے اجمالی فوائد

(۱): عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه و ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قالا: قال! رسول الله ﷺ ما من قوم یذکرون الله الا حفتهم الملائکة و غشیتهم الرحمة و نزلت علیهم السکینة و ذکرهم الله فی من عنده۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی قوم اللہ کا ذکر نہیں کرتی مگر فرشتے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ سکون واطمینان ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے"۔[2]

(۲): عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ یقول الرب تبارک و تعالی من شغله قرأة القرآن و ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جو آدمی مجھ سے سوال کرنے کی بجائے تلاوتِ قرآن اور میرے ذکر میں مشغول رہا اس کو میں سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں"۔[3]

(۳): عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: یقول الرب یوم القیامة سیعلم اهل الجمع الیوم من اهل الکرم؟ فقیل و من اهل الکرم یا رسول الله ﷺ قال اهل مجالس الذکر فی المساجد۔

---

[1](غذاء الألباب، ج ۱ ص ۱۳۷)

[2](أخرجه مسلم فی کتاب الذکر، والترمذی فی کتاب الدعاء وقال: حسن صحیح)

[3](أخرجه الترمذی وحسنه، والدارمی والبیهقی، کما مر فی ص ۱۲۱)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ارشاد فرمائے گا کہ آج سب لوگ جان لیں گے کہ اہلِ کرم کون ہیں؟ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ یہ اہلِ کرم کون ہیں؟ فرمایا مساجد میں محافلِ ذکر منعقد کرنے والے“۔[1]

(۴): **عن معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسكم؟ قالوا اجلسنا نذکر اللہ و نحمده فقال اتانی جبرائیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکة۔**

ترجمہ: ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا عرض کی ہم بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء کر رہے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آیا اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے“۔[2]

(۵): **”عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ الا ناداھم مناد من السماء قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم حسنات“۔**

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی قوم ذکر اللہ کیلئے جمع ہوتی ہے تو آسمان سے منادی ندا دیتا ہے جب تم اس ذکر سے کھڑے ہو گے تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔“[3]

(۶): **”عن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان سلمان فی عصابة یذکرون اللہ فمر النبی ﷺ فکفوا فقال: ما کنتم تقولون؟ قلنا نذکر اللہ قال: انی رأیت الرحمة تنزل فاحببت ان اشارککم فیھا ثم قال الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معھم۔**

”حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت میں ذکر کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کی کہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے دیکھا کہ رحمت نازل ہو رہی ہے میں نے

[1] (رواہ الإمام أحمد و أبو یعلیٰ و البیھقی و ابن حبان فی صحیحه، کما مر فی ص ۱۲۰)
[2] (أخرجه مسلم من حدیث طویل فی کتاب الذکر، و الترمذی فی کتاب الدعاء)
[3] (أخرجه أحمد و غیره، و مرّ عزوه فی ص ۱۲۱)

بھی چاہا کہ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ پھر فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں۔"[1]

ذکر کے فوائد:

ابن قیم لکھتے ہیں کہ ذکر کے سو(۱۰۰) سے زائد فائدے ہیں:

(۱): شیطان کو بھگاتا ہے اور اس کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

(۲): ذکر سے رب راضی ہو جاتا ہے۔

(۳): دل سے غم و حزن کو دور کر دیتا ہے۔

(۴): دل کی مسرت و فرحت کا باعث ہے۔

(۵): چہرے اور دل کو منور کرتا ہے۔

(۶): دل و بدن کو قوی کرتا ہے۔

(۷): وسعتِ رزق کا باعث ہے۔

(۸): ذاکر کو رعب و دبدبہ اور تازگی عطا کرتا ہے۔

(۹): اس محبت کا سبب ہے جو روح اسلام ہے اور دین کا مرکز ہے اور سعادت و نجات کا جس پر دار و مدار ہے۔

(۱۰): اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے اور دائمی ذکر کو اپنی محبت کا سبب بنایا ہے۔ جو اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور ذکر ہی محبت کا دروازہ ہے اور اس کی سب سے بڑی علامت اور مضبوط راستہ ہے۔

وہ ذاکر کو مراقبہ کا اہل بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اسے مقامِ احسان تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل کبھی بھی مقامِ احسان کو حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طرح آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر گھر نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۱): اور اللہ کی بارگاہ میں بکثرت رجوع کا سبب ہے۔ اور جو شخص ذکر کے ساتھ اس کی بارگاہ میں بکثرت رجوع کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تمام احوال میں اس کے دل کو اپنی طرف مائل کر دیتا ہے اور مصائب و آلام میں اس کے دل کا قبلہ و کعبہ اور ملجأ و مأوی خداوند قدوس کی ذات ہی ہوتی ہے۔

[1] (أخرجه الإمام أحمد و الحاكم و صححه)

(۱۲): یہ رب قدوس کے قرب کا اہل بنا دیتا ہے۔ اور جس قدر وہ اس کا ذکر کرتا ہے اس قدر اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۳): اس پر معرفت کا عظیم دروازہ کھل جاتا ہے جس قدر زیادہ ذکر کرتا ہے اسی قدر اسے معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴): ذاکر پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال طاری رہتی ہے۔ بخلاف غافل کے کہ اس کے دل پر حجاب ہوتا ہے۔

(۱۵): اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ یاد کرنے لگ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: (فاذکرونی اذکرکم) اور اگر ذکر کا یہی ایک فائدہ ہوتا تو یہ عظمت و شرف کے اعتبار سے خالی نہ ہوتا۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر افضل گروہ میں کرتا ہوں۔ [1]

(۱۶): اور یہ حیات قلب کا باعث ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دل کیلئے ذکر ایسے ہے جیسے مچھلی کیلئے پانی اور مچھلی جب پانی سے جدا ہو تو اس کی کیا حالت ہو گی۔

(۱۷): دل کے زنگ کو دور کرتا ہے ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور دل کا زنگ غفلت اور خواہشاتِ نفسانیہ ہیں۔ ذکر توبہ اور استغفار سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

(۱۸): خطا کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ نیکیاں خطاؤں کو ختم کر دیتی ہیں اور ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔

(۱۹): یہ ذکر بندہ و رب کے درمیان اجنبیت کو زائل کر دیتا ہے کیونکہ بندہ اور رب کے درمیان اجنبیت صرف ذکر سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

(۲۰): جب بندہ خوشحالی کے دنوں میں رب قدوس کو یاد رکھتا ہے تو تنگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ اس کی خبر گیری کرتا ہے۔ ایک اثر روایت کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ذکر کرنے والے بندے کو جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے یا بارگاہِ الٰہی میں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار! یہ تو معروف بندے کی جانی پہچانی آواز ہے جب غافل اور ذکر اللہ سے اعراض کرنے والا دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کسی اجنبی بندے کی نامانوس آواز ہے۔

(۲۱): اللہ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں۔ [2]

---

[1] (من حدیث أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب التوحید عن أبی هریرة رضی الله عنه، و مرّ فی ص ۱۲۰، و ۱۲۵)

[2] (رواه الترمذی فی کتاب الدعاء و مرّ فی ص ۱۲۰)

(۲۲):یہ ذکر نزولِ رحمت اور سکون واطمینان کا سبب ہے ذاکر کو اللہ کے فرشتے گھیر لیتے ہیں جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث گزر چکی ہے۔[1]

(۲۳):زبان کو غیبت، چغل خوری، جھوٹ، فحش اور باطل کلام سے محفوظ کرنے کا سبب ہے۔ کیونکہ بندہ کلام اور گفتگو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر اللہ کا ذکر نہیں کرے گا۔ اس کی زبان ان لغویات میں مشغول ہو جائے گی۔ زبان کو ان سے محفوظ کرنے کا طریقہ صرف اللہ کا ذکر ہے۔ یہ آزمودہ چیز ہے کہ جس نے اپنی زبان کو اللہ کے ذکر کا عادی کر لیا اس نے اس کو باطل اور لغو کلام سے محفوظ کر لیا اور جس کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول نہ ہوئی وہ باطل اور لغو کلام میں واقع ہو گئی۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۴):بے شک محافل ذکر، اللہ کے فرشتوں کی محافل ہیں۔ لغو اور باطل امور کی مجالس شیطان کی مجالس ہیں۔ بندے کو ان دونوں سے جو اچھی لگے اسے اختیار کر لے۔ وہ دنیا و آخرت میں اپنی اختیار کردہ محفل کے ساتھ رہے گا۔

(۲۵):ذکر، ذاکر اور اس کے ہم نشین کی سعادت مندی کا باعث ہے وہ جہاں بھی ہو گا اللہ کی رحمتوں کے نزول کا مرکز ہو گا۔ اللہ کے ذکر سے غفلت غافل اور اس کے ہم نشین کی بدبختی کا سبب ہے۔

(۲۶):ذکر قیامت کے دن بندے کو ندامت اور حسرت سے بچاتا ہے کیونکہ ہر وہ مجلس جس میں بندہ اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا وہ اس کیلئے بروزِ قیامت حسرت کا باعث ہو گی۔

(۲۷):دورانِ ذکر خلوت میں رونا، یومِ محشر ظلِّ الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

(۲۸):مشغولیتِ ذکر، اللہ تعالیٰ کے جود و کرم میں اضافے کا ذریعہ ہے جیسا کہ گذشتہ بحث میں حدیث گزری ہے۔

(۲۹):ذکر افضل ترین عبادت ہونے کے باوجود آسان ترین عبادت ہے کیونکہ حرکت لسان باقی اعضاء کی حرکت سے ہلکی اور سہل ترین ہے ایک دن میں زبان کی حرکت کی مقدار کوئی دوسرا عضو حرکت کرے تو اس کیلئے انتہائی دشوار ہے بلکہ یہ ناممکن ہے۔

(۳۰):ذکر جنت کا پودا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم الخلیل فقال یا محمد اقری امتک السلام و اخبرھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ عذبۃ الماء و انھا قیعان و ان غراسھا سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔

---

[1] (انظر صفحۃ ۱۷۳ الحدیث الأول)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسراء کی رات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملا۔ انہوں نے فرمایا! اے محمد ﷺ! اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی بڑی عمدہ اور پانی بڑا میٹھا ہے اور یہ خالی میدان ہے اور اس کے پودے سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔"

(۳۱): ذکر پر مرتب ہونے والا فضل واحسان ہر عمل سے بڑھ کر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے دل میں سو مرتبہ کہا: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر"۔ اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور ۱۰۰ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ شام تک شیطان سے محفوظ ہو جائے گا اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ جس نے اس کلمہ کا زیادہ ذکر کیا۔ اور جس نے دل میں سو مرتبہ کہا: "سبحان اللہ وبحمدہ"، اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی مانند ہوں۔

(۳۲): بندہ دائمی ذکر سے اپنے رب کو بھولنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھولنا اس کیلئے دنیا وآخرت میں بدبختی کا سبب ہے۔ کیونکہ وہ اپنے رب کو بھول جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کی متعلقہ تمام مصلحتوں کو بھول جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولٰئک ھم الفاسقون" (حشر: ۱۹)

ترجمہ: "ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے انہیں خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں"۔

(۳۳): ذکر بندے کے عمل کو جاری رکھتا ہے خواہ اپنے بستر میں ہو یا سفر میں حالتِ صحت میں ہو یا بیماری میں۔ کوئی عبادت ذکر کی مثل نہیں جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہو۔ حتیٰ کہ وہ بندے کے رفتارِ عمل کو جاری رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے بستر پر سویا ہوتا ہے۔ لیکن غافل جاگنے والے سے سبقت لے جاتا ہے۔ "ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔"

حکایت ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ کسی کے پاس بطورِ مہمان ٹھہرا۔ بندۂ خدا ساری رات عبادت میں مصروف رہا۔ اور میزبان اپنے بستر پر لیٹا رہا۔ صبح ہوئی تو عابد نے اسے کہا قافلہ تجھ سے آگے نکل گیا۔ اس نے جواب دیا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں کہ انسان ساری رات سفر میں رہے اور علی الصبح قافلے کے ساتھ مل جائے تو مزہ تو تب ہے کہ ساری رات بستر پر سویا رہے اور صبح قافلہ سے آگے ہو۔

اس قسم کے واقعات کی صحیح توجیہ بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ جس نے یہ گمان کیا کہ آرام سے سونے والا شب بھر عبادت کرنے والے سے سبقت لے جاتا ہے، اس کا یہ گمان باطل ہے اور اس کی یہ بات اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب بستر پر سونے والے نے اپنے دل کا تعلق اپنے رب سے ملا لیا ہو اور اپنے سویدۂ قلب کو عرشِ الٰہی سے ملا دیا ہو اور اس کا دل ساری رات فرشتوں کے ساتھ طوافِ عرشِ الٰہی میں مصروف رہا ہو اور دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو گیا ہو اور وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے قیامِ لیل سے محروم ہو گیا ہو اور بستر پر لیٹے لیٹے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو شب بھر تو نماز اور تلاوت میں مشغول رہا۔ اور اس کے دل میں ریا، تکبر، طلبِ جاہ اور دیگر آفات تھیں یا اس کا بدن عبادت میں مصروف تھا لیکن اس کا دل غافل تھا تو اس قسم کی عبادت کرنے والے سے اپنے بستر پر لیٹ کر عبادت کرنے والا کئی درجے بہتر ہے۔

(۳۴): ذکر اصولِ طریقت کی بنیاد اور طریقۂ صوفیاء ہے، جسے ذکر کی توفیق میسر آ جائے اس کیلئے بارگاہِ خداوندی میں حضوری کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پاک صاف ہو کر اسے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیئے تا کہ اس کو ہر مراد مل جائے۔ کیونکہ جس نے اپنے رب کو پا لیا۔ اس نے ہر چیز کو پا لیا۔ اور جو اپنے پروردگار تک رسائی حاصل نہ کر سکا وہ ہر چیز سے محروم ہے۔

(۳۵): ذکر کے درخت کا ثمرہ معارف اور احوال ہیں جس کے حصول کے لئے سالکین کوشاں رہتے ہیں۔ ان ثمرات کے حصول کا واحد ذریعہ ذکر کا درخت ہے اور یہ درخت جتنا بڑا اور اس کی جڑیں جتنی گہری ہوں گی اتنا ہی اس کا ثمرہ عظیم ہو گا۔ ابتدا سے لے کر مقامِ توحید تک تمام مقامات ذکر کا ثمر ہیں اور ذکر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے جس طرح دیوار بنیادوں پر اور چھت اس دیوار پر تعمیر ہوتی ہے۔ بندہ جب خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہو تو منازلِ سلوک طے کرنا اس کیلئے ممکن نہیں ہے۔ اور بندہ ذکر سے ہی بیدار ہو سکتا ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور غفلت دل کی نیند اور موت کا سبب ہوتی ہے۔

(۳۶): ذاکر مذکور کے قریب ہوتا ہے اور مذکور اس کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ معیت خاص ہوتی ہے اور یہ معیت قرب، ولایت، محبت نصرت اور توفیق کی معیت ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (نحل: ۱۲۸)

وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (انفال: ۶۶)

وِإِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (عنکبوت: ۶۹)

لَاتَحْزَنْ إِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ (توبہ: ۴۰)

”یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مت غمگین ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے“۔

ذاکر کو اس معیت سے وافر حصہ ملتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: ”میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کیلئے حرکت کرتے ہیں“۔[1]

دوسری حدیث (قدسی) میں ہے: ”اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں اور میرا شکر کرنے والے میرے فضل واحسان کے اہل ہیں اور میری اطاعت کرنے والے میری جود وسخا کے قابل ہیں اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتا، اگر وہ توبہ کریں تو میں ان کا حبیب ہوں۔ کیونکہ میں توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں کو پسند کرتا ہوں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ہی ان کا طبیب ہوں۔ ان کو مصائب وآلام میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کردوں۔“[2]

ذاکر کو حاصل ہونے والی معیت کسی دوسری چیز کے مشابہ نہیں ہو سکتی اور یہ محسن اور متقی سے حاصل ہونے والی معیت سے خاص ہے۔ یہ وہ معیت ہے جس کو الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو سمجھنا ذوق پر ہی منحصر ہے۔

(۳۷): اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ متقی ہے جس کی زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہے۔ کیونکہ وہ اس کے اوامر ونواہی سے ڈرتا ہے اور اس کے ذکر کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو یہ تقویٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جہنم سے نجات دیتا ہے یہ اجر وثواب تو اسے ملے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر قربِ الٰہی کا باعث بھی ہے اور مومن کا یہی مقصود ہے۔

(۳۸): ذکر قساوتِ قلبی کا خاتمہ کر دیتا ہے بندے کو چاہیئے کہ ذکرِ الٰہی سے اپنے دل کی سختی کا علاج کرے۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے دل کی سختی کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا! ذکرِ الٰہی سے اسے نرم کرو کیونکہ قساوتِ قلبی کا سبب غفلت ہے۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو قساوت اس طرح پگھل جاتی ہے جس طرح سیسہ۔

(۳۹): ذکر دل کیلئے شفاء اور علاج ہے اور غفلت اس کی بیماری پس بیمار دلوں کی شفا اللہ کا ذکر ہے۔

”قال مکحول! ذکر اللّٰہ تعالی شفاء و ذکر الناس داء“۔

شیخ مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اللہ کے ذکر میں شفا ہے اور لوگوں کا ذکر بیماری کا باعث ہے۔

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم ونترک الذکر احیانا فننتکس

”جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو تمہارے ذکر کے ساتھ علاج کرتے ہیں اور جب کبھی ذکر کو ترک کر دیں تو پھر بیمار ہو جاتے ہیں“۔[3]

---

[1](رواہ الإمام أحمد وابن ماجہ والحاکم وابن حبان وصححہ۔ کما فی ”فیض القدیر“ ج ۱ ص ۳۰۹)

[2](أخرجہ الإمام أحمد فی مسندہ)

[3](رواہ البیہقی عن مکحول مرسلاً بلفظ: (إن ذکر اللہ)۔ کما فی ”کشف الخفا“ للعجلونی ج ۱ ص ۴۱۹)

(۴۰): ذکر، محبتِ الٰہی کی بنیاد ہے اور غفلت عداوتِ پروردگار کی اصل ہے بندہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ ربِ کریم اسے محبت عطا کر کے اپنا دوست بنالیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر اسے اپنا دشمن قرار دے دیتا ہے۔ بندے کی اپنے رب سے سخت ترین دشمنی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے ذکر کو ناپسند اور اس کے ذاکر کو برا جانتا ہے۔ اس کا سبب غفلت ہے اور بندہ اسی غفلت کی وجہ سے ذکر اور ذاکرین کو ناپسند کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اسے اپنا دشمن بنالیتا ہے جس طرح کہ ذکر کرنے والے کو اپنا ولی بنالیتا ہے۔

(۴۱): دائمی ذکر کرنے والا مسکراتا ہوا جنت میں داخل ہو گا جس طرح ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ان الذین لا تزال ألسنتهم رطبة من ذکر الله یدخلون الجنة وهم یضحکون۔

"بے شک جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تَر رہتی ہیں، وہ مسکراتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔"

(۴۲): ذکر بندے اور جہنم کے درمیان رکاوٹ ہے۔ جب بندہ اپنے کسی عمل کی وجہ سے جہنم کے راستے کی طرف جائے گا۔ تو ذکر اس کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ذکر جس قدر دائمی اور کامل ہو گا اسی قدر رکاوٹ مضبوط اور محکم ہو گی کہ اس میں سے کوئی چیز گزر نہ سکے گی۔

(۴۳): تمام اعمال کا حکم ذکرِ الٰہی کو قائم کرنے کیلئے ہی دیا گیا ہے کیونکہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی ہے جیسا کہ ارشادِ رب العلیٰ ہے:

"وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی۔" (طٰہٰ: ۱۴)

میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو۔[1]

ذکر کے متعلق تفصیلی معلومات درج ذیل کتب سے مل سکتی ہیں۔

کتاب الاذکار: امام نووی، مفتاح الفلاح: ابن عطاء اللہ سکندری، عمل الیوم واللیلہ: امام نسائی: امام جلال الدین سیوطی وغیرہ۔

صوفیائے کرام نے اپنے تمام احوال میں ذکرِ الٰہی پر مواظبت اختیار فرمائی اور ذکر کے فوائد کو محسوس کیا۔ اور پھر یقینی تجربہ کی بنیاد پر اس کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ اور دوسرے لوگوں کو بکثرت ذکر کرنے کی نصیحت فرمائی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ "تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہ چیز پسند کرے جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہے"۔[2]

---

[1] (الوابل الصیب من الکلم الطیب لابن قیم الجوزیة)

[2] (أخرجه البخاری و مسلم فی کتاب الإیمان عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه، و النسائی فی کتاب الإیمان، و الترمذی فی کتاب صفة القیامة)

تابعین کے امام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اللہ جل و علی کے نزدیک پسندیدہ ترین وہ شخص ہے جو اس کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا اور ڈرنے والا ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا مزہ اس کے ذکر میں اور آخرت کا مزہ اس کے عفوودرگزر میں اور جنت کا مزہ اس کے دیدار میں ہے"۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اولیائِ کرام کی ارواح کو اپنے ذکر اور قرب کی لذت سے اور بدنوں کو اپنی مفید اور عمدہ نعمتوں سے نوازا اور انہیں ہر شی کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ ان کی جسمانی زندگی اہلِ جنت کی مثل اور روحانی حیات ربانیین جیسی ہے۔[1]

عوام اور خواص کے ذکر میں فرق:

عوام کا ذکر اجر و ثواب کیلئے ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ریا تکبر و غرور خود پسندی جیسی صفات مذمومہ اس میں موجود رہتی ہیں۔

خواص کا ذکر حضورِ قلب سے ہوتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ مخصوص اذکار کو کسی خاص طریقہ سے کرے اور اس کا مقصود اصلی معرفتِ الٰہی ہو۔ علاوہ ازیں اپنے نفس کو صفاتِ مذمومہ سے پاک کر کے خصائلِ حمیدہ سے مزین کرے۔ تاکہ جسمانی تاریکی سے نکل کر روحانی اسرار وانوار میں داخل ہو جائے بہتر ہے کہ اوراد واذکار کو شمار کرنے کیلئے تسبیح رکھے۔ کیونکہ اس کے بغیر اوراد کا شمار مشکل ہوتا ہے۔

پس ذکر سالکین کے دلوں کو صاف کرنے کا ذریعہ اور بابِ فیوضات کی کنجی ہے اور قلوب پر تجلیات کے وارد ہونے کا راستہ ہے اور اسی کے ساتھ ایک انسان اپنی ذات کو اخلاق محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مزین کر سکتا ہے۔

اوراد صوفیاء اور قرآن وسنت:

مصباح اللغات میں ورد کا معنی یوں ہے: قرآن کریم یا کسی دوسرے ذکر کی وہ معین مقدار جو انسان اپنے ذمہ لازم کرلیتا ہے، اس کی جمع اوراد ہے۔ اور صوفیائے کرام کے نزدیک اس سے مراد وہ اذکار ہیں جن کا حکم ایک شیخ اپنے مرید کو دیتا ہے عموماً اس کا وقت نماز فجر اور مغرب کے بعد مقرر کیا جاتا ہے۔

[1](حلیۃ الأولیاء، لأبی نعیم ج ۱ ص ۲۴۷)

وارد: لغت میں وارد دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ فیوض و برکات اور انوار و تجلیات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب پر نازل کرتا ہے۔ اس سے ان میں انتہائی قوت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مدہوش اور اپنی ذات سے بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اچانک پیدا ہوتی ہے اور جلد ہی زائل ہو جاتی ہے۔

ورد عموماً تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ تینوں شرعاً مطلوب اور قرآن و سنت کے عین مطابق ہیں۔

الاستغفار: اولاً گذشتہ لغزشوں پر محاسبہ کرے اور پھر سو دفعہ **استغفر اللہ** کہے تاکہ اس کا نامۂ اعمال صاف ستھرا ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں استغفار کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاسْتَغْفِرُوْا اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْم" (مزمل: ۲۰)

رسول اللہ ﷺ تعلیم امت کیلئے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں روزانہ ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[1]

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوشخبری ہے اس آدمی کیلئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں کثیر استغفار پایا۔

أخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب وقال في الزوائد: إسناده صحيح ورجاله ثقات۔

نبی کریم ﷺ پر سو مرتبہ درج ذیل درود پڑھنا:

"اللّٰهم صل على سيدنا محمد عبدك ورسولك النبي الامي وعلى اله وصحبه وسلم"

آپ ﷺ کی عظمت اور صفات و شمائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذوق و شوق سے درود پاک پڑھے۔

اور اس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔" (احزاب: ۵۶)

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم ﷺ پر اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو اور بڑے ادب سے اور محبت سے سلام عرض کیا کرو۔"

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بکثرت درود و سلام کے پڑھنے کی رغبت دلائی ہے۔

---

[1] (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الدعوات)

آپ کا ارشاد ہے:

"من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا"۔

جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے مجھے پر ایک دفعہ درود پاک پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس خطائیں معاف کرتا ہے اور دس درجے بلند کرتا ہے۔[2]

ارشادِ نبوی ﷺ ہے! بروزِ قیامت کثرت سے مجھ پر درود پاک پڑھنے والا میرے قریب ترین ہو گا۔[3]

۳۔ کلمہ ٔتوحید کا ورد:

بندہ ۱۰۰ مرتبہ یہ کلمہ پڑھے "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شئ قدیر یا صرف لا الہ الا اللہ" سو دفعہ پڑھے۔

دورانِ ذکر ذہن میں یہ تصور رکھے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی رازق نفع دینے والا ہے نہ نقصان۔ تنگی دینے والا ہے نہ خوشحالی۔ علاوہ ازیں دل سے حبِ دنیا، نفسانی شہوت، شیطانی وساوس اور علائقِ دنیوی کو دور کرے۔ حتیٰ کہ دل اللہ کیلئے خاص ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید خالص کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

"فاعلم انہ لا الہ الا اللہ" (محمد: ۱۹)

"پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بکثرت کلمہ ٔتوحید کے ذکر کی رغبت دلائی اور اس کی فضیلت اور ثواب کو بیان فرمایا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ یعنی سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔"[4]

علامہ ابن علان اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ کلمہ ٔتوحید دل کو اوصافِ ذمیمہ سے پاک کرنے میں حیرت انگیز تاثیر رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لا الہ تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ اس ذات یکتا کا اثبات کرتا

[1] (مسلم فی کتاب الصلاۃ، نسائی فی کتاب الإفتاح)
[2] (أخرجہ النسائی فی کتاب الافتاح)
[3] (رواہ الترمذی فی کتاب أبواب الصلاۃ وقال: حدیث حسن)
[4] (رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات وقال: حدیث حسن)

ہے جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اس کلمہ کے دائمی ورد سے ذکر زبان سے دل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں متمکن ہو کر اسے منور کر دیتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اور پھر تمام اعضاء ظاہری کی اصلاح و درستگی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مریدین کو بکثرت اس کلمہ کے ورد کا حکم دیا جاتا ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ ہمارے ایمان کی تجدید کیسے ہو سکتی ہے؟ فرمایا بکثرت **لا الہ الا اللہ** کا ورد کیا کرو۔

و قالہ ﷺ ایضاً: من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد، و ھو علیٰ کل شیء قدیر؛ فی یوم مائۃ مرۃ کانت لہ عدل عشر رقاب، و کتبت لہ مائۃ حسنۃ، و محیت عنہ مائۃ سیئۃ، و کانت لہ حرزاً من الشیطان یومہ ذلک حتیٰ یمسی، و لم یأت أحد بأفضل مما جاء بہ إلا رجل عمل أکثر منہ۔

جس نے دن میں سو مرتبہ کہا: **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک و لہ الحمد، و ھو علیٰ کل شیء قدیر،** تو اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا ہو گا، اور اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس کے سو گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور یہ (کلمات) اس دن اس کے لئے رات تک شیطان کے خلاف ڈھال بن جائیں گے، اور کوئی بھی اس شخص سے بہتر عمل نہیں کر سکتا سوائے اُس کے جو اِس سے بھی زیادہ (ان کلمات کو ادا) کرے۔[2]

واضح رہے کہ یہ ذکر صبح و شام خلوت میں ہو۔ اس طرح سالک کے دن کی ابتداء ذکر اللہ سے اور انتہاء اس کے ذکر و طاعت پر ہوتی ہے اس طرح ممکن ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جائے جن کے متعلق ارشادِ رب المجد والعلیٰ ہے:

الذّٰکِرِیْنَ اللہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ أَعَدَّ اللہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ أَجْرًا عَظِیْمًا (احزاب: ۳۵)

"اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے اجر عظیم"۔

سالک کو چاہئے کہ اپنے اس ورد کو مذکورہ تعداد پر محصور نہ کرے بلکہ اسے بکثرت ذکر کرنا چاہئے کیونکہ ابتداء میں سالک کا دل چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے جس طرح بچے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوراک بڑھا دی جاتی ہے اسی طرح سالک کے ذکر کی مقدار بھی بڑھتی رہتی ہے کیونکہ ذکر اس کے دل کی غذا اور زندگی بن جاتا ہے۔

چونکہ ورد **وصول الی اللہ** کا راستہ ہے اس لئے شیطان اس راستے پر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف حیلے بہانوں سے ذکر سے روکتا رہتا ہے۔ بعض مریدین کثرت عمل اور عدم فراغت کی وجہ سے اپنے اوراد کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ یہ عذر مقبول ہے۔ جب فرصت ملے گی تو ذکر کر لیں گے لیکن صوفیائے کرام نے اپنے مریدین کو

---

[1] (الفتوحات الربانیۃ علی الأذکار النواویۃ، ج ۱ ص ۲۱۳)

[2] (رواہ البخاری و الترمذی فی کتاب الدعوات، و مسلم فی کتاب الذکر)

اس سستی وکاہلی اور فارغ اوقات کے انتظار پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر انتہائی تیزی سے گزر جاتی ہے اور انسان ہر روز نئی نئی مصروفیات میں مشغول رہتا ہے اس لئے فارغ وقت کا انتظار حماقت ہے۔

ابن عطاء اللہ سکندری "حکم" میں فرماتے ہیں کہ اپنے اعمال کو فارغ اوقات کیلئے مؤخر کرنا نفس کی رعونت ہے۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر ضروری رکاوٹوں کو دور کرے اور اپنے نفس کی مخالفت کرے اپنے مولیٰ کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ کسی دوسرے وقت کا انتظار نہ کرتا رہے کیونکہ صوفی کے نزدیک وقت کی بڑی اہمیت ہے۔[1]

بعض سالکین ذکر کو اس لئے ترک کر دیتے ہیں کہ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ تمہارا ذکر خیالات سے خالی نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حقیقی ذکر تو وہی ہوتا ہے جو حضورِ قلب سے کیا جائے۔ لیکن مشائخ عظام اپنے مریدین کو اس شیطانی جال سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

ابن عطاء اللہ سکندری فرماتے ہیں: عدمِ حضورِ قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت کے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف منتقل کر دے۔ اور بیداری کے ذکر سے تجھے حضورِ قلب کے ذکر کی طرف بلند کر دے اور حضورِ قلب سے وہ مقام عطا کر دے کہ ذاکر ماسوی اللہ سے بے خود اور بے خبر ہو جائے۔

بعض سالکین وارد پر اکتفا کرتے ہوئے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ ذکر تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اور صوفیائے کرام نے انتہائی اعلیٰ مقامات پر فائز ہونے کے باوجود بھی ذکر کو ترک نہیں کیا۔[2]

شیخ ابو الحسن الدراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ معرفت کا ذکر فرما رہے تھے اور فرمایا: یہ لوگ انتہائی اعلیٰ مدارج پر متمکن ہونے کے باوجود اپنے اوراد کو ترک نہیں کرتے تھے۔ پھر فرمایا: عارفین کی عبادت شہنشاہ کے تاج سے بھی بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر عرض کی کہ آپ انتہائی کمال مرتبت کے باوجود تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ وسیلہ ہے جس نے ہمیں ان مراتب تک پہنچایا ہے اس لئے ہم ان کو ترک نہیں کرتے۔[3]

---

[1] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۴۹:۱)

[2] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۷۹:۱)

[3] (ایقاظ الھمم ۴۹:۱، وراجع ھذا الخبر فی ص ۱۸۴)

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورد کو جاہل ہی حقیر سمجھتا ہے کیونکہ وارد تو آخرت میں بھی پایا جاتا ہے لیکن ورد کا تعلق اس دار فانی کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس چیز کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے جس کا کوئی بدل نہ ہو۔ ورد سالک سے مطلوب ہوتا ہے جبکہ وارد کو سالک طلب کرتا ہے اور مطلوب کا مقام طالب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔[1]

جب مرید کسی وجہ سے اپنے ورد کو ترک کر دے تو پھر اس غفلت سے بیدار ہو کر دوبارہ اس میں مشغول ہو جائے تو اسے اپنی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کیلئے ضرورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ اور جو اوراد رہ گئے ہیں ان کی قضا کرے کیونکہ دوسری عبادات کی طرح ان کی بھی قضا ہوتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے دن یا رات کے کسی وقت میں یا نماز کے بعد کوئی وظیفہ مقرر کیا ہو اور پھر کسی وجہ سے اس وظیفہ کو ادا نہ کر سکا تو اسے چاہئے جونہی وقت ملے اسے ادا کرے اور اس میں سستی نہ کرے۔ کیونکہ جب وہ اس وظیفہ کا عادی ہو جائے گا تو اس کو ترک نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اس نے اس کی قضا میں سستی کی تو اس کے وقت میں ادا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔[2]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص وظیفہ کرنے سے پہلے سو گیا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد سو گیا پھر اس نے نماز فجر اور ظہر کے درمیان اسے پڑھ لیا تو گویا کہ اس نے رات کو ہی پڑھا ہے۔[3]

مذاکرہ:

مذاکرہ سے مراد مرید کا اپنے شیخ کامل کے ارشادات اور تجربات سے استفادہ کرنا ہے یعنی مرید کو چاہئے کہ وہ عقائد، عبادات اور معاملات کے بارے میں شرعی مسائل کو شیخ کی بارگاہ میں پیش کرے تاکہ شیخ کے ملفوظات سے مستفید ہو۔ اس طرح اسے چاہئے کہ وہ اپنے دل کے حالات نفسانی اور شیطانی خواطر سے بھی اپنے شیخ کو آگاہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ چیزیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوں جس کی وجہ سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر حیران وپریشان ہو جائے اور اسی طرح اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلبی امراض جیسے تکبر، حسد، نفاق، حب جاہ اور اسی طرح رعونت نفسی جیسے اپنی کرامات کا چرچا کرنا شہرت اور تعریف

---

[1] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۱۶۰:۱)
[2] (کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)
[3] (الأذکار للنووی ص ۱۳)

کیلئے اور ریاکاری وغیرہ کا اپنے شیخ سے ذکر کرے تاکہ وہ ان چیزوں سے چھٹکارے کیلئے راہنمائی فرمائے۔ اسی طرح سالک کو چاہئے کہ وہ راہ سلوک میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے شیخ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔

کبھی مرید اپنے اعلی احوال ومقامات اور روح کے بارگاہِ الٰہی میں مشتاق ہونے اور دل پر وارد ہونے والے رحمانی اور ملکوتی واردات اور قرآنی مفاہیم اور علم لدنی کو اپنے شیخ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو ان چیزوں کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے۔ تاکہ راہ سلوک کی ہر منزل کو یقین کے ساتھ طے کر سکے۔

مذاکرہ کو راہِ سلوک میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ راہِ سلوک کے پانچ ارکان سے ایک اہم رکن ہے اور یہ پانچ ارکان درج ذیل ہیں:

(۱): ذکر (۲): مذاکرہ (۳): مجاہدۂ نفس (۴): علم (۵): محبت۔

مرید کا اپنے شیخ سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ کہ وہ ڈاکٹر کو اپنی مرض کے تمام احوال سے آگاہ کر دیتا ہے اس کے علاوہ مذاکرہ مرید اور شیخ کے تعلق کو قوی کرتا ہے اس طرح محبت بڑھتی ہے اور باہمی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ مرید اس کے ذریعہ شیخ سے علم حال اور معرفت کا استفادہ کرتا ہے کیونکہ علم اس روح کا نام ہے جو کسی جسم میں پھونک دی جائے نہ کہ نقل شدہ چند مسائل۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذاکرہ آداب شرعیہ کی عملی تشکیل ہے اور اسلامی اخلاق کا بنیادی جزء ہے۔ اور اس سے مراد وہ شوری ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدح فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (شوری:۳۸)

"اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں"۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں شوری کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، ارشاد فرمایا: المستشار مؤتمن یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔[1]

شوری سے مراد زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین کے تجربات سے استفادہ کرنا ہے جس طرح کہ مریض ڈاکٹر کے معمار انجینئر کے اور مظلوم اور بے گناہ وکیل کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح مرید شرعی احکام کے عملی نفاذ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے استفادہ کی اہمیت کو اپنے اس ارشاد میں واضح فرمایا ہے۔

[1](رواہ الترمذی عن أبی ھریرۃ فی کتاب الأدب وقال: حدیث حسن۔ والبخاری فی "الأدب المفرد" فی باب المستشار مؤتمن)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ" (نحل:۴۳)

"پس دریافت کرلو اہلِ علم سے اگر تم خود نہیں جانتے"۔

دوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

"اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا" (فرقان: ۵۹)

"وہ رحمن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال کے بارے میں۔"

مذاکرہ اور نصاریٰ کے اعتراف میں فرق:

بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ مرید کا اپنے شیخ سے مذاکرہ اور نصاریٰ کا اپنے پادریوں کے پاس اپنے گناہوں کے اعتراف میں مشابہت پائی جاتی ہے لیکن عقلمند اور انصاف پسند آدمی اس فیصلہ میں جلدی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی بغیر سوچے سمجھے بے تکی باتیں کرتا ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں میں واضح فرق ہے کیونکہ عیسائی پادری کے سامنے اپنے گناہ اور جرائم کا اعتراف اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کی بخشش ہو سکے۔ اس کے مقابلہ میں مرید شیخ کو اپنے قلبی امراض اور احوال سے اس لئے آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ اسے بچاؤ کا کوئی طریقہ بتائے جس طرح کہ مریض اپنے مرض کی حالت ڈاکٹر کے سامنے بیان کر دیتا ہے اگرچہ وہ کسی پوشیدہ مرض میں ہی مبتلا ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر بیماری کی تشخیص اور اس کیلئے نفع مند دوائی تجویز کرنا ممکن نہیں۔

مذاکرہ اور اعلانیہ معصیت کے درمیان فرق:

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مرید کا شیخ کو اپنے قلبی امراض اور نفسانی احوال یعنی معاصی وغیرہ سے آگاہ کرنا اعلانیہ معصیت کے مترادف ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس شخص میں جو گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد لوگوں کو بڑے فخر اور لذت سے اس کو بیان کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس میں جو اپنے گناہ پر شرمندہ ہے اور اس سے بچنے کے علاج اور معرفت میں حیران وپریشان ہے، واضح فرق نظر آتا ہے۔ وہ اپنے مرشد کے پاس اس کے تجربات سے استفادہ کیلئے آتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک "کل امتی معافاۃ الا المجاھرین" کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اجہار کا معنی یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی کام کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے پھر دن کو کہے: اے فلاں! میں نے رات کو ایسا ایسا کام کیا ہے حالانکہ اس کے رب نے تورات کو اس گناہ پر پردہ ڈال دیا اور وہ خود صبح کے وقت اس پردے کو ظاہر کر دیتا ہے۔"[1]

---

[1] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب، ومسلم فی کتاب الزھد والرقاق)

اس کی شرح بیان کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کیلئے کسی دوسرے کو اطلاع دینا مکروہ ہے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور فوراً اس گناہ کو ترک کر کے اپنے گذشتہ گناہ پر شرمندگی کا اظہار کرے اور یہ عزم کرے کہ دوبارہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ یہی توبہ کے تین ارکان ہیں ان کے بغیر توبہ متحقق نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس نے اپنی معصیت کا اپنے شیخ یا کسی ایسے شخص کو بتایا جس سے امید ہو کہ وہ اسے اس معصیت سے بچنے کا طریقہ بتائے گا یا اس قسم کی معصیت سے سلامتی کا طریقہ سکھائے گا یا اسے وہ سبب بتائے گا جس کی وجہ سے اس نے معصیت کا ارتکاب کیا، یا اس کیلئے دعا کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ اچھا ہے کیونکہ غیر کو بتانا اس وقت مکروہ ہے کہ جب اس میں مصلحت نہ پائی جائے۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنی معصیت سے آگاہ کرنا اس وقت مذموم ہوتا ہے جب وہ ایسا استہزاءً کرے مگر جب وہ سوال کے طور پر یا شرعی مسئلہ سے آگاہی کیلئے ایسا کرے گا تو مذموم نہیں ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں صحابی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے تو آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس مسئلے کا شرعی حل بیان فرمادیا۔[2]

خلوت

شیخ احمد زورق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "قواعد تصوف" میں فرماتے ہیں:

"الخلوة اخص من العزلة"

یعنی خلوت عزلت نشینی سے خاص ہے۔

اور یہ در حقیقت اعتکاف کی ایک صورت ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعتکاف مسجد کے ساتھ خاص ہے اور یہ مسجد کے باہر بھی ممکن ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن چالیس دن کی خلوت اشارۃً سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کی خلوت فرمائی تھی۔ در حقیقت انہوں نے تیس دن کی خلوت کا ارادہ کیا تھا

---

[1](الأذکار للنووی ص ۳۲۷)

[2](رویٰ ھذا الخبر البخاری فی صحیحہ فی کتاب الصوم، ومسلم فی کتاب الصیام، والترمذی فی کتاب الصوم باب ما جاء فی کفارۃ الفطر فی رمضان)

پھر اللہ تعالیٰ نے دس دن زیادہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے غارِ حرا میں ایک مہینہ کی خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اور اسی طرح آپ نے مہینہ بھر اپنی ازواج مطہرات سے عزلت نشینی کی۔ [1]

اسی طرح روزوں کیلئے بھی ایک مہینہ مقرر فرمایا۔ اس کی کم سے کم مدت دس دن ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ کامل کیلئے اس کے حال میں زیادتی کا باعث بنتی ہے۔ اور ناقص کیلئے ترقی کا باعث ہے۔ اور اس کا مقصد میل کچیل سے دل کو پاک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے دل کو خاص کرنا ہے۔ لیکن کسی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر خلوت خطرات سے خالی نہیں ہوتی اور شیخ کی راہنمائی میں خلوت سے کثیر فیوض وبرکات حاصل ہوتی ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ خلوت جن کیلئے موافق نہیں ہوتی اس لئے ہر انسان کو اپنی طبیعت کے مطابق خلوت اختیار کرنی چاہئے۔ [2]

المختصر یہ کہ خلوت محدود وقت کیلئے مخلوق سے منقطع ہونے اور دنیاوی امور ترک کرنے کا نام ہے تاکہ دل زندگی کے نہ ختم ہونے والے غم وحزن سے خالی ہو جائے اور فکر غم روزگار سے آزاد ہو کر راحت پائے اور پھر حضور قلبی کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو اور اس کی ان گنت نعمتوں میں غور وفکر کرے اور اس میں شیخ کامل کی راہنمائی ضروری ہے جو اسے ان اسرار ورموز سے آشنا کرے جن سے وہ ناواقف ہے جب وہ ذکر سے غافل ہو تو اس کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائے۔ اور جب وہ سستی کرے تو اس کی سستی کا ازالہ کرے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات کو دور کرنے میں مددگار ہو۔

خلوت کا طریقہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلوت کا طریقہ اور اس کے مراحل اور مقامات کو بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کو خلوت کا حکم دے اور اس پر ایسے شخص کو مقرر کرے جو بقدر ضرورت رزق حلال مہیا کرے کیونکہ رزق حلال ہی دین کی اصل ہے۔ پھر اسے مخصوص اذکار کی اجازت فرمائے کہ اس کی زبان اور دل ذکر کرنے میں مشغول ہو جائے۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی زبان پر اللہ اللہ یا سبحان اللہ کا ورد جاری رہے اور اس ذکر پر مواظبت اختیار کرے یہاں تک کہ اس کا اثر زبان سے دل میں سرایت کر جائے اور ان الفاظ کی صورت دل میں نقش ہو جائے۔ پھر اسی طرح ذکر جاری رہے حتیٰ کہ الفاظ کی صورت دل سے مٹ جائے اور اس کے معنیٰ کی حقیقت اس کے دل میں جاگزیں ہو کر اس پر غالب ہو جائے کیونکہ دل جب

---

[1] (أخرج مسلم فی صحیحه فی کتاب الإیمان عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "جاورت بحراء شهراً، فلما قضیت جواری نزلت فاستبطنت بطن الوادی")

[2] (قواعد التصوف ص ۹۳ لأبی العباس الشیخ أحمد الفاسی المشهور بزروق توفی سنة ۸۹۹ھ فی طرابلس الغرب)

کسی چیز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے علاوہ ہر شئ سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب دل ذکرِ الٰہی میں، جو کہ مقصود حقیقی ہے، مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذاکر کو چاہئے کہ وہ اپنے قلبی وساوس اور دنیا کے متعلقہ خواطر پر نگاہ رکھے اور اپنے گزشتہ احوال یا کسی دوسرے کے احوال کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ اگر وہ ایک لمحہ کیلئے بھی ذکر سے غافل ہو گیا تو اس لمحہ اس کا دل ذکر سے خالی ہو جائے گا اور یہ اس کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے اس لئے اسے ان وساوس سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ذاکر ان وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا نفس اس کو اس ذکر کے متعلق وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کلمہ (لفظ اللہ) کیا ہے؟ اس کا کیا معنی ہے؟ کس اعتبار سے اللہ تعالیٰ الٰہ اور معبود ہے؟ اور اس طرح اس کے دل پر مختلف قسم کے خیالات وارد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سوچ وبچار میں مشغول ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اسے ایسے وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے جن کا شمار کفر اور بدعت میں ہوتا ہے۔ لیکن ذاکر جب ان وساوس کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو اپنے دل سے دور کرنے میں کوشاں ہو جائے گا تو یہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

وساوس کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ

(الف) عموماً یہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شیطان ہی اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے ڈال دیتا ہے۔ سالک کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ومبرہ ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔ اور گڑگڑا کر اس کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ ان وساوس کو دور کر دے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ٥ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ (اعراف: ۲۰۱، ۲۰۰)

ترجمہ: "اور اگر شیطان تجھے ناچ نچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ، بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں"۔

(ب) کبھی سالک کے دل میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کو ان تمام احوال سے آگاہ کرے اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔[1]

[1](الإحیاء للغزالی ج۳ ص ۲٦)

خلوت کی شرعی حیثیت

خلوت صوفیائے کرام کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی پیروی ہے۔ نبی کریم ﷺ غارِ حرا میں خلوت میں عبادت کرتے تھے اور اس خلوت کے دوران آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

قرآن وحدیث سے خلوت کا ثبوت:

قرآن کریم سے دلیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (مزمل:۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"۔

علامہ ابو سعود اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو خواہ تسبیح وتہلیل ہو یا تحمید۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوق سے منہ موڑ کر پوری توجہ اور ہمت سے اس کی بارگاہ میں حضوری کیلئے مراقبہ میں مشغول ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مراقبہ میں مستغرق ہونے سے مانع تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے اور اس ذات کے سوا ہر چیز سے منہ موڑ لیا جائے۔[1]

اور یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام امت اس حکم میں شامل ہے۔

حدیث پاک سے ثبوت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب رات کو دیکھتے اس کی تعبیر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔ پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ غارِ حرا میں خلوت کیلئے تشریف لے جاتے۔ آپ کچھ راتیں وہاں عبادت کرتے اور پھر اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آتے اور کھانے پینے کا معمولی سامان لے کر پھر غارِ حرا میں واپس لوٹ جاتے۔ حتیٰ کہ غارِ حرا میں ہی آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔[2]

حضرت ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ خلوت انسان کیلئے عبادت اور اصلاح میں مددگار ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ جب لوگوں کو چھوڑ کر خلوت میں تشریف لے گئے تو آپ پر خیر عظیم کا نزول ہوا۔ اور جو سالک بھی آپ کی پیروی میں خلوت اختیار کرے گا۔ اس کو اس کی قسمت کے مطابق مقامِ ولایت حاصل ہو گا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مبتدین کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ سالک کی ابتداء اور

---

[1] (تفسیر العلامہ ابی سعود علی ھامش تفسیر فخر الدین رازی ج۸ ص۳۳۸)

[2] (رواہ البخاری فی صحیحہ باب کیف کان بدء الروحی الیٰ رسول اللہ ﷺ)

انتہاء دونوں برابر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ پھر ان درجات میں ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ فرشتہ بیداری کی حالت میں وحی لے کر نازل ہوا۔ اور پھر یہ ترقی کا سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوئے۔ انبیاء اور رسل جس طرح ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انتہائی بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں لیکن نبی اور امتی میں فرق یہ ہے کہ امتی مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے مقامات کو حاصل کر لیتا ہے لیکن مقامِ نبوت تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب اولیائے کرام ترقی کرتے کرتے معرفت اور رضا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقامات ولایت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس نے ایک مقام حاصل کر لیا پھر ادب کے ساتھ اس پر قائم رہا وہ اس سے اعلیٰ مقام میں ترقی کر جاتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں خلوت کو اختیار کیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے مقامِ نبوت کو پہنچے اور پھر مقامات نبوت میں ترقی کرتے ہوئے قاب قوسین اوادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔ اور یہی حال آپ ﷺ کے امتیوں کا ہے کہ آپ ﷺ کا جو امتی کسی مقام پر فائز ہوتا ہے اور پھر ادب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے تو اس کو اس سے اعلیٰ مقامات پر ترقی دے دی جاتی ہے اور اس طرح وہ مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جاتا ہے۔[1]

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس میں عزلت نشینی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ دل کو دنیا کی مصروفیات سے راحت دیتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کر دیتی ہے پھر اس سے حکمت کے سرچشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلوت کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں سے قطع تعلق کر کے تنہائی میں بیٹھ جانا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی لگن میں اپنی ذات کو بھی بھول جائے اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر کہیں اس کا ظاہری جسم علوم غیبیہ کیلئے گزرگاہ اور اس کا دل ان کیلئے قرارگاہ کے قابل ہوتا ہے۔[2]

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ غارِ حرا کی خلوت بعثت سے پہلے تھی حالانکہ حکم شرعی تو بعثت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی اور پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلوت کا حکم وحی پر مرتب ہے یعنی پہلے وحی آئی اور پھر خلوت۔ کیونکہ "ثم" کا کلمہ ترتیب کیلئے آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خلوت کا تعلق دین سے نہ ہوتا تو

---

[1] ("بهجة النفوس" شرح مختصر البخاری للإمام الحافظ أبی محمد عبد الله الأندلسی المتوفی ٦٩٩ھـ ج ١ ص ١١-١٠)
[2] (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ٦٢:١ للقسطلانی المتوفی سنة ٩٢٣ھـ)

بعد میں اس سے روک دیا جاتا بلکہ یہ آپ پر ظہور حق کا ذریعہ ہے اور اسی طرح آپ کے امتیوں کے لئے بھی۔ لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کا ذکر صوفیائے کرام نے اپنی کتب میں کیا ہے۔[1]

محدث کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث پاک کے اس حصہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے مجاہدات اور خلوت نشینی اس حدیث پاک سے ثابت ہوتی ہے پھر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فقہائے کرام کا اعتکاف اور صوفیائے کرام کی خلوت نشینی دونوں برابر ہیں۔[2]

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ لوگوں نے اعتکاف کو کیسے چھوڑ دیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بعض اعمال کرتے اور پھر ترک کر دیتے لیکن آپ نے اعتکاف کو ترک نہیں کیا۔[3]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ خلوت نشینی آپ ﷺ کو اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس میں بندہ کا دل ہر قسم کی مصروفیات سے خالی ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ غور و فکر کا بھی سبب ہے اور اس کی وجہ سے انسان اپنی محبوب چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔[4]

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک خلوت کے محبوب ہونے میں راز یہ تھا کہ اس میں دل ہر قسم کے شواغل سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خلوت کی مدت ایک ماہ تھی اور وہ رمضان کا مہینہ تھا۔[5]

علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ خلوت آپ ﷺ کے نزدیک کیوں محبوب تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلوت میں دل ہر قسم کے شواغل سے پاک ہوتا ہے اور یہ غور و فکر کرنے میں بھی معاون ہے۔ اور انسان کی طبیعت بہت زیادہ ریاضت سے تبدیل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کو خلوت اس لئے محبوب ہو گئی تھی تا کہ آپ ﷺ عام لوگوں کے میل جول سے منقطع ہو جائیں اور اپنے روز مرہ کے معمولات کو بھول جائیں۔[6]

---

[1] (”ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری“ للقسطلانی ج ۱ ص ۶۲)
[2] (فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳)
[3] (حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۴۶۳)
[4] (صحیح مسلم بشرح الإمام النووی ج ۲ ص ۱۹۸)
[5] (فتح الباری شرح صحیح البخاری للعسقلانی ج ۱ ص ۱۸)
[6] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی المتوفی سنۃ ۸۵۵ھ ج ۱ ص ۶۰)

امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان اور عارفین کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ کو خلوت اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس سے دل کو فراغت میسر آتی ہے اور انسان دل جمعی کے ساتھ عبادت کر سکتا ہے۔ اور انسان اپنے بشری تقاضوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے۔ [1]

یہ محدثین اور شارحین کرام کے اقوال ہیں جن میں خلوت کی تعریف اس کا شرعی حکم اور اس کے فوائد اور اس کے بارے میں سلف صالحین کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ان علماء و محدثین کے اقوال کے سامنے معترضین جو چاہیں کہتے رہیں۔ ان کے ان اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہو گی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الف النسک و العبادۃ و الخلاوۃ　　　　طفلا و ھٰکذا النجباء

”آپ ﷺ کو بچپن میں ہی زہد عبادت اور خلوت مالوف ہو گئی اور اچھے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے“۔

محمد بن احمد بینس اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت فرماتے تھے اور اس میں عبادت میں مشغول رہتے۔

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے نزدیک خلوت اور عزلت نشینی محبوب تھی، آپ خلوت کو پسند فرماتے حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال سے کلیۃً رو گردانی کرتے ذکر و اذکار کے بحر میں مستغرق ہو گئے۔ جب آپ ﷺ ان علائق سے منقطع ہوئے تو حصولِ مراد کی طرف متوجہ ہو گئے پھر آپ ﷺ کو خلوت میں انس حاصل ہونے لگا اور اس سے خلوت کا تصور آیا۔ پھر آپ ﷺ کا یہ انس بڑھتا گیا اور آئینہ قلب میں صفائی اور چمک میں مزید نکھار پیدا ہو گیا یہاں تک کہ انتہائی درجہ کمال تک پہنچ گیا تو اس میں نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے تو یہ روشن اور منور ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے وہ بڑی فصیح و بلیغ زبان میں کہتا ”السلام علیک یا رسول اللہ۔“ [2]

سلیمان الجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عبادت یہ تھی کہ آپ ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت نشینی فرماتے اور ایک ماہ مکمل ہونے کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے طواف بیت اللہ کرتے۔ غارِ حرا میں آپ ذکر و فکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ غارِ حرا کے علاوہ آپ دوسرے مقامات میں بھی خلوت نشینی فرماتے۔ [3]

---

[1] (شرح صحیح البخاری للعلامۃ الکرمانی ج ا ص ۳۲)

[2] (لوامع الکوکب الدری فی شرح الھمزیۃ للبوصیری ص ۴۹-۴۸)

[3] (الفتوحات لأحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ علیٰ شرح الھمزیۃ ص ۲۱)

غارِ حرا سے ہی نزولِ وحی کا نور پھوٹا اور بعثت کی سہانی صبح طلوع ہوئی۔ اور تصوف اسلامی کی ابتداء ہوئی غارِ حرا کے بعد بھی نبی کریم ﷺ نے خلوت کو ترک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت فرماتے۔ فقہاء نے اسے اعتکاف سے موسوم کیا۔

خلوت کی اہمیت اور اس کے فوائد کے بارے میں علماء کے اقوال

خلوت کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان کو وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے اس کی حلاوت کو چکھا ہو۔ یہ نفس کو مہذب بنا کر اس کا تزکیہ کرتی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا عادی اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا انس پیدا کرتی ہے کیونکہ نفس امارہ کی صفت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مجلس اور لہو ولہب کو پسند کرتا ہے۔ خلوت نشینی اور اپنی لغزشوں اور خطاؤں کے محاسبہ سے نفرت کرتا ہے۔ ابتداء میں جب ہم اس کو خلوت کیلئے مجبور کریں گے تو یہ تنگی محسوس کرے گا، لیکن بہت جلد طاعت کی طرف مائل ہو جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور مناجات کی حلاوت چکھ لے گا۔ خصوصًا جب مادے کی قیود سے آزاد ہو کر عالم ملکوت کی سیاحت میں مشغول ہو جائے۔

شاہین انسانی آبادی سے دور پہاڑ کی بلند وبالا چوٹیوں پر بسیرا کرتا ہے پھر جب اس کو شکار کر کے گھر میں قید کر دیا جاتا ہے اور گوشت پر اس کی پرورش کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تو وہ اپنے مالک سے مانوس ومالوف ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور پھر جب وہ اس کو شکار کیلئے چھوڑتا ہے تو شکار کر کے اپنے مالک کی رضا وخوشنودی کے لئے واپس آ جاتا ہے اور اپنے مالک کی خواہش کو اپنے نفس کی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے۔

کیا ایک مؤمن کیلئے یہ بات قابلِ عبرت نہیں ہے کہ ایک پرندہ تو اپنے مالک کی آواز سنے اور اس کی طاعت کرے لیکن بندہ مؤمن اپنے خالق کی طرف متوجہ نہ ہو۔

خلوت، دل، فکر اور عقل کو دنیاوی مشاغل اور غموں سے راحت پہنچاتی ہے حتیٰ کہ بندہ مؤمن اس کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پالیتا ہے اور اسے ایمان اور سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

اب ہم خلوت کے متعلق بعض علماء وصلحاء کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فیروز آبادی صاحب القاموس:

علامہ فیروز آبادی نزولِ وحی سے پہلے نبی کریم ﷺ کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب نزولِ وحی کے ایام قریب آئے تو رسول اللہ ﷺ خلوت اور عزلت نشینی کو پسند کرنے لگے۔ آپ حرا کے پہاڑ پر تشریف لے جاتے۔ یہ پہاڑ

کعبہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار واقع ہے جو تقریباً چار ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی ہے آپ نے اس غار کو اپنی خلوت کیلئے منتخب فرمایا۔ خلوت میں آپ کی عبادت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی عبادت غور و فکر پر مشتمل تھی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ وہاں ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور یہی قول صحیح ہے۔ پہلا قول قابلِ التفات نہیں کیونکہ طالبین حق کی خلوت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱): ان کی خلوت حق باری تعالیٰ سے مزید علم یقین کی طلب میں ہو۔ اور یہ نظر و فکر سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص اپنی خلوت میں کائنات کی کسی چیز سے مخاطب ہوتا ہے یا اس میں غور و فکر کرتا ہے وہ در حقیقت خلوت میں نہیں ہے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے عرض کی کہ جب آپ خلوت میں اپنے رب کے قریب ہوں گے تو ہمیں بھی یاد رکھنا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس وقت آپ کو یاد کروں تو پھر میں خلوت میں نہیں ہوں گا۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث قدسی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

انا جلیس من ذکرنی۔

یعنی ”میں ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوتا ہوں“۔

اور اس خلوت کی شرط یہ ہے کہ دل اور روح کے ساتھ ذکر کیا جائے نہ کہ زبان کے ساتھ۔

(۲): خلوت کی دوسری قسم صفائے فکر کیلئے ہوتی ہے تاکہ معلومات کے حصول میں ان کی نظر و فکر صحیح ہو جائے تو یہ خلوت وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو عقل کے میزان سے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ میزان انتہائی لطیف ہوتا ہے معمولی لغزش سے بھی وہ راہِ راست سے ہٹ سکتا ہے۔ طالب حق اس قسم کی خلوت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان کی خلوت خالصۃً ذکرِ الٰہی سے معمور ہوتی ہے۔ نظر و فکر کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ صاحبِ خلوت اگر ذکر و نظر میں مشغول ہو جائے تو وہ اہلِ خلوت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مخلص طالب حق نہیں تھا کیونکہ اگر وہ اپنی طلب میں مخلص ہوتا تو عنایت ربانی اسے اس ہلاکت سے بچا لیتی۔

(۳) یہ وہ خلوت ہے جسے بعض اہلِ دنیا اس وقت اختیار کرتے ہیں جب لوگ کسی وجہ سے انہیں چھوڑ جاتے ہیں وہ دل کو بہلانے کیلئے عزلت نشینی کو اختیار کرتے ہیں۔

(۴) یہ وہ خلوت ہے جو خلوت میں پائی جانے والی لذت کی مزید طلب کے لئے کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی خلوت کا تعلق قسم اول سے تھا۔ آپ ہر قسم کے مشاغل سے دور تھے حتیٰ کہ مال و دولت اور اہل و عیال کی محبت کو دل سے نکال کر قلبی اذکار کے بحر میں مستغرق رہتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق منقطع کر لیا تو آپ کو

اس خلوت کی وجہ سے انس اور خلوت عطا ہوئی یہ انس کی کیفیت اسی طرح جاری رہی اور قلب مبارک میں مزید صفائی اور نور پیدا ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے انتہائی درجہ کمال پالیا۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بند دروازہ کو کھول دے اور اسے علم عطا فرمائے اسے چاہیئے کہ وہ خلوت اور قلتِ طعام کو اختیار کرے، سفہاء کی مجلس سے اجتناب کرے اور ان اہلِ علم کی صحبت سے بھی بچے جن میں انصاف اور عدل کی کمی ہوتی ہے۔[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنی سمع وبصر کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں دل کی دہلیز ہیں۔ اور دل ایک حوض کی طرح ہے، انسانی حواس ظاہری کی نہریں اس میں آلودہ پانی جمع کرتی ہیں۔ خلوت کا مقصد حوض کو اس آلودہ پانی سے خالی کرنا اور اس کے اثرات سے پاک کرنا ہے تاکہ حوض کے اندر سے ہی حکمت کا چشمہ پھوٹے جس سے پاکیزہ اور صاف پانی نکلے اور جب تک یہ نہریں کھلی ہیں حوض کی صفائی کیسے ممکن ہے کیونکہ اس سے جتنا زیادہ آلودہ پانی نکالا جائے گا اس سے زیادہ اس میں داخل ہو جائے گا اس لئے حواس ظاہری کی حفاظت ضروری ہے اور یہ خلوت کے بغیر ممکن نہیں۔[3]

جب انسان اپنے نفسانی امراض، فضول مصروفیات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے انوار و تجلیات اور علم لدنی کا مستحق ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خلوتوں کے درمیان مجھ پر کچھ ایسے امور منکشف ہوئے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن پھر بھی فائدے کیلئے چند چیزوں کو ذکر کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیائے کرام کا گروہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والا ہے۔ ان کی سیرت بہترین اور طریقہ صحیح ترین اور ان کے اخلاق پاکیزہ اور عمدہ ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور شرعی اسرار ورموز سے واقف علماء کے علم کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کے اخلاق اور سیرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی ظاہری اور باطنی تمام حرکات و سکنات مشکوۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں۔ اور روئے زمین پر نورِ نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہو۔[4]

---

[1] (کتاب سفر السعادة للفیروز أبادی، ص ۴-۳)

[2] (بستان العارفین للإمام الفقیه الحافظ أبی زکریا محی الدین النووی ص ۴۷)

[3] (الإحیاء للغزالی ج۳ص ۲۶)

[4] (المنقذ من الضلال ص ۱۳۲ - ۱۳۱)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرار و رموز اور مزید انوارِ الٰہیہ کا طالب جب خلوت اور ذکر کو لازم پکڑتا ہے اور اپنے دل کو نظر و فکر سے پاک کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار کے در کا فقیر بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم و اسرار اور معارف ربانیہ عطا کر دیتا ہے جو اس نے اپنے خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کئے تھے اور آپ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَوَجَدَ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَیْنَاہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاo (کھف: ۶۵)

”تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم۔“

درج ذیل آیات بھی انہی علوم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں:

(۱): وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ۔ (بقرہ: ۲۸۲)

”اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ“۔

(۲): إِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا۔ (انفال: ۲۹)

”اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت۔“

(۳): وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ۔ (حدید: ۲۸)

”اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے“۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی کہ آپ نے یہ تمام مراتب و منازل کیسے حاصل کئے؟ تو آپ نے فرمایا! میں یہاں بیٹھ کر تیس سال تک علم حاصل کرتا رہا۔

حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تم نے علم ان راویوں سے حاصل کیا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ہمارا علم اس ذات سے ماخوذ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے ہیں صاحب ہمت کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علوم عطا ہوتے ہیں جن تک علماء اور حکماء کی رسائی نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی صاحبِ نظر و فکر اس کیفیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔[1]

الشیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: شیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ **”منظومۃ الاداب“** کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثیر صوفیائے کرام نے خلوت کی تعریف کی ہے اور سالک کو لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔

أنست بوحدتی و لزمت بیتی — **فدام الانس لی و نما السرور**

---

[1] (الفتوحات المکیۃ ج ۱ ص ۳۱)

"میں اپنی تنہائی سے مانوس ہو گیا اور میں نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا تو انس میرا ساتھی بن گیا اور سرور میں اضافہ ہو گیا"۔ [1]

ڈاکٹر مصطفی السباعی: ڈاکٹر مصطفی السباعی فرماتے ہیں کہ مبلغ اور عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت کیلئے کچھ اوقات خاص کرے جن میں اس کی روح کا اتصال ذاتِ باری تعالیٰ سے ہو۔ اور اس کا نفس اخلاقِ مذمومہ کی کدورت سے صاف ہو جائے۔ اور اس قسم کی خلوت محاسبۂ نفس کی داعی ہوتی ہے۔ جب بھی نفس کسی نیکی کے کام میں کوتاہی کرتا ہے یا صراط مستقیم اور حکمت کے راستہ سے بھٹکتا ہے یا لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف ہوتا ہے تو خلوت میں محاسبۂ نفس اس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مانوس اور آخرت جنت اور دوزخ موت اور اس کے مصائب وآلام کو یاد دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے تہجد اور قیام اللیل نبی کریم ﷺ پر فرض تھا اور آپ کی امت کیلئے مستحب، اسی لئے علماء مبلغین کو نماز تہجد کا زیادہ حریص ہونا چاہئے۔

خلوت اور رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے میں جو لذت ہے اس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم نوازی فرمائی ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز تہجد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

نحن فی لذۃ لو عرفھا الملوک لقاتلونا علیھا۔

یعنی "نماز تہجد میں ہمیں ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ جنگ وجدل پر اتر آئیں۔" [2]

عماد الدین الواسطی: شیخ الامام عماد الدین الواسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہم سب کیلئے شب وروز میں ایک ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں ہم اپنے رب کی بارگاہ میں خلوت میں حاضر ہوں اور اپنے تمام غموں کو اس کی بارگاہ میں پیش کریں۔ دنیا کے مشاغل کو اپنے دل سے نکال دیں اور ماسوٰی اللہ ہر چیز کو بھول جائیں۔ اس کے ذریعہ انسان پروردگار کے ساتھ اپنے حال کو پہچانتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح اپنے رب کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے عزائم پختہ ہو جاتے ہیں اور اس کا دل حقیقی محبت اور تعظیم کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور پھر وہ بارگاہِ الٰہی میں آہوں اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور خلوت کی یہ گھڑی دراصل قبر میں بندے کی حالت کا نمونہ ہے جبکہ وہ اپنے مال واولاد کو چھوڑ کر اس میں قیام پذیر ہو گا۔ اور جو شخص پریشان کن دنیاوی غم واحزان میں اللہ تعالیٰ کیلئے ایک گھڑی نہیں نکال سکتا اسے جان لینا چاہئے کہ اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ اور محبت

---

[1] (غذاء الألباب شرح منظومة الآداب للشيخ الإمام محمد السفارینی الحنبلی ج ۲ ص ۳۸۸)

[2] (مذاکرات فی فقه السیرة للدکتور مصطفیٰ السباعی ص ۱۸)

ومحبوبیت اس کے نصیب میں نہیں ہے اسے اپنی اس حالت پر رونا چاہئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کیلئے خاص کرنا چاہئے اگر اس نے اللہ کیلئے کچھ وقت خاص کر دیا تو اس کی برکت سے نماز کی پابندی بھی ہو جائے گی اور اس میں خشوع وخضوع بھی پیدا ہو اجائے گا۔ اس لئے ہمیں شبانہ روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت اپنے پروردگار کیلئے نکالنا چاہئے تاکہ اس وقت میں یکسوئی سے اس کی عبادت کر سکیں اور پھر اس طریقہ پر نماز ادا کرنے کی کوشش کریں۔[1]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری کے اس قول **"مانع القلب شئ مثل عزلہ یدخل بھا میدان فکرۃ"** (اس عزلت سے بڑھ کر دل کیلئے فائدہ مند کوئی شئ نہیں جس کے ساتھ سالک میدان فکر میں داخل ہوتا ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عزلت کے معنی دل کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کرنا ہے۔ کبھی عزلت سے مراد وہ خلوت ہوتی ہے جس میں انسان لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے دل اسی وقت خالی ہو گا جب اسے خلوت میسر آئے گی۔

اور فکر سے مراد دل کا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کی طرف متوجہ ہونا ہے، اور اس کی دو اقسام ہیں:

(۱): تصدیق وایمان میں غور وفکر کرنا (۲): مشاہدہ ربانی کیلئے غور وفکر کرنا

اور دل کیلئے اس عزلت نشینی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شئ نہیں جس میں فکر وتدبر پائی جائے کیونکہ عزلت نشینی پرہیز کی مثل ہے اور فکر وتدبر دوا کے مثل اور دوا بغیر پرہیز کے فائدہ نہیں دیتی۔ اسی طرح بغیر دوا پرہیز میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی عزلت نشینی میں کوئی فائدہ نہیں جس میں فکر وتدبر نہ ہو۔ اور اسی طرح بغیر عزلت نشینی کے فکر وتدبر بار آور نہیں ہوتا کیونکہ عزلت نشینی کا مقصد حقیقی دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنا ہے اور دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنے کا مقصد اس کو بارگاہِ الٰہی کی طرف متوجہ کرنا اور فکر وتدبر میں مصروف کرنا ہے۔ اور فکر وتدبر میں مشغول ہونے سے علم لدنی حاصل ہوتا ہے اور وہ دل میں متمکن ہو جاتا ہے اور اس علم لدنی کا حاصل ہونا ہی دل کی دوا اور صحت یابی ہے اور یہی وہ دل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلب سلیم سے موسوم کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَo اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍo" (شعراء: ۸۹-۸۸)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم"۔

---

[1] (غذاء الألباب ج ا ص ۴۷)

بزرگوں کا فرمان ہے کہ دل معدے کی مثل ہے اور معدہ میں جب اخلاط کی کثرت ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس وقت پرہیز کے علاوہ اسے کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی اور یہ پرہیز کثرت اخلاط اور غذا کی مقدار کو کم کرنا ہے۔ کہتے ہیں:"المعدة بيت الداء والحمية رأس الدواء" معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز دوا کی اصل ہے۔ اور اسی طرح دل پر جب شیطانی وساوس اور مادیت کا غلبہ ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں پرہیز کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں یعنی لوگوں سے عزلت نشینی اختیار کرے اور فکر و تدبر سے کام لے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا تو اس کا دل صحت یاب اور مستقیم ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو یہ بیمار رہے گا حتیٰ کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیمار دل لے کر حاضر ہو گا جو شکوک وشبہات اور برے خیالات سے بھرا ہوا ہو گا۔ نسأل الله العافية۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بہترین مجلس وہ ہے جس میں انسان بحر توحید میں فکر و تدبر کرتا ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ عزلت نشینی کے چار بڑے فوائد ہیں:

(۱): حجابات منکشف ہو جاتے ہیں
(۲): رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
(۳): محبت حاصل ہو جاتی ہے۔
(۴): انسان سچائی کا عادی ہو جاتا ہے

خلوت کے دس فوائد:

پھر آپ نے خلوت کے دس فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱): انسان زبان کی آفات سے بچ جاتا ہے کیونکہ جو انسان خلوت میں ہو گا تو کسی سے گفتگو نہیں کر سکے گا اور زبان کی آفات سے غالباً وہی بچ سکتا ہے جو خلوت کو جلوت پر ترجیح دیتا ہے۔

(۲): نظر کی آفات سے بھی بچ جاتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کو چھوڑ کر کنج تنہائی میں بیٹھ جائے گا اس کی نظر دنیا کی ظاہری زیب وزینت سے محفوظ رہے گی۔ حکماء کا قول ہے جو شخص زیادہ ادھر ادھر دیکھتا ہے اس کی حسرت بڑھ جاتی ہے۔

(۳): اس کا دل ریاکاری اور اس قسم کے دوسرے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴): وہ شخص دنیا میں زہد و قناعت اختیار کرتا ہے اور اسی میں انسان کی عظمت اور اس کا کمال ہے۔

(۵) وہ برے اور گھٹیا لوگوں کی صحبت سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی صحبت میں بڑے خطرات ہوتے ہیں۔

(۶): وہ عبادت اور ذکر کیلئے فارغ ہوتا ہے اور تقویٰ و نیکی پر عزم مصمم کرتا ہے۔

(۷): اسے عبادت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے اور اس فراغت اور تنہائی میں مناجات کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ مرید اس وقت صادق ہوتا ہے جب وہ خلوت میں ایسی حلاوت قوت اور نشاط پاتا ہے جو جلوت میں نہیں پاتا۔

(۸): دل اور بدن کو راحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ اختلاط دل کی تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

(۹): انسانی نفس اور اس کا دین ان خطرات اور برائیوں سے بچ جاتا ہے جو لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۰): خلوت میں انسان غور و فکر کی عبادت کو بخوبی ادا کر سکتا ہے۔ اور خلوت کا یہی مقصود اعظم ہوتا ہے۔

یہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے خلوت کے بارے میں چند اقوال ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خلوت وہ عملی طریقہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کیلئے سنت بنا دیا ہے تا کہ ان کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جائے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ ہو جائے اور ان کی ارواح بلند پرواز کی متحمل اور ان کے دل پاکیزہ ہو جائیں تا کہ وہ تجلیاتِ الٰہیہ کے قابل ہو جائیں۔

کیا نبی کریم ﷺ کا یہ عملی نمونہ خالق سموات والارض کی معرفت کا سبب نہیں ہے؟ کیا یہ صوفیائِ کرام کی ازواق جذب و وجد کی اساس اور کشف فیضِ الٰہی انوار و تجلیات اور صفائے قلبی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو اپنے سایہ تلے جگہ دے گا اور ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔[1]

کیا یہ حدیثِ پاک ذکرِ الٰہی کیلئے خلوت کے جائز ہونے کیلئے دلیل قاطع نہیں ہے؟ یہی وہ خلوت ہے جس میں صوفی تنہائی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر انوار و تجلیات کی بارش کر دیتا ہے اور اسے اپنی بارگاہ میں شرف باریابی عطا فرماتا ہے۔

حدیث قدسی ہے: **أھل ذکری اھل مجالستی**۔ یعنی اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں۔[2]

اور جب وہ تنہائی میں اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو کوئی چیز بھی اس کو اس ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس بارگاہ کی حضوری میں اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔

---

[1] (ایقاظ الھمم، ج ا ص ۳۰)

[2] (أخرجه الإمام أحمد في مسنده من حديث طويل)

شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حالت کو کیا خوب بیان فرمایا ہے:

ولقد خلوت مع الحبیب وبیننا　　سرارق من النسیم اذا سری
فدھشت بین جمالہ وجلالہ　　وغدا لسان الحال عنی مخبرا

مجھے محبوب کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارے درمیان چلتی ہوئی بادِ نسیم سے بھی زیادہ رقیق راز تھا، میں اس کے جمال و جلال میں مدہوش ہو گیا تو زبان حال نے میری مخبری کر دی۔

یعنی جب اسے معرفتِ الٰہی حاصل ہوئی تو خوشی میں آنسو نکل آئے۔

ولی اللہ لیس لہ انیس　　سوی الرحمان فھو لہ جلیس
فیذکرہ ویذکرہ فیبکی　　وحید الدھر جوھرہ نفیس

ترجمہ: ولی اللہ کیلئے اللہ کے سوا کوئی انیس نہیں اور وہ اسی کا ہم نشین ہوتا ہے۔ وہ اسے یاد کرتے کرتے رو پڑتا ہے وہ یکتائے روزگار، اس کا جوہر نفیس ہے۔

گناہ گار بندہ جب ان اولیائے کرام کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہے تو پہلے نفسِ امارہ کے ساتھ خلوت نشین ہو جاتا ہے اور اس کی زجر و توبیخ کرتا ہے اور اپنے اس ارادہ میں مخلص ہو جاتا ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اس افسوس میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ اس کی زندگی لہو و لہب میں ضائع ہو گئی ہے۔ بقولِ شاعر:

علی نفسہ فلیبک من ضاع عمرہ　　ولیس لہ فیھا نصیب ولا سھم

جس نے اپنی عمر ضائع کر دی اسے اپنے آپ پر رونا چاہئے اب اس کا نہ کوئی حصہ بچا ہے نہ نصیب۔

اور پھر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور رحمت کی امید کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور اس کی رحمت اس گناہگار بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے:

وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا واذا تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا واذا اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔

"اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھے تو میں ایک ذراع اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ذراع میری طرف بڑھے تو میں دو ذراع اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری بارگاہ میں چل کر آئے تو میری رحمت دوڑ کر اسے اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔"

اور وہ نبی کریم ﷺ کی اس بشارت کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت گرمی میں اسے اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا اور اس وقت لوگ جھلسا دینے والے سورج کی گرمی میں کھڑے ہوں گے۔

قرآن وحدیث کے واضح دلائل اور علمائے کرام کے اقوال سے خلوت کی مشروعیت ثابت ہوئی ہے یہ کوئی بدعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ غایت مقصودہ ہے۔ بلکہ یہ تو ایک وسیلہ ہے تاکہ دل بیماریوں سے صحت یاب ہو جائے اور بروزِ قیامت باعثِ نجات ہو۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ (الشعراء: ۸۸،۸۹)

”جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ کے حضور قلبِ سلیم“۔

خلوت سے مراد نہ ہی تو دائمی عزلت نشینی ہے اور نہ ہی لوگوں سے سراسر منقطع ہونا ہے۔ بلکہ جس طرح ایک مریض کو ایک مدت کیلئے ہسپتال داخل کیا جاتا ہے تاکہ وہ جسمانی بیماریوں سے نجات پائے۔ اور پھر صحت مند قوی وتوانا ہو کر اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح مؤمن ایک مخصوص وقت خلوت میں گزارتا ہے اور پھر عملی زندگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس خلوت کی برکت سے اس کا اپنے رب سے تعلق مضبوط اور اس کا دل ایمان اور یقین کی دولت سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور پھر بڑی جوانمردی کے ساتھ دنیاوی مکر وفریب کا مقابلہ کرتا ہے، خصوصًا جب وہ اس فانی زندگی کی حقیقت کو جان لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ“ (الرحمن: ۲۶)

جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔

ہم اپنے ارد گرد کے ماحول میں بہت سے لوگ دیکھتے ہیں جو اپنے فانی جسم کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اس کی صحت کے اسباب مہیا کرتے ہیں اس کو راحت وسکون پہنچانے کیلئے کثیر وقت نکال لیتے ہیں لیکن جب ان کو روحانی بیماریوں کی طرف متوجہ کیا جائے تو اس کو بہت عجیب سمجھتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں وقت کا ضیاع ہے اور یہ بدعت ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔ ایسے لوگوں پر شاعر کا قول صادق آتا ہے۔

تطیب جسمک الفانی لیقبی — وتترک قلبک الباقی مریضا

اپنے فانی جسم کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ باقی رہے اور تو اپنے باقی رہنے والے دل کو بیمار چھوڑ دیتا ہے۔

اگر یہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیتا کہ اسلام بدن کے ساتھ ساتھ دل کی اصلاح کا حکم دیتا ہے تو اپنے دل کا خیال کرتا۔ جس طرح وہ اپنے بدن کا خیال رکھتا ہے۔ بقولِ شاعر۔

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمته　　اتطلب الربح مما فیه خسران
لقبل علی النفس و استکمل فضائلها　　فانت بالروح لا بالجسم انسان

اے جسم کے خادم تو اس کی خدمت کیلئے کس قدر دوڑ دھوپ کرتا ہے کیا تو اس چیز سے نفع چاہتا ہے جس میں سراسر گھاٹا ہے۔ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جا اور اس کے فضائل کو مکمل کر کیونکہ تو روح کی وجہ سے انسان کہلاتا ہے نہ کہ جسم کی وجہ سے۔ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت نشینی اختیار کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

صاحبِ حقائق عن التصوف شیخ المشائخ حضرت عبد القادر عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے شیخ و مرشد محمد ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کو خلوت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ مریدین کیلئے ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ اور دنیا کے شور و غوغا سے دور کسی مقام پر خلوت نشین ہوں پھر شیخ انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرے تا کہ وہ شب و روز اس ذکر میں مستغرق رہے اور صرف نماز کھانے اور سونے کے وقت ذکر میں مشغول نہ ہو اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہو بلکہ ہمیشہ اسی ذکر میں محو رہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل: ۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔"

مرید اپنے دل کی طرف متوجہ ہو کر اور اس میں آنے والے وساوس اور خواطر کو دور کرتے ہوئے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور اپنے شیخ کے تجربات معارف و احوال اور ارشادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منازلِ سلوک طے کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ذکر اس کے سویدہ قلب میں سرایت کر جاتا ہے اور لفظ "اللہ" اس میں نقش ہو جاتا ہے۔ غفلت ختم ہو جاتی ہے اجنبیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور انس کی حلاوت محسوس کرتا ہے اور پھر اسی طرح سلوک کی منازل طے ہوتی جاتی ہیں کہ جن کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

خلاصہ کلام

خلوت کی دو اقسام ہیں:

(۱) عام خلوت　　(۲) خاص خلوت

عام خلوت: وہ ہے جس میں مؤمن ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یا تلاوتِ قرآن حکیم محاسبۂ نفس اور زمین وآسمان کی تخلیق میں فکر وتدبر کرتا ہے۔

خاص خلوت: وہ ہے جس کو سالک مراتب احسان اور معرفت کے منازل طے کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور یہ خلوت کسی شیخ کامل کی نگرانی میں ہوتی ہے وہ سالک کو ایک معین ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ دائمی رابطہ رکھتا ہے تاکہ اس کے شکوک وشبہات کو دور کر کے اسے معرفت کی حدود میں داخل کر دے۔ اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسے اور وہم کو دور کرے اور اس کو ایک منزل سے دوسری طرف منتقل کرتا رہے۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ سلوک کی آخری منزل ہے بلکہ یہ توراہِ سلوک کا پہلا قدم ہے اس کے بعد ضروری ہے کہ سالک طویل مجاہدات سے گزرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا مرشد سے قوی رابطہ ہو۔ صبح شام اور فارغ وقت میں اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرے تاکہ اسے دائمی قرب ووصال حاصل ہو جائے۔ اس طرح وہ احسان کے دونوں مراتب یعنی مراقبہ اور مشاہدہ کو حاصل کرلیتا ہے۔

جن کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنی حدیثِ پاک میں اشارہ فرمایاہے:

"الاحسان ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"۔